مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِی اَبَدًا

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں کتابِ خدا اور میرے اہل بیت چھوڑے جارہا ہوں
جبتک ان دونوں سے متمسک رہیں گے، گمراہ نہیں ہونگے۔ (حضرت رسول اکرمؐ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

"کہو' اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے"

(آل عمران آیت ۶۴)

سہ ماہی
کتابی سلسلہ

مجلہ عقائد

جلد اول شمارہ سوم

مضامین : مجلس مقالہ نگاران

دفتر :2-J-5/4 ناظم آباد۔ کراچی

فون :626151,6685911

قیمت : فی شمارہ۔ ۱۰۰ روپے
(علاوہ ڈاک خرچ)

سالانہ : ۳۰۰ بذریعہ ڈرافٹ/پے آڈر
بنام سید محمد صادق شرف الدین

اشاعت محدود برائے ممبران

E-mail : msadiq@cyberaccess.com.pk

العصر پبلیشرز اینڈ پرنٹرز

فہرستِ مضامین

تعارف مجلّہ اعتقاد

اسلامی سال نو کا آغاز ماہ محرم الحرام سے ہوتا ہے اس مناسبت سے سہ ماہی سلسلۂ کتب ''مجلّہ اعتقاد'' کا تیسرا شمارہ سنہ ۱۴۲۰ھ قمری کے آغاز پر اور ایام عزاداری امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مناسبت سے تقویم اسلامی شعائر اسلامی اور امام حسین اور دعا پر مشتمل مضامین کے ساتھ قارئین کرام کی نگاہ و نگار کیلئے پیش خدمت ہے۔

ممکن ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ سہ ماہی سلسلہ کتب کے اجراء کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی اس سلسلہ میں عرض ہے چونکہ روایتی کتب، لکھنے والوں اور قارئین دونوں کو مضمون واحد میں محو کردیتی ہیں اور مولف و قارئین کو عجب و غرور میں مبتلا کرتی ہیں۔بلکہ کبھی کبھی وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید اس طرح وہ کچھ خدمت دین کررہے ہیں حالانکہ وہ اپنے گردونواح اور فی زمانہ دین وملت کیلئے درپیش مہلک و تباہ کن باد سموم سے اجنبی رہتے ہیں۔ جو کچھ دنیا میں اس دور میں ہورہا ہوتا ہے انھیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔ وہ چند صدی پیچھے جاکر ماضی کی داستان کے نفی واثبات میں مصروف عمل باتصنیف و تالیف اور محو مطالعہ رہتے ہیں۔

یہ صورت حال اور سیرت مصنفین و مولفین، قارئین ومطالعہ نگاران سب کیلئے دنیاو آخرت میں ایک دردناک عذاب کا پیش خیمہ ہے۔اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے محرم الحرام سنہ ۱۴۲۰ ہجری قمری جو کہ اپنے ساتھ تین اہم پہلو یعنی انسانی، اسلامی و مذہبی پہلو لیئے ہوئے ہے جو ہمیں اپنے حاضر کو ماضی سے جوڑنے اور ماضی کو حاضر بنانے کیلئے لائحہ عمل اور ہدایت نامہ جاری کرتا ہے ۔ اسی میں ہماری بقابھی ہے اور یہی ہمارا شعار بھی، اسی میں ہماری عزت بھی ہے ہمارا وقار بھی اور ہمارا دین و مذہب بھی ہے۔

انسانی زندگی میں دنیا بھر کی اقوام وملل کیلئے تاریخ ایک اہم عنصر ہے۔ انسان سازی میں تاریخ کا ایک اہم کردار ہے۔ تاریخ انسان کو ہمت و حوصلہ بھی دیتی ہے اور تاریخ ہی انسان کو شرمندگی اور افسردگی میں سرنگون بھی کرتی ہے۔

تاریخ کی اہمیت کا اندازہ اس طرح بھی کرسکتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنے موضوعات کا ایک اہم حصہ تاریخ واقعات سے مربوط کیا ہے۔اسے قرآن نے قصص کا نام دیا ہے۔ قصہ معنی کے لحاظ سے پیچھے پلٹ کر جانے کا نام ہے۔ جیسا کہ سورۂ کہف آیۂ ۶۴ میں بیان ہوا ہے :

''چنانچہ وہیں سے اپنی قوموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے''

اس نقطۂ نظر سے تقویم یعنی تنظیم اوقات اور وقت میں

اعتدال، اپنے عمل کیلئے بشر نے وقت کا تعین پہلے ہی دن سے شروع کیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بشر جغرافیائی، رنگ و نسل ذات پات اور دین و مذہب کے نام پر تقسیم ہو گیا اور ہر گروہ نے اپنے لئے ایک الگ تقویم مرتب کی۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور جامع نظام حیات ہے لہٰذا ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرینگے کہ اسلام میں تقویم کا کیا مقام ہے؟ اسلام میں اسکی کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں؟ کیا اسلام میں اپنی تقویم ہے؟ اگر ہے تو اسکی کیا خصوصیات ہیں، کیا امتیازات ہیں؟ اس میں کیا خوبیاں ہیں اور دوسروں کی تقویم میں کیا قباحتیں ہیں اور کیا خوبیاں ہیں؟۔ اسلامی تقویم کا آغاز کب سے ہوا؟ اس کے مہینے اور دنوں کے نام کیا امتیاز رکھتے ہیں؟۔ آیا تقویم صرف دیوار و میز کی آرائش کے لئے اور پرس میں رکھنے کی نوٹ بک ہے یا تقویم نظری کے ساتھ ساتھ تقویم عملی بھی ہے؟ یہ اور ایسے بہت سے دوسرے سوالات ہیں جو ہماری نوجوان نسل اور دنیائے کفر والحاد، یہود و مسیحیت کی ثقافتی یلغار و استحصال سے نجات چاہنے والوں کے دلوں میں موجزن ہیں۔ لہٰذا ہماری مجلس مقالہ نگاران نے اپنی حدود و استطاعت میں رہتے ہوئے ''کمال جود وبذل موجود'' کے اصول کے تحت ان سوالات کے بارے میں کچھ معلومات مرتب کر کے اس شمارے میں پیش کی ہیں۔

دوسرا موضوع جس کو اس مرتبہ اہمیت دی گئی ہے وہ بھی زمان و مکان سے متعلق ہے۔ دور حاضر کی نسل نوجوان کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ' شعائر اسلامی ہیں۔ ایک کہنہ ترین شعائر، شاید شعائر ابراہیم خلیل اللہ سے شروع ہوا ہو یعنی شعائر اشہر حرم۔ اشہر حرم کیا ہیں؟ عرب جنگی آمدنی کا زیادہ حصہ غارتگری، لوٹ مار اور قتل کے ذریعہ ہوتا تھا وہ بھی اس سلسلہ کو ان مہینوں (اشہر حرم) میں بند کرتے تھے یعنی ان مہینوں میں انکے لئے قتل و غارتگری ممنوع تھی چاہے ان کے سامنے انکے باپ کا قاتل ہی کیوں نہ ہو۔

چونکہ فساد پر قابو پانا، برے کردار و افعال و اخلاق کو کنٹرول کرنا پیغمبرؐ اسلام و قرآن کریم کی بنیادی مہم میں سے ہے لہٰذا اسلام نے بھی ان مہینوں کا شدت سے احترام کیا ہے اور قرآن کریم نے حکم دیا کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے۔ حتیٰ ان مہینوں میں اگر مسلمانوں کو کسی مشرک کو لوٹنے مارنے کا موقع ہاتھ آئے تو اسے بھی نہ ماریں اور نہ لوٹیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس مہینے کا احترام کریں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں ہی میں ان محترم مہینوں (اشہر حرم) میں سے ایک ماہ ''محرم الحرام'' ہے۔

سنہ ۶۱ ہجری یعنی پیغمبر گرامیؐ قدر کی رحلت کے صرف پچاس سال بعد ماہ محرم الحرام میں دشت کربلا میں خدا اور رسول اور اسلام کی حرمات کو، اس وقت کے نام نہاد خلیفۂ مسلمین نے انتہائی دردناک و حشت کے انداز سے پامال کیا۔ چنانچہ مؤلف کبیر اسلامی ابوالحسن علی ندوی نے کتاب المرتضیٰ میں عاشورائے حسینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تقویم اسلامی میں دس محرم الحرام کو دیکھتے ہوئے جبین انسانیت و اسلام شرم سے جھک جاتی ہے۔ یعنی تقویم اسلامی میں یہ دن شعائر اسلام کو پامال کرنے کا دن تھا۔

در حقیقت بنی امیہ نے اپنے بیس سالہ دور حکومت میں تمام شعائر اسلامی کو مسخ و پامال کیا تھا۔ ان شعائر اسلامی کی پامالی پر امام حسین علیہ السلام نے سنہ ۵۹ ہجری میں حج کے موقعہ پر میدان منیٰ میں اصحاب و تابعین سے خطاب کرتے ہوئے اس صورت حال میں انھیں انکی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ آئندہ برس یعنی سنہ ۶۰ ہجری کو مدینہ سے نکلتے ہوئے اس کے بعد

مکہ چھوڑتے ہوئے اور منزل ثعلبیہ یا بیضا پر قول رسولؐ سے استناد کرتے ہوئے لشکر حر سے خطاب کے دوران لوگوں کو اس طرف متوجہ فرمایا یہی وجہ ہے کہ شعائر اسلامی کی پامالی کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے اسوقت کے شعائر اسلامی کے عظیم ترین محافظ' بلند ترین شعائر اللہ یعنی حسینؑ واصحاب حسینؑ کی حرمت کو پامال کیا گیا۔ لہٰذا عاشورائے حسینؑ دراصل شعائر اسلامی کا" یوم سوگواری" ہے۔

اس واقعہ کے بعد تمام آئمہ اطہارؑ نے شعائر اسلامی کے محافظین کو شعائر اسلامی پر گزرنے والی مصیبتوں کی طرف متوجہ کیا۔ آئمہ علیھم السلام نے اس سلسلہ میں اس زمان کو یعنی عشرہ محرم کو بھی زندہ رکھنے کی کوشش کی اور اس مکان یعنی کربلائے معلیٰ کو بھی۔

آئمہ اطہارؑ نے اس شعائر اسلامی یعنی عزاداری امام حسینؑ کی خود بھی پاسداری اور نگاہ داری فرمائی لہٰذا ذکر امام حسینؑ سے شعائر اللہ زندہ رہتا ہے اور اھداف حسینؑ بھی لوگوں کی نظروں میں زندہ رہتے تھے۔ لیکن آئمہؑ کے غیاب کے بعد یعنی عزاداری سے آئمہ کی ظاہری سرپرستی ختم ہونے کے بعد پھر سے شعائر اسلامی بھی مسخ ہونا شروع ہوئے اور عزاداری امام حسینؑ بھی حتیٰ جس کی غرض شعائر اسلامی کا تحفظ تھا اسے بھی دشمن اور نادان دوست دونوں نے ہاتھ ملا کر دونوں طرف سے اس کو مسخ کر رکھا ہے۔

ہر علاقہ میں' ہر گروہ اور ہر فرد نے اپنی من مانی' خود پسندی اور مفادات ذاتی کی خاطر شعائر حسینی کو جعل کرنے کی مہم شروع کر دی تھی جس کے نتیجہ میں شعائر اسلامی کی حرمت بھی کمزور ہوئی اور شعائر حسینی بھی۔ اس وقت شعائر حسینی اسلام کیلئے نہیں ہے بلکہ ایک گروہ کی جھوٹی عزت وانا کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ جو شعائر امت کو وحدت دینے کی خاطر وجود میں آیا تھا وہی اس امت کے خلاف دو دھاری تلوار ثابت ہوا۔ لہٰذا یہ بات اشد ضروری ہو گئی کہ ہم ان اسلامی شعائر کو بھی بیان کریں جنکے لئے حسینؑ نے قیام کیا اور اس راہ میں حسینؑ شہید ہوئے' اور یہ بھی بیان کریں کہ ہم حسینؑ کی عزاداری کو جو ہمیں آئمہ طاہرین نے دی ہے اس کو بھی دشمنوں اور نادانوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے بچائیں تاکہ جو چیز امت کے لئے نجات دہندہ تھی وہی امت کیلئے ہلاک کنندہ نہ بن جائے۔ اسی نقطۂ نظر کا لحاظ کرتے ہوئے اس مجلّہ کا دوسرا اہم موضوع شعائر اسلامی ہے۔

تاریخ میں کوئی بھی تاریخ نگار ایسا نہ ہو گا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم کہ جس نے سنہ ۶۱ ھجری کے حضرت امام حسینؑ کے یزید کے خلاف قیام کا ذکر نہ کیا ہو۔ اس وقت سے لیکر دور حاضر تک کے علماء اور دانشمندوں کی اکثریت نے حضرت امام حسینؑ کے اس قیام کو ایک عمل شرعی واسلامی قرار دیا ہے البتہ بعض نے دونوں ہی فریق پر تنقید سے گریز کیا ہے۔ دونوں کے نام احترام سے لینے کی کوشش کی ہے۔

بعض خود ساختہ احادیث کہ جن میں حکمرانوں (خواہ وہ نام نہاد حکمران ہی ہوں) کی اطاعت مطلق کی تلقین کی گئی ہے اور انکی مخالفت سے منع کیا گیا ہے۔ ان کو سند بنا کر حضرت امام حسینؑ کے قیام ونہضت کو غیر شرعی قرار دیا ہے۔ اسی فکر کو ادھر اُدھر مختلف اطراف میں سے تقویت ملنے کی وجہ سے ہمارے خطے میں یاد امام حسینؑ کیلئے کچھ مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

انسانی اعمال میں' افعال وکردار وگفتار میں اختلاف ناگزیر ہے۔ لیکن اختلاف نظر رکھنے والے دونوں فریق کو حق بجانب

گردانئے کی یہ منطق چنداں مستند نہیں۔ خصوصاًاس وقت جبکہ ان اختلافات کے تلفات' خسارے ناقابلتلافی ہوں'ایسی صورت میں ایک فریقلازماً حق بجانب ہوگااور دوسرا خطاکار اور باطل لیکن اسکا تعین کیسے کیاجائے؟ یہ معلوم کرنے کی کسوٹی دو ہیں :۔

(۱) ایک پیغمبر اکرمؐ سے مروی مستند اور متفق علیہ احادیث کہ جو فریقین کیلئے قابل قبول ہوں۔

(۲) دوسری جو اس سے بھی بلند درجہ پر فائز ہے وہ کسوٹی قرآن کریم ہے 'لہٰذا امت اسلام کیلئے قرآن کریم کو شریعت کا آخری ماخذ قرار دے کر تمام مسائل 'خصوصی طور پر ہمارے موضوع گفتگو قیام و نہضت امام حسینؑ کے بارے میں دونون فریق کو آیات قرآن سے استناد کرنا چاہئے۔جو افراد قیام مقدس حسینی کو (بعض موضوعی احادیث کی بنیاد پر) ناجائزیا غیر ضروری قرار دیتے ہیں'ان سے ہماری گزارش ہے کہ اختلافی احادیث کا سہارا لینے کے بجائے قرآن کریم سے استفادہ کرنا چاہئے اور کلام خدا کا ہی سہارا لینا چاہئے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اصل طاقت قرآن ہے نہ کہ اسلحہ۔

اسی طرح عزاداران امام حسین علیہ السلام اور ہوا خواہان امام حسینؑ کو ہر دن نئی نئی کہانی اور کہاوتوں' کرامت و معجزات اور شعر وشاعری کا سہارا لینے کے بجائے'امام حسینؑ کے قیام میں آپکے ہر ہر عمل اور کردار وگفتار کی سند کو قرآن کریم سے پیش کرنا چاہئے کیونکہ امام حسینؑ کے کلمات اور خطب تمام کی سند قرآن کریم ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اور امت مسلمہ کو اس خصوصی نکتہ کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے قیام امام حسینؑ کے چند زاویوں کے بارے میں حدود و قیود کی گنجائش کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے قیام حسینؑ کی پہلی بنیاد سے چند نکات کے بارے میں سند قرآنی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسال قبل ہم نے ''قیام امام حسینؑ اور قرآن کریم سے اس کی سند'' کے موضوع پر عزاداران امام حسینؑ کی خدمت میں پچاس سوالات پیش کئے تھے اور درست جوابات کے لئے معقول جائزہ (انعام) کی پیش کش بھی کی تھی۔ لیکن اسکے باوجود جواب منفی رہا۔ اصولی طور پر اس منفی جواب سے حوصلہ شکنی ہونی چاہئے کیونکہ عزاداران امام حسینؑ کیلئے کسی اور موضوع پر لکھنا بولنا ہوسکتا ہے ممکن نہ ہو'یا وہ اسکی کوئی توجیہہ و علت نہ بتاسکتے ہوں لیکن حسینؑ کے بارے میں جہاں وہ کہتے ہیں کہ عزاداری ہمارا مدرسہ ہے اس مدرسہ کے بارے میں اسکی سند کے بارے میں قرآن سے استدلال نہ پیش کرسکنا'اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مدرسہ محض قصہ کہانی اور مصنوعی نمائش و آرائش کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔

خدا کرے کوئی شخص اہل کوفہ جیسا نہ بنے کہ آرام وسکون کے عادی حالات میں تو حسینؑ کو لبیک کہیں لیکن خطرات اور محاصرے میں حسینؑ کو دشمنون کے درمیان چھوڑ کر پیچھے سے حسینؑ کی کامیابی کیلئے دعا کریں لہٰذا اہل دانش اور علماء کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں اپنے ''لبیک'' کو دل کی گہرائیوں سے ادا کریں۔ دل کی گہرائیوں سے ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حسینؑ کی عزاداری کو مفاد پرستوں'اور افسانہ نگاروں کے ہاتھوں سے نکالکر اسے سامان آرائش سے سجانے کے بجائے پیغمبر اکرمؐ سے مروی مستند متفقہ علیہ احادیث اور مسلمہ تواریخ کے حوالوں سے اس واقعہ کو اخذ کرکے آیات قرآنی بطور سند و دلیل قیام و نہضت ابی عبد اللہ حسینؑ پیش کریں تاکہ حسینؑ کو نہ چاہنے والوں پر یہ واضح و روشن ہو جائے

کہ " انکی آنکھوں کا کانٹا اور گلے کی ہڈی بننے والا وہ حسینؑ کون ہو سکتا ہے۔

ممکن ہے کچھ افراد ہمارے ان کلمات کو یہ کہکر مسترد کر دیں جیسا کہ وہ ہمیشہ اپنی غلط پردازیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کہتے رہتے ہیں کہ "یہ سب عزاداری امام حسینؑ کو محدود کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔" وہ لوگ یہ باتیں امام حسینؑ کے درد میں نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اسطرح انکا مقصد اپنی سازشوں کی کامیابی کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔

اس ملک میں حسینیت کے لئے دو گروہ سے خطرہ لاحق ہے ایک وہ گروہ کہ جو ہر روز اس میں شعائر کے حوالہ سے ایک نئی چیز پیش کر رہا ہے اور دوسرا وہ جو سرے سے عزاداری ہی کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بظاہر یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں لیکن اگر ذرا غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ یہ دونوں گروہ ایک ہی مشن پر کام کر رہے ہیں۔

تقویم اسلامی

تقویم اسلامی کا عنوان دو کلمات ''تقویم ''اور ''اسلامی '' سے مرکّب ہے۔ تقویم جیسا کہ لسان العرب میں ابن منظور نے لکھا ہے یہ مادّہ قامَ سے ماخوذ ہے ' قامَ کے معنی وقفَ کے ہیں۔ وقفَ' توقف کرنے اور آگاہ ہونے کو کہتے ہیں۔ فرہنگ اصطلاحات میں تقویم کے معنی گاہنما اور گاہ شماری کے ہیں۔ اسے انگریزی میں (ASTRONOMICAL TABLE,ALMANAC) کہتے ہیں۔

فرہنگ فارسی تالیف ڈاکٹر معین کے مطابق تقویم کے معنی قیمت گزاری، کجی کو دور کرنے اور وقت و زمان کے قواعد ترتیب دینے کے ہیں۔

نور اللغات میں تقویم کے معنی سیدھا کرنا' قیمت لگانا بتایا گیا ہے۔ تقویم کا یہ کلمہ سورۂ مبارکہ والتّین کی آیت ۴ میں بھی آیا ہے۔ اس آیت میں خداوند متعال نے انسان کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ :''ہم نے تم کو احسن تقویم میں تخلیق کیا ہے'' بعد کی آیات میں احسن' تقویم احسن' تخلیق کی بقاء اور اس کے دوام کو ایمان اور عمل صالح سے مشروط کیا ہے۔

صاحب تفسیر کاشف علامہ جواد مغنیہ نے تقویم کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویم سے مراد تعدیل و تنظیم کے ہیں۔ لیکن صاحب تفسیر نوین نے کہا ہے کہ تقویم کے متبادل' ایسا کوئی کلمہ نہ لغت فارسی میں ہے اور نہ لغت عربی میں۔

بعض نے روز مرہ کی سرگرمیوں کو قلمبند کرنے کی کاپی یا ڈائری کو تقویم کہا ہے۔ موسوعہ عربی میسرہ جلد اول صفحہ ۵۳۹ میں لکھا ہے کہ تقویم' اس نظام کا نام ہے جس سے زمانہ کا حساب کیا جاتا ہے یا جس سے زمانہ کو ناپا جاتا ہے۔ بعض نے کہا تقویم اس نظام اوقات کا نام ہے جسکے تحت ہر فرد' ہر گروہ' ہر اجتماع' ہر قوم و قبیلہ اور حکومت اپنی فردی' اجتماعی' اقتصادی' سیاسی زندگی کیلئے ایک وقت مختص کرتے ہیں اور ہر عمل اس و مخصوص وقت میں انجام دیتے ہیں۔

کتاب دائرۃ المعارف القرن العشرین میں تقویم کی تعریف کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ دنوں اور سالوں کو زمین کی حرکت سے اور مہینوں کو چاند کی حرکت سے ناپنے کو ''تقویم'' کہتے ہیں۔ ہم سے پہلے بہت سے لوگوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح زمانہ کو دّقت سے ناپا جاسکتا ہے یا اسکا حساب کیا جاسکتا ہے جسطرح آج ہم کررہے ہیں۔ اسی کا نام ''تقویم'' ہے۔ قدیم مصریوں نے ۴۲۳۶ سال قبل مسیح تقویم کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہی

لوگ سب سے پہلی قوم ہیں جنھوں نے سال کو ۳۶۵ دن کا قرار دیا تھا۔

انسانی زندگی میں بہت سے اہمیت وضرورت کے کام ہیں جو کہ لامحدود ہیں جبکہ انکے مقابلہ میں وقت محدود ہے۔ خود انسان کے فکری اور عملی ذرائع محدود ہیں لہٰذا بیک وقت دو چیزیں نہیں سوچی جاسکتیں 'ایک ہاتھ سے ایک وقت میں ایک ہی کام کیا جاسکتا ہے' دو کام انجام دینا ناممکن ہے۔ پس انسان مجبور ہے کہ وہ اپنے کاموں اور اپنی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وقت کی تقسیم کرے یعنی ہر کام کیلئے وقت مختص کرے اور اس مختص شدہ وقت میں وہ کام انجام دے۔ اس کام اور وقت کو مربوط اور منظّم کرنے کو تقویم کہتے ہیں۔ آج جب بھی کلمہ تقویم دیکھنے یا سننے میں آتا ہے تو ذہن میں یہی معنی آتے ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ یعنی کام' عمل اور وقت میں تنظیم اور ترتیب' دنیا میں کب سے شروع ہوا اور کس نے شروع کیا اگر اس بارے میں دِقت اور باریک بینی سے کام لیں تو پتہ چلے گا کہ جب سے انسان اس دنیا میں ہے کسی نہ کسی شکل میں اس نے اس پر عمل کیا ہے۔ لیکن تقویم کی جو شکل وصورت اس وقت ہمارے یہاں موجود ہے ان میں سے چند تقاویم دینا بھر میں مختلف ناموں سے رائج ہیں۔ ہر قوم وملت اور مذہب نے اپنی آئیڈیالوجی اور اپنے فکری زاویئے سے اپنے لئے ایک تقویم کا انتخاب کیا ہے۔ ان میں سے معروف تر اور قابل ذکر تقاویم جو کہ موجودہ دور میں بھی رائج ہیں' وہ کن مراحل سے گزر کر اس نہج پر پہونچی ہیں اسکی کچھ تفصیلات ہم یہاں آپکی خدمت میں پیش کررہے ہیں :۔

(۱) تقویم رومی :۔

یہ تقویم روم میں تشکیل پائی ہے اس لئے اسے تقویم رومی کہتے ہیں' اس وقت روم موجودہ اٹلی کو کہتے تھے۔ اس وقت اسے روم کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اسے رومولوس (ROMLUS) نے بسایا تھا اسی رومولوس کے نام سے اس شہر کو روم کہا گیا ہے۔ یہ شخص سنہ ۷۵۳ سال قبل مسیح میں زندگی کرتا تھا۔

رومیوں کے یہاں سال دس مہینوں کا ہوتا تھا اس طرح انکے سال کے کل تین سو چار (۳۰۴) دن ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ انہوں نے سال سے دو مہینے نکال دیئے تھے کیوں کہ ان دو مہینوں کو وہ جامد موسم قرار دیتے تھے۔ ۷۱۵ سال قبل مسیح میں رومی بادشاہ نے اس تقویم میں ترمیم کی۔ اس نے مارچ سے پہلے ایک ماہ کا اضافہ کیا اور اس کا نام فیبرائر رکھا اور دسمبر کے بعد ایک ماہ کا اضافہ کیا اور اس کا نام "انائر" رکھا اور اِن مہینوں میں دنوں کی تعداد انتیس (۲۹) اور تیس (۳۰) مقرر کی۔ اس طرح سال کے کل تینسو چوّن (۳۵۴) دن ہوئے اور یوں رومیوں کا یہ سن قمری مہینے کی مطابقت میں ہوگیا لیکن یمیون نے ایک اور ترمیم کی اور ہر دو (۲) سال کے بعد مزید ساڑھے بائیس دن کا اضافہ کردیا۔ اس طرح چار سال بعد کل پینتالیس (۴۵) دن کا اضافہ ہوا اور یوں شمسی اور قمری سال میں گیارہ دن کا فرق ہوتا تھا۔ گویا انہوں نے تین سال میں (۳۳) دن کا اضافہ کیا۔ اور اسے سن کبیسہ بتایا۔

تقویم گریگوری (GREGORIAN CALENDER)

یہ موجودہ رائج تقویم ہے جسے ہم انگریزی تقویم بھی کہتے

ہیں۔ یہ تقویم رومی تقویم کی ترمیم شدہ شکل ہے۔ اس کو یولیوس قیصر نے پینتالیس (۴۵) سال قبل مسیح میں تشکیل دیا تھا۔ اس تقویم میں سال میں ۳۶۵ دن سے ایک چوتھائی دن زیادہ ہے۔ کیونکہ قمری سال میں گیارہ دن کا اضافہ کرنے سے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں۔ یولیوس قیصر نے رومی تقویم کے بارہ مہینوں کی نام گزاری بھی کی۔

تقویم انگریزی

موجودہ رائج بین الاقوامی تقویم 'انگریزی تقویم کے نام سے معروف ہے جسے تقویم میلادی کہا جاتا ہے۔ اسکے سنہ کے لئے میلاد مسیح کو مفروضہ بنایا گیا ہے جبکہ مہینوں کے سلسلے میں وہی قدیم رومی مہینوں کو جاری رکھا گیا ہے ان مہینوں کے نام یا تو اس وقت کے کسی رومی دیوتا سے منسوب ہیں یا کسی حکمران سے جیسا کہ ان کے ناموں کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ان مہینوں کے نام یہ ہیں :۔

انگریزی تقویم میں مہینوں کے نام

جنوری :۔(JANUARY)

یہ انگریزی یا رومی تقویم کا پہلا مہینہ ہے اس مہینے کا نام رومی دیوتا JANUS سے منسوب ہے JANUS روم کے مندر میں موجود ایک بت کا نام ہے۔ جنگ کے زمانے میں رومی اس کی پرستش کرتے تھے جبکہ امن کے زمانے میں اس کو دروازے پر رکھتے تھے اور اس کو جنت کا نگہبان تصور کرتے تھے۔ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے اس کے سامنے منت سماجت کرتے تھے۔ سال کے پہلے مہینے کو اس سے منسوب کیا تاکہ سال بھر ان کے لئے نیک شگون رہے اور زحمتوں اور تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔ یہ مہینہ اکتیس دن کا ہوتا ہے۔

فروری(FEBRUARY) :۔

یہ انگریزی تقویم کا دوسرا مہینہ ہے یہ مادہ فبروا (FABRURA) سے مشتق ہے۔ یہ بھی ایک دیوتا LUPERCOS سے منسوب ہے اس کا کام ہر چیز کو صاف کرنا اور پاک کرنا سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں گھریلو مستورات اس مہینے کے آخر میں گھروں کو موسم بہار کی آمد کیلئے صاف ستھرا کیا کرتی تھیں یعنی تنزیہہ و تطہیر کیا کرتی تھیں۔ مسیحی اس مہینے کی پندرہ کو عید مناتے تھے اور خود بھی پاک صاف ہو جاتے تھے۔ رومی تقویم میں اس مہینے کو شامل کرنے سے پہلے روم کا کلینڈر دس مہینے کا ہوتا تھا۔ اس مہینے کو اس موجودہ مقام پر رکھنے والا جیولس سیزر تھا۔ یہ مہینہ اٹھائیس (۲۸) یا انتیس (۲۹) دن کا ہوتا ہے۔

مارچ(MARCH)

یہ انگریزی تقویم کا تیسرا مہینہ ہے۔ اسکا نام قدیم رومیوں کے جنگی دیوتا مارس نامی بت کے نام پر رکھا گیا۔ رومیوں کے نزدیک مارس ایک جنگجو دیوتا تھا اس کو زراعت اور فصل کا مسئول بھی گردانا جاتا تھا۔ رومی اس بت کے سامنے اپنے تمام رازونیاز اور حاجتوں کو روا کرنے کیلئے ہاتھ جوڑتے تھے 'گوسفند' مرغیاں وغیرہ اس کے اوپر پھرا کر قربان کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ مارس ان کی حاجتوں کو روا کرتا ہے۔ سنہ ۷۵۲ قبل میلاد مسیح رومی کیلنڈر کا آغاز اسی مہینے سے ہوتا تھا۔ یہ مہینہ اکتیس دن کا ہوتا ہے۔ نصف کرۂ شمالی میں یہ مہینہ بہار کا ہوتا ہے اور نصف کرۂ جنوبی میں یہ خزاں کا مہینہ ہوتا ہے۔

اس مہینے کی اکیس تاریخ کو ایران میں اور دنیا بھر میں ایران نژاد یا ایرانی ثقافت سے متاثر افراد ایک موہوم عید'نوروز کے نام سے مناتے ہیں جسکی نہ کوئی شرعی سند ہے اور نہ کسی معقول وجہ کا پتہ چلا ہے۔ ایران اسلامی میں عظیم الشان اسلامی انقلاب برپا ہونے کے بعد اور مرکز اسلام و مسلمین بن جانے کے باوجود اس دن کو انتہائی شدومد کے ساتھ منانے اور آغاز سال قرار دینے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔ فلکیات سے متعلق بعض کتابوں میں ملتا ہے کہ اس مہینہ کی ۲۳ تاریخ کو سورج خط استوا پر چمکتا ہے اور اس تاریخ کو عام طور پر دن رات برابر سمجھے جاتے ہیں۔

اپریل(APRIL) :۔

تقویم انگریزی کا یہ چوتھا مہینہ ہے ۔اپریل کی اصل OMINA APERIL ہے اس کے معنی کسی چیز کو کھولنے کے ہیں۔ چونکہ یہ مہینہ فصل ربیع میں ہوتا ہے'اس ماہ میں ورق کھل جاتے ہیں اور پھول کھل جاتے ہیں۔اس لحاظ سے اسے اپریل کہتے ہیں۔ بعض مصادر میں اس کو اپریل کہنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ رومیوں کے ایک دیوتا کا نام ہے انکے خیال میں یہ دیوتا پھول کھلاتا ہے'آسمانوں کو کھولتا ہے اور سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچاتا ہے۔بعض کہتے ہیں اپریل APPAREL سے بنا ہے جس کے معنی پھوٹنے کے ہیں۔ مغرب والے اس مہینے کی پہلی تاریخ کو اپنے دوستوں کو بیوقوف بناکر اور ان کا مذاق اڑاکر لطف اٹھاتے ہیں۔ بعض نے اس کو فرشتہ رحمت گردانا ہے'یعنی اس میں بارش برستی ہے ۔ بعض لوگ اس مہینے کو تمام خرابیوں کو دور کرنے اور اچھائیوں کو پھر سے درست کرنے کا مہینہ گردانتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اپریل OPENER سے لیا گیا ہے۔یعنی کھولنے والا۔ یہ مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے۔

مئی(MAY) :۔

یہ لفظ مایا(MAIA) سے لیا گیا ہے۔مایا ایک دیوی (عورت) کا نام ہے اس کے باپ کا نام اٹلاس ATLAS تھا۔ کہتے ہیں اٹلاس کی سات بیٹیاں تھیں ان میں مایا سب سے مشہور تھی۔اسی سے مئی بنا ہے۔رومی اس مہینے کی اول کو اپنی قربانیاں اور نذورات وغیرہ پیش کرتے تھے۔اس مہینے میں نصف کرہ شمالی میں گرمی شروع ہوجاتی ہے اور نصف کرہ جنوبی میں سردی کا آغاز ہوتا ہے اور راتیں بڑی ہوچکی ہوتی ہیں۔یہ مہینہ اکتیس دن کا ہوتا ہے۔

جون(JUNE) :۔

یہ انگریزی تقویم کا چھٹا مہینہ ہے۔اس مہینے کو جون کہنے کے بارے میں دو مختلف توجیہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک کے مطابق جون ایک دیوی (عورت) کا نام ہے جو (JUNO) کہلاتی ہے دوسرے قول کے مطابق یہ ایک دیوتا کا نام ہے جسے JUNIUS کہتے تھے۔JUNO'جو پیٹر کی بیٹی تھی بہت خوبصورت تھی لیکن JUN-IUS بہت مغرور اور بدتمیز تھا۔ بہرحال دونوں قول کے مطابق یہ رومیوں کے دیوی یا دیوتا ہی کا نام ہے۔ اس مہینے کی ۲۱ تاریخ کو نصف کرہ جنوبی میں بڑی سے بڑی رات ہوتی ہے جہاں موسم انتہائی سرد ہوتا ہے۔اس مہینہ میں تیس دن ہوتے ہیں۔

جولائی(JULY) :۔

یہ انگریزی تقویم کا ساتواں مہینہ ہے۔اس کو یولیو بھی کہتے ہیں۔ یولیو قیصر سنہ ۴۴ قبل میلاد مسیح میں روم کا بادشاہ تھا۔ یہ مہینہ جیولس سیزر کے نام سے منسوب ہے جو بہت بہادر اور جنگجو

تھا۔ اس نے بڑے بڑے کام کیئے ہیں۔ اس نے رومی تقویم میں تبدیلی بھی کی ہے اور خود اسی مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ اس مہینے میں سورج خط سرطان سے خط استوا کی طرف دوبارہ پلٹنا شروع کرتا ہے۔ نصف کرۂ شمالی میں موسم گرما ہوتا ہے مگر دن چھوٹے ہونے لگتے ہیں۔ جبکہ نصف کرۂ جنوبی میں سردی کم ہونے لگتی ہے۔ اس مہینے میں کرۂ شمالی کے اکثر حصوں میں موسم برسات شروع ہو جاتا ہے چونکہ اس مہینے کو جیولس سیزر نے تقویم درست کرنے کیلئے شامل کیا تھا اس لئے یہ مہینہ اس کے نام سے مشہور ہے۔

اگست(AUGUST) :۔

یہ مہینہ اگسٹس قیصر کے نام سے منسوب ہے جو آٹھ سال قبل میلاد مسیح روم کا بادشاہ تھا۔ یہ جیولس سیزر کا پوتا یا بھتیجا تھا۔ اگسٹس بھی بڑا بادشاہ تھا' اس کا دورِ حکومت رومی تاریخ میں سنہرا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس مہینہ میں نصف کرۂ شمالی میں دن چھوٹے ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس کے برعکس نصف کرۂ جنوبی میں دن بڑے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ سورج خط استوا سے گزر کر خط جدی کی طرف جھکنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ انگریزی تقویم کا آٹھواں مہینہ ہے۔ یہ مہینہ اکتیس دن کا ہوتا ہے۔

سمتبر (SEPTEMBER) :۔

یہ انگریزی تقویم کا نواں مہینہ ہے اس کا اصل نام سپ۔ ٹم ہے اس کا مطلب ہے "سات"۔ یہ سات اس وقت تھا جب سال کا پہلا مہینہ مارچ سے شروع ہوتا تھا۔ اب یہ نواں مہینہ ہے لیکن نام اب بھی وہی سات ہے۔ موسموں کے تغیر و تبدیل کے اعتبار سے اس ماہ کی اکیس تاریخ کو سورج خط استوا پر چمکنے لگتا ہے اور اس تاریخ کو دن و رات برابر ہوتے ہیں۔ نصف کرۂ شمالی اور نصف کرۂ جنوبی دونوں میں بارہ گھنٹے کا دن اور بارہ گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ اس مہینے میں نصف کرۂ شمالی میں موسم خزاں اور نصف کرۂ جنوبی میں موسم بہار ہوتا ہے۔ اس مہینہ میں سورج حالت اعتدال پر ہوتا ہے۔ یہ مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے۔ اس مہینے کی تئیس (۲۳) تاریخ کو موسم خزاں کی ابتدا ہوتی ہے۔

اکتوبر(OCTOBER) :۔

یہ انگریزی کیلنڈر کا دسواں مہینہ ہے یہ مہینہ پچھلے مہینوں کی طرح کسی بت یا بادشاہ کے نام سے منسوب نہیں ہے۔ یہ آٹھواں مہینہ تھا جب رومی سال کا آغاز مارچ سے ہوتا تھا لیکن اب یہ دسواں مہینہ ہونے کے باوجود اسی آٹھویں مہینے کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہینے میں زمین سورج کے گرد اپنا تین چوتھائی سے زیادہ سفر طے کر چکی ہوتی ہے سورج خط استوا سے خط جدی کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ نصف کرۂ شمالی میں دن رات سے چھوٹا اور نصف کرۂ جنوبی میں دن رات سے بڑا ہونا شروع ہو جاتا ہے نصف کرۂ شمالی میں موسم سرما اور نصف کرۂ جنوبی میں موسم گرما کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ مہینہ اکتیس دن کا ہوتا ہے۔

نومبر(NOVEMBER) :۔

یہ انگریزی تقویم کا گیارھواں مہینہ ہے یہ کسی کے نام سے منسوب نہیں ہے اس کے تیس دن ہوتے ہیں۔

دسمبر(DECEMBER) :۔

ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر یہ چاروں مہینے رومولوس سے منسوب ہیں۔ یہ اس وقت استعمال ہوتا تھا جب روم میں سال دس مہینوں کا ہوتا تھا۔ دسمبر میں زمین اپنے مدار پر چکر پورا کرتی ہے۔ بائیس (۲۲) دسمبر کو سورج خط جدی پر چمک رہا ہوتا ہے۔ نصف کرۂ جنوبی کا جھکاؤ سورج کی طرف ہوتا ہے۔ شمالی حصے کے دائرہ میں بڑی سے بڑی رات ہوتی ہے اور سورج کی شعاعیں ترچھی پڑتی ہیں یہاں موسم سرما ہوتا ہے جبکہ نصف کرۂ جنوبی میں موسم انتہائی گرم ہوتا ہے۔ یہ مہینہ کل اکتیس دن کا ہوتا ہے۔

سریانی تقویم

یہ تقویم عرب ملکوں میں رائج ہے اور اسکا سنہ وہی سنۂ میلادی ہے مگر مہینے سریانی ہیں۔ ان مہینوں کے نام یہ ہیں۔

سریانی مہینوں کے نام

۱۔ کانون الثانی :۔

ان کا پہلا مہینہ کانون ہے جس کے معنی غرق ہونے، زمین کے اندر جانے کے ہیں۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اس مہینے میں برف باری اور بارش کی وجہ سے زمین نرم اور مٹی گیلی ہو جاتی ہے اسوجہ سے لوگوں کے پاؤں کیچڑ کے سبب زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ اس کو عبرانی زبان میں ثناء کہتے ہیں۔ ثناء کا مطلب سردی ہے۔

۲۔ شباط :۔

دوسرا مہینہ شباط ہے۔ شباط سریانی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں مارنا، چمڑا، تازیانہ۔ چونکہ اس مہینے میں ہوائیں چمڑے کو مارتی ہیں اس لئے اسکا نام شباط ہے۔ یہ مہینہ رّمان سے منسوب ہے رّمان ہوا اور گرج چمک بھیجنے والے دیوتا کا نام ہے۔

۳۔ آذار :۔

سریانیوں کا تیسرا مہینہ آذار ہے آذار آگ کے دیوتا کا نام ہے۔ آذر آگ کو کہتے ہیں، پہلوی زبان میں اسے ADHARU کہتے ہیں۔ آذار اصل میں بابلی زبان کا لفظ ہے وہاں سے سریانی میں آیا اور سریانی سے عربوں نے لیا ہے۔

۴۔ نیسان :۔

یہ لفظ عبرانی ہے۔ اس کے معنی ربیع، پھول اور گندم کے خوشوں یعنی بالیوں کے ہیں۔ عربی میں نیساں، آب کو کہتے ہیں۔ پہلوی زبان میں نیساں کے معنی ہیں تازہ دن۔ یہ لفظ دراصل بابلی ہے۔ بابلی زبان میں نیساں، ابتدا اور شروع کو کہتے ہیں۔ یہ مہینہ انکے دینی حوالہ سے آغاز سن کا مہینہ ہے سومری اس مہینے کو نیساں کہتے ہیں یعنی شہر عبادت۔

۵۔ ایار :۔

پانچویں مہینے کا نام ایار ہے، اسے انوار بھی کہتے ہیں۔ اسے نور سے لیا گیا ہے اس لئے اسے نور بھی کہتے ہیں۔

۶۔ حزیران :۔

حزیران گندم کو کہتے ہیں کیونکہ یہ گندم کا پہلا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں لوگ گندم کے خوشے لاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

۷۔ تموز :۔

تموز کا اصل بابلی ہے۔ ''تموز'' انکے ایک دیوتا کا نام ہے۔ تموز یعنی میرے رب، میرے مولا۔

۸۔ آب

۹۔ ایلول :۔

ایلول کو ولول یا ویل سے لیا گیا ہے۔

۱۰۔ تشرین الاول :۔

انکے دسویں مہینے کا نام تشرین ہے۔ تشرین ابتدا اور شروع کو کہتے ہیں۔

۱۱۔ تشرین الثانی۔

۱۲۔ کانون الاول

تقویم اسلامی

جس طرح دیگر اقوام و ملل نے اپنی فکری بنیادوں پر تقویم میں سنہ کا آغاز اور مہینے، ہفتے اور گھنٹوں تک ترتیب دیئے ہوئے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا اسلام تقویم کے معاملے میں اپنا الگ تشخص رکھتا ہے یا اس سلسلہ میں دوسروں کے تابع ہے ؟اس بات کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے یہ معلوم کریں کہ تقویم کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔

تقویم کا آغاز :۔

آغاز تقویم سے مراد یہ ہے کہ کوئی قوم اپنی تاریخ کا آغاز کہاں سے کرتی ہے ؟اس قوم کے سنہ سے انسان کو کیا چیز یاد آتی ہے ؟ یہ تقویم اس کی اپنی تاریخ سے مربوط ہے یا اس میں وہ کسی دوسری قوم کی تابع ہے اور اس کی تقلید اور پیروی کرتی ہے ؟۔اگر ہم کسی دوسرے کی تقلید و پیروی میں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا عرصہ وجود ان کے بعد ہے اور انہیں ہم پر سبقت حاصل ہے۔ وہ اصل ہیں اور ہم فرع، وہ مسلّم ہیں اور ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں۔ وہ کلّی ہیں اور ہم ذیلی، جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا ہم فکری طور پر ان کے مقلد ہیں۔ ہمیں ان کی تاریخ پر افتخار ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس اپنی تقویم نہیں یا ہوتے ہوئے اسے نہیں اپناتی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ احساس کمتری اور احساس حقارت میں مبتلا ہے۔

بعض افراد اپنی اس غلطی اور جرم کو جس کی وجہ سے مذہب کی تحقیر ہوتی ہے، چھپانے کیلئے کہتے ہیں کہ ہم دنیا سے کٹ کے نہیں رہ سکتے۔ اس دفاع اور نقطۂ نظر کیمطابق گویا وہ تو سب کچھ ہیں اور ہم خس و خاشاک یعنی وہ تو ہم سے کٹ کے رہ سکتے ہیں مگر ہم نہیں رہ سکتے۔ وہ ہماری تاریخ کے بغیر رہ سکتے ہم ان کی تاریخ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ہماری تاریخ اور تقویم کو مانے بغیر جی سکتے ہیں مگر ہم نہیں جی سکتے۔ حالانکہ کئی ایسے ممالک ہیں جہاں پر اسلامی تقویم و تاریخ رائج ہے اور وہاں لوگ بھرپور انداز میں زندگی گزار رہے ہیں۔

تقویم کا آغاز سنہ سے ہوتا ہے اور اس کے تین بنیادی عناصر ہیں۔

(۱) سنہ۔

(۲) مہینہ۔

(۳) دن۔

سنہ :۔

سنہ کے معنی لغت میں تغیر و تبدل کے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت عزیر کے بارے میں ارشاد ہوا کہ :۔

"قال بل لبثت مائة عام فانظر الى طعامك و شرابك لم يتسنه۔"

"فرمایا (نہیں) بلکہ ایک سو سال تک ٹھہرے رہے ہو۔ اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو (کہ سالہا سال گزرنے کے بعد) خراب نہیں ہوئیں۔" (سورۃ المبارکہ البقرۃ آیت ۲۵۹)

سنہ کے دوسرے معنی قحط اور سختی کے ہیں۔ سورۃ المبارکۃ الاعراف آیت ۱۳۰ میں فرمایا:۔

"ولقد اخذنا ال فرعون بالسنن ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون ـ"

"اور ہم نے قوم فرعون کو خشک سالی اور میوؤں کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت پا جائیں۔"

سنہ کے تیسرے معنی اسکے لغوی معنی کے پس منظر میں ہیں۔ اگر کسی چیز پر بارہ مہینے گزریں تو سنہ کہلاتا ہے۔ جو انسان سختی اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہا ہو اس کے لئے ۳۵۴ دن قمری اور ۳۶۵ شمسی گزارنا سخت اور گراں ہے۔ اور اسی طرح ایک سال کے عرصے میں مثلاً ایک بچہ ہو یا ایک پودا یا کوئی دوسری چیز سب کی زندگی میں تغیر و تبدل آجاتا ہے۔ لہٰذا یہاں سنہ سے بارہ مہینہ گزرنا مراد ہیں، زمانہ قدیم اور دور حاضر کے تمام ادیان و مذاہب، ملل و نحل، اجتماعیات و سیاسیات سب کے نزدیک سنہ کا یہی تصور ہے۔

"سنہ" اور "عام" میں فرق یہ ہے کہ سنہ میں قحط اور سختی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ مبارکہ الاعراف آیت ۱۳۰ میں ہے کہ

"ولقد اخذنا ال فرعون بالسنن ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون ـ"

"اور ہم نے قوم فرعون کو خشک سالی اور میوؤں کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ بیدار ہو جائیں۔"

قرآن مجید میں سورۂ مبارکہ عنکبوت آیت ۱۴ میں سنہ بمعنی عام (یعنی سال) استعمال ہوا ہے۔

"فلبث فيهم الف سنة الا خمسين عاما"

"وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے۔"

علماء فلکیات نے سنہ کے تصور کو طبیعت سے مربوط کرتے ہوئے کسی بھی ستارے کی اپنے محور کے گرد ایک مکمل گردش کو سنہ کہا ہے۔ علمائے فلکیات کے تحت ایک ستارے کے سنہ اور دوسرے ستارے کے سنہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک منظومۂ شمسی کے اپنے کہکشاں کے گرد ایک گردش کو اس منظومۂ شمسی کا سنہ کہتے ہیں۔ ہمارے منظومۂ شمسی کا ایک ستارہ ہماری زمین ہے، اس کی سورج کے گرد ایک گردش پورا کرنے کو سنہ کہتے ہیں۔ اسی قائدے کے تحت ایک ستارے کا ایک دن دوسرے ستارے کا ایک سنہ ہے۔ یا چند سال بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی تصور کے تحت کسی وجود کا محور کے گرد گردش پورا کرنا سنہ کہلاتا ہے۔ اسی بنیاد پر سنہ نوری (Light year) کا تعین کیا گیا ہے۔ یعنی الیکٹران کا پروٹان کے گرد ایک چکر اور سورج سے زمین پر روشنی کتنے منٹ، کتنے سیکنڈ میں پہنچتی ہے اسے سنہ نوری کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اسی بنیاد پر کسی کرہ کی کسی محور کے گرد گردش کا نام سنہ ہے۔ قرآن کریم میں تین قسم کے سنہ کا ذکر ہوا ہے جو کہ

قیامت، (۲) سنہ ربوبی، (۳) اس وقت دنیا میں رائج سنہ جس سے ہم اپنا حساب کرتے ہیں۔

(۱) سنۂ قیامت

جب اس زمین پر قیامت ہوگی تو قرآنی خبر کے مطابق اس

وقت یہ زمین تبدیل شدہ ہو گی۔ لیکن یہ تبدیلی حجم 'نوعیت 'وزن اور حرکت کس میں ہو گی' یہ ہمارے فہم وادراک سے باہر ہے۔ قرآن نے ارشاد فرمایا :۔

"یوم تبدل الارض غیرا لارض السموات ۔"

"اس دن جب زمین وآسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دئے جائیں گے۔"(سورۂ ابراہیم آیت ۴۸)

لہٰذا جب زمین تبدیل ہو گی تو محور کے گرد اس کی گردش میں بھی تغیر آئے گا۔

سنہ قیامت کے بارے میں قرآن فرماتا ہے :۔

"ثم یرجع الیه فی یوم کان مقداره الف سنة"

"پھر ایک ایسے دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمھاری گنتی کے ایک ھزار سال کے برابر ہے"(سورۂ سجدہ آیت ۵)

گو کہ ہم صاحب رائے نہیں لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ زمین کی گردش اس وقت بہت آہستہ ہو گی وہاں کا ایک دن ہمارے پچاس سال کے برابر ہو گا۔

(۲) سنہ ربوبی

سنہ ربوبی کے بارے میں قرآن کی آیت ہے۔

سورۂ حج آیت ۴۷ :۔

"وان یوما عندربك كالف سنة مما تعدون ۔"

"اور تمھارے رب کے ہاں ایک دن تمہارے حساب کے ہزار سال کے برابر ہے۔"

(۳) قرآن میں سنہ کا موجودہ مفہوم

سنہ کا جو مفہوم ہمارے پاس ہے اس سے متعلق بھی متعدد آیات قرآن ہیں۔ مثلاً

سورۂ البقرہ آیت ۹۶ :

"یود احدهم لو یعمر الف سنة"

"ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش ہزار سال عمر پائے۔"

سورۂ مائدہ آیت ۲۶ :۔

"قال فانها محرمة علیهم اربعین سنة"

"خدا نے موسیٰ سے فرمایا یہ سرزمین چالیس سال تک ان کے لئے ممنوع ہے۔"

سورۂ عنکبوت آیت ۱۴ :۔

"فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاما۔"

"وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے۔"

تقویم اسلامی

تقویم اسلامی کسی اور تقویم مثلاً رومی 'سریانی 'عربی 'فارسی اور انگریزی وغیرہ کی نہ تابع ہے اور نہ ہی تابع ہو سکتی ہے۔ بالفرض محال اگر دیگر تقویم میں سے کسی کو ہم اپنے لئے منتخب کرنا چاہیں تو اسکی ترجیحات کیا ہونگی ؟ ہم ایسا کیوں کریں ؟ جبکہ مسلمانوں کی اپنی ایک الگ تقویم موجود ہے جو انکے اپنے تشخص اور آئیڈیالوجی پر مبنی ہے اور انکی تاریخ سے ہم آہنگ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ کسی تقویم کو اختیار کرنے سے پہلے اس کا تجزیہ و تحلیل کریں جسے اپنانا چاہتے ہیں۔ اس تجزیہ و تحلیل کی روشنی میں چاہے دوسروں کی تقویم کو اپنائیں یا خاص اپنی تقویم اختیار کریں ہر دو صورت میں یعنی ترجیح دینے یا مسترد کرنے کی وجوہات بیان کرنا اور اسکی وضاحت کرنا لازمی ہے۔ ان تمام نکات کو سمجھنے کیلئے ایک ایسی بحث کی ضرورت ہے جو نہ صرف اپنے لئے باعث اطمنان ہو بلکہ

دوسروں کو بھی قانع کرسکے کہ تقویم کی ضرورت اور اسکی حقیقت کیا ہے' اور اسکی ضرورت کس بنیاد پر ہے تب ہی ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چار اہم نکات قابل مطالعہ و غور و خوض اور توجہ طلب ہیں :

(۱) تقویم کے معنی۔

(۲) عناصر تقویم

(۳) تقویم کس لئے۔

(۴) تقویم کا تعین عمر اور اسکی تعمیر

تقویم کے معنی :۔

تقویم جیسا کہ علمائے لغت' مفسرین اور علماء و ماہرین فلکیات نے کہا ہے کام' عمل اور وقت میں اعتدال و توازن قائم کرنے کا نام ہے۔ وقت کو کام پر تقسیم کریں یا کام کو وقت پر تقسیم کریں' اسے نظام اوقات یا تنظیم اوقات کہتے ہیں۔ اس تعریف کے مطابق تقویم میں بنیادی نقطہ زمان ہے۔ اس حوالہ سے تقویم کے دوسرے عناصر کو سمجھنے کیلئے زمان کو سمجھنا ضروری ہے۔

عناصر زمان :

دنیا میں رائج تمام تقویموں میں زمان کے حوالہ سے سب سے زیادہ اہمیت سورج کو حاصل ہے۔ انھوں نے سورج کو مرکز بنایا ہے اور زمین کی گردش میں سے حرکت انتقالی کو اخذ کیا ہے یعنی یہ کہ زمین کتنے عرصہ میں سورج کے گرد اپنی گردش مکمل کرتی ہے ؟ کہا گیا کہ یہ گردش ۳۶۵ دن اور کچھ گھنٹوں میں پوری ہوتی ہے۔ اس نقطہ نظر کے تحت انھوں نے اپنی ضروریات اور صواب دید پر مہینے بنا کر ۳۶۵ دن پورے کئے ہیں۔ زمان سازی کے لئے پیمانہ مقرر کرتے وقت ان لوگوں نے چاند کو نظر انداز کیا جبکہ آیات قرآن کریم' وارده روایات اور علم ماہرین فلکیات کے مطابق زمان سازی میں چاند کا بہت بڑا کردار ہے۔ چنانچہ قرآن نے سورج کے بارے میں چاند کے بارے میں' چاند و سورج دونوں کو ملا کر اور چاند' سورج' دن' رات چاروں کو ملا کر انکے مختلف پہلوؤں اور کردار کو بیان فرمایا ہے۔ اس بات سے بطور یقین واضح و روشن ہو جاتا ہے کہ تقویم کا انتخاب کرتے وقت' سورج چاند اور زمین تینوں ہی کی حرکت کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ چنانچہ آیت میں فرمان ہے :" دنوں اور سنوں کا حساب کرنے کیلئے سورج اور چاند کو بنایا ہے" لہذا تقویم بناتے وقت اسمیں سے کسی کے بھی کردار کو نظر انداز کرنا تقویم کے درک میں نقص کا سبب بنے گا اور ایسی تقویم ناقص ہوگی۔ یہاں ہم تقویم کے حوالے سے سورج اور چاند کے کردار کے بارے میں مختصراً عرض کریں گے۔

ا۔ سورج

اس کائنات میں موجود ھزاروں کہکشاؤں کا ایک چھوٹا سا گھرانہ ہمارا منظومۂ شمسی ہے۔ ہمارے اس منظومۂ شمسی کی ماں یعنی (سورج) سے ابھی تک نو فرزندان اور متعدد پوتے ثابت ہوئے ہیں' لیکن اس منظومۂ شمسی اور اسکی ماں "سورج" ہم سے قریب ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے سب سے بڑا ستارہ ہے' اور سب سے بڑا نورانی چہرہ ہے جس سے کتنے گھرانے اس نظام شمسی میں منور ہیں۔ اس کی اس نورانیت کے علاوہ تمام ذی حیات حیوان و نبات اور انسان کی بقاء کا دار و مدار اسی سورج پر ہے کیوں کہ حیات پانی سے ہے جیسا کہ خود خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ اس پانی ہی سے تمام موجودات کائنات زندہ و باقی ہیں اور آپکو یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ پانی سورج کی ریفائنری سے نکلتے ہوئے اس ترسیلی نظام سے ہر

ذی حیات کو پہنچ رہا ہے۔

غرض اس سورج کے طلوع ہونے سے عالم کا روشن ہونا' اس کے غروب ہونے سے دنیا کا تیرہ و تار ہونا' اس کے نشیب و دگرگونی حرکت سے زمین کا سر سبز و شاداب ہونا اور موسموں کا بدلنا' کبھی گرمی تو کبھی سردی سب ایک روشن حقیقت ہے۔ اسی لئے بعض لوگوں نے اس کی جسامت اور انسانی زندگی میں اسکی افادیت واثرات کو دیکھ کر اس کے خالق پر ایمان لانے کے بجائے اس نشان وعلامت ہی کی پرستش شروع کر دی۔ چنانچہ خداوند عالم نے قرآن کریم میں قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں اور ملکہ سبا بلقیس کے قصے اور دیگر واقعات میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ لوگ سورج کی پرستش کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ خبردار سورج اور چاند کی پرستش مت کرو۔ سطحی فکر رکھنے والے اور بصر سے دیکھ کر بصیرت کو چھوڑنے والے انسان نے خداوند متعال کی اس علامت و نشانی کو دیکھ کر بجائے اسکے کہ خدا پر ایمان لاتا الٹا اس سے روگردانی کی۔ جس چیز کو اس نے انسانوں کے فائدے اور افادیت کیلئے خلق کیا تھا لوگوں نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ نشان کو پکڑ کر صاحب نشان سے روگردانی کرنا' وسیلہ کو تھام کر مقام و مقصود سے روگردانی کرنا' یہ بھی انسانی تاریخ کا ایک عجیب المیہ ہے۔ اس المیہ میں مبتلا ہونے والے لوگ اپنے آپ ہی کو نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

آج ہمارے یہاں بھی اسکی مثال کئی دوسری صورتوں میں موجود ہے مثلاً: ہمارے آئمہ اطہار علیھم السلام نے قیام حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہداف و مقاصد کے پیش نظر اسکو بشریت کیلئے بطور مثال و نمونہ زندہ رکھنے کی خاطر اور ظالمین کے خلاف مظلومانہ اسلحہ سے مقابلہ کرنے کی خاطر' عزاداری امام حسینؑ کی تشویق دی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے قبر امام حسینؑ پر حاضر ہونے' راہ اسلام' راہ قرآن اور راہِ خدا میں امام حسین علیہ السلام نے جو فداکاری پیش کی ہے اس کو بیان کرنے 'ایام شہادت' یوم عاشورا اور ذکر حسینؑ کے موقع پر رونے اور رلانے کی ترغیب دی تاکہ نام حسینؑ زندہ رہے۔ لیکن ہوا یہ کہ بعض لوگوں نے رونے رلانے کو ہی عزاداری امام حسینؑ کا ھدف قرار دے کر اسی کے لئے مختلف وسائل و ذرائع بنانا شروع کر دئے۔ اس کثرت اور بے حدو حساب احصانے ہمیں نہ صرف ھدف حسینؑ سے اجنبی کر دیا بلکہ یاد حسینؑ سے بھی دور کر دیا ہے۔ اب تو ہر روز نئے نئے وسیلے گڑھے جا رہے ہیں۔' ان خرافات کو فروغ دینے اور کنٹرول کرنے والے افراد کی ماہیت سب پر واضح ہے۔

غرض حسب آیات قرآنی سورج خداوند متعال کی واضح وروشن اور تابناک نشانیوں میں سے ہے جسے اس نے انسانیت کی ھدایت کیلئے اور حیات انسانی کے فائدے کیلئے بنایا ہے چنانچہ سورۂ مبارکہ والشمس میں خداوند عالم نے سورج اور اس کے مختلف حالات کی قسم کھا کر اور سبکو مقسم قرار دے کر فرمایا کہ یہ سب اس لئے بنائے ہیں تاکہ انسان اپنا تزکیہ کرے اور اپنے آپ کو پہچانے۔

اس سورج کی جسامت و نورانیت سے حاصل ہونے والے فوائد کے علاوہ خداوند عالم نے سورۂ مبارکہ الرحمٰن اور سورۂ مبارکہ یونس کی آیت ۵ میں اس کے ایک اور عظیم فائدے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی شمس و قمر کے نور وضیاء کے علاوہ ان کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ انکے ذریعہ بنی نوع انسان کو دن ورات

اور ماہ و سال کے حساب کا پتہ چلتا ہے۔ ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح اور روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں تقویم کا اپنا تصور موجود ہے اور مسلمان تقویم سازی کے معاملہ میں کسی دوسری قوم کے محتاج و نیاز مند نہیں ہیں ۔ جس طرح مسلمان اپنے پیغمبرؐ کے حوالے سے سید الانبیاء کی امت ہیں اور قبلہ کے حوالہ سے بیت عتیق رکھتے ہیں جو روئے زمین پر خدا کا پہلا گھر ہے' اسی طرح اسلام نہ صرف تقویم میں اپنا جدگانہ تشخص رکھتا ہے بلکہ تقویم کے حقائق اور باریک عناصر کا اس وقت بھی حساب رکھتا تھا جب آج کی ترقی یافتہ اقوام وہم و خیال اور مفروضات پر زندگی گزار رہی تھیں جیسا کہ عبدالرزاق نوفل نے اپنی کتاب "قرآن وعلم حدیث کے "صفحہ ۱۵۴ میں یوں بیان کیا ہے۔

"اہل یورپ غالیلون سے پہلے سورج کو گردش کرنے والا اور زمین کو ایک ساکن ستارہ سمجھتے تھے اور اسی بنیاد پر ماہ و سال کا شمار کرتے تھے۔ غالیلون نے سنہ ۱۶۰۹ میلادی میں ایک ایسی دوربین ایجاد کی جو فاصلہ کو ۳۰ گنا کم اور اجسام کو ۱۰۰۰ گنا بڑا کر کے دکھاتی تھی۔ اس دوربین سے جب نظام شمسی کا مشاہدہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ سورج خود اپنے گرد گردش کرتا ہے نہ کہ زمین کے گرد جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے اور زمین خود اپنے محور پر گھومتے ہوئے سورج کے گرد گردش کرتی ہے نہ یہ کہ سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے خیال کرتے تھے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ چاند ہماری زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اپنے محور کے گرد زمین کا ایک چکر ۲۴ گھنٹوں میں پورا ہوتا ہے جس سے دن اور رات بنتے ہیں جبکہ چاند زمین کے گرد اپنا چکر ایک مہینے میں پورا کرتا ہے یعنی چاند کے زمین کے گرد گھومنے سے مہینہ بنتا ہے۔ زمین اور چاند ملکر سورج کے گرد جو چکر لگاتے ہیں اس سے سال بنتا ہے یعنی سورج کے گرد انکا چکر ایک سال میں مکمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سورج بھی حرکت میں ہے اور وہ صرف اپنے گرد گردش نہیں کرتا بلکہ اپنے منظومۂ شمسی اور اپنے خاندان کے ساتھ ایک سو پچھتر (۱۷۵) میل فی سکنڈ کے حساب سے اپنی کہکشاں کے گرد حرکت میں ہے"۔

چونکہ یہاں ہم سورج کے بارے میں تقویم اسلامی کے حوالہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اسی پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ خدا کی اس کائنات ماڈی میں انسان کیلئے اس آیت بزرگ کے بارے میں کہنے اور لکھنے کیلئے چند صفحات نہیں بلکہ ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے۔ الغرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ تقویم اسلامی کا ایک بڑا عنصر سورج ہے۔

۲۔ چاند :۔

عربی زبان میں اسے قمر کہتے ہیں۔ قمر جیسا کہ تاج العروس نے لکھا ہے القمرہ سے مشتق ہے اور "القمرہ" اس رنگ کو کہتے ہیں جو سبز یا سفیدی مائل ہو' میلا جیسا نظر آتا ہو یا صاف سفید ہو یا سخت سفیدی کو بھی قمرہ کہتے ہیں۔ تاج العروس نے ابوالھیثم لغوی سے نقل کیا ہے کہ چاند کو مہینے کی پہلی دو اور آخری دو راتوں (۲۶ اور ۲۷ کی رات) میں "ہلال" کہتے ہیں، جبکہ ان کی درمیانی مدت میں اسے "قمر" کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ انعام آیت نمبر ۹۶' سورہ اعراف آیت نمبر ۵۴' سورہ یونس آیت نمبر ۵'

سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۰، سورہ فصلت آیت نمبر ۳۷، ۳۸ سورہ نوح آیت نمبر ۱۶، سورہ قیامت آیت ۱۹، سورہ تکویر آیت نمبر ۱، سورہ شمس آیت نمبر ۲، سورہ الرحمٰن آیت نمبر ۵، سورہ یٰسین آیت نمبر ۳۹ میں چاند کے ساتھ سورج کا ذکر آیا ہے جبکہ سورہ مدثر آیت نمبر ۳۲، سورہ قیامت آیت نمبر ۸، انشقاق آیت نمبر ۱۸، اور سورہ فرقان آیت نمبر ۶۱ میں صرف قمر کا ذکر ہے۔ کتاب "اللہ والعلم الحدیث" صفحہ ۴۵ تالیف عبد الرزاق میں لکھا ہے کہ چاند تمام سیاروں سے چھوٹا سیارہ ہے لیکن زمین سے قریب ہونے کی وجہ سے سب سے بڑا نظر آتا ہے۔ چاند اہل زمین کیلئے اپنی روشنی بھیجنے کے علاوہ سورج سے ملکر مد و جزر پیدا کرتا ہے۔ کتاب "مع اللہ فی السماء"۔ تالیف ڈاکٹر احمد زکی صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ یہ چاند زمین سے الگ شدہ ایک قطعہ ہے لہٰذا یہ فرزند زمین شمار ہوتا ہے۔ چاند کی مسافت دو ہزار ایک سو ساٹھ (۲۱۶۰) میل ہے، یہ زمین کی ایک چوتھائی سے تھوڑا بڑا ہے۔ زمین کا وزن چاند سے بیاسی (۸۲) گنا زیادہ ہے یہ ساڑھے ستائیس دن میں ایک دور زمین کے گرد پورا کرتا ہے۔ اس دور میں زمین اپنے بیٹے چاند کے ساتھ سورج کے گرد حرکت انتقالی میں کچھ مسافت طے کرتی ہے۔

کثیر آیات قرآن کی روشنی میں زمین، چاند اور سورج تینوں ملکر زمان پیدا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ لقمان آیت ۳۷، سورہ رحمٰن آیت ۵ سورہ یٰسین آیت ۳۸ سے ثابت ہے۔ مجلّہ ثقافۃ الاسلام عدد ۱۹ صفحہ ۱۵۷ میں اور دیگر کتب ہیئت میں لکھا ہے کہ چاند زمین کے گرد ایک چکر ساڑھے انتیس دن میں مکمل کرتا ہے، اسی لئے مہینہ کبھی انتیس (۲۹) اور کبھی تیس (۳۰) دن کا ہوتا ہے۔ اور سال تین سو چون (۳۵۴) دن کا ہوتا ہے اسطرح سنہ شمسی کے مقابلہ میں سنہ قمری کا سال گیارہ دن کم ہوتا ہے۔

دور جاہلیت میں بھی مراسم حج کو قمری مہینے سے مربوط رکھا جاتا تھا چونکہ یہ آثار وراثت عرب ہے، اسلئے قمری مہینے کو زندہ رکھنا ان کی ضرورت اور مجبوری تھی مگر ان ایام میں انہیں جنگ وجدال، قتل و غارت گری سے باز رہنا پڑتا تھا۔ دوسری طرف ان کی اقتصادی درآمدات حجاج کی آمد سے موسم حج میں پوری ہوتی تھیں اس لئے وہ شمسی حساب کی ضرورت محسوس کرنے لگے تاکہ حج ہر سال ایک خاص موسم میں ہو سکے۔ لہٰذا ہر تین سال میں ۳۳ دن کا اضافہ کر کے حج کو ایک خاص موسم میں رکھنے لگے۔ ان کے اس عمل کو قرآن کریم نے سورہ توبہ کی آیت ۳۷ میں "نسی" کہا ہے۔ ہر سال وقوف عرفات کے اختتام پر حجاج کو عرفات چھوڑنے کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کرتے تھے کہ آئندہ سال حج گیارہ دن تاخیر سے ہوگا اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ غیر اشھر حرم کو اشھر حرم گردانتے تھے اور اشھر حرم کو غیر اشھر حرم قرار دیتے تھے۔ ان کے اس عمل کو خداوند عالم نے کفر قرار دیا ہے۔ پیغمبرؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبے میں فرمایا آج سے ایام حج اسی حساب سے ہونگے جس حساب سے خداوند عالم نے تخلیق آسمان وزمین کے موقع پر معین فرمایا تھا۔

۳۔ "زمین"

زمین کا تقویم میں دخل دو زاویوں سے ہے:۔

(۱) زمان سازی میں زمین کا کردار۔

(۲) زمین نشینوں کیلئے تقویم کی ضرورت۔

ہم یہاں پر پہلے نکتے کے متعلق گفتگو کرینگے۔ زمین کو عربی

میں ارض کہتے ہیں۔ ارض کی ضد آسمان ہے۔ ارض کی جمع ارضون یا ارضین ہے۔ لیکن قرآن پاک میں یہ لفظ ہمیشہ مفرد صیغے میں آیا ہے۔ ارض حسین و جمیل نبات کو اور لکڑی میں پیدا ہونے والے کیڑے کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں زمین کا ذکر دوسرے سیاروں کی بہ نسبت بہت زیادہ آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے اصل مخاطب اہل زمین ہیں۔

زمین انسان کیلئے کتنی اہم ہے اور اسکی نشو و نما کیلئے کس حد تک کردار ادا کرتی ہے اس کا اندازہ درج ذیل آیات سے لگایا جاسکتا ہے :۔

(۱) خدا نے فرمایا کہ انسان کو اس زمین سے خلق کیا ہے۔

"یاایھاالناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب"۔(سورۂ حج آیت ۵)

"اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شبہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے ہی تمھیں پہلے خاک سے بنایا ہے۔"

(۲) زمین کو انسان کے لئے فرش بنایا۔ سورۂ الذاریات آیت ۴۸ :۔

"والارض فرشنھا فنعم الماھدون۔"

"اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے اور ہم کیا ہی اچھے پھیلانے والے ہیں۔"

سورۂ بقرہ آیت ۲۲ :۔

"الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء۔"

"وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔

سورۂ نوح آیت ۱۹ تا ۲۰ :۔

"واللہ جعل لکم الارض بساطا۔لتسلکوامنھا سبلاً فجاجا۔"

"نیز اللہ نے زمین کو تمہارے لئے بچھا ہوا فرش قرار دیا ہے تاکہ تم اس کے وسیع راستوں اور درّوں سے گزرو (اور جہاں جانا چاہو چلے جاؤ)

(۳) زمین کو انسان کے لئے بہترین مرکب بنایا ہے۔

"ھوالذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا۔"

"وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے تسخیر کر دیا اس کے دوش پر چلو پھرو۔

(۴) زمین کو انسان کیلئے گہوارہ بنایا۔

"الذی جعل لکم الارض مھدا"

"وہ خدا ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے آرام و آسائش کی جگہ قرار دیا۔"(سورۂ طٰہٰ آیت ۵۳)

"الم نجعل الارض مھدا"

"کیا ہم نے زمین کو (تمہارے) لئے آرام و سکون کی جگہ قرار نہیں دیا۔

(۵) زمین کو خدا نے ایک جگہ سے کھینچا ہے۔ تخلیق زمین کے بارے میں سورۂ الرعد آیت ۳ میں ارشاد ہوا :۔

"وھوالذی مدالارض"

"وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا کر۔"

(۶) خدا نے اس زمین کو کھینچا اور اس پر پہاڑ بنایا تاکہ اس کی حرکت اعتدال میں رہے۔

سورۂ الحجر آیت ۱۹ :۔

"والارض مددنها والقينا فيها رواسی۔"

"اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ثابت پہاڑ ڈالے۔"

(۷) خدانے زمین میں پانی بھیجااور اسکو قابل زندگی بنایا۔

سورۂ ق آیت ۹ :۔

"ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا۔"

"اور ہم نے آسمان سے برکت والاپانی نازل کیا۔"

(۸) یہ زمین چھوٹی بڑی ہوتی رہتی ہے یعنی یہ پہاڑ جو زمین پر ہیں ثابت چیز نہیں۔ قدیم ہوں تو ختم ہو جاتے ہیں اور نئے بن جاتے ہیں۔ (سورۂ رعد آیت ۴۱ ' سورۂ انبیاء آیت ۴۴ اور سورۂ ذاریاۃ آیت ۴۷)

(۹) خدانے اس زمین کو چھ مرحلوں میں بنایاہے۔ (سورۂ اعراف آیت ۵۴ ' سورۂ یونس آیت ۳ ' سورۂ فرقان آیت ۵۹ ' سورۂ ھود آیت ۷)

(۱۰) زمین ہوامیں ہے یعنی بغیر کسی ستون کے قائم ہے۔

(۱۱) زمین تسبیح کرتی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴ :۔

"تسبح له السمٰوٰات السبع ولارض و من فيهن ۔

"سات آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔

(۱۲) یہ زمین حرکت میں ہے۔

سورۂ مزمل آیت ۱۴ :۔

"یوم ترجف الارض والجبال۔"

"اس دن زمین و پہاڑ شدت سے لرز رہے ہوں گے۔"

غرض زمین کے ہر پہلو کا ذکر تخلیق سے انجام تک ' حرکت اضطرابی سے حرکت اعتدالی تک اور موت سے حیات تک قرآن کی کثیر آیات میں آیا ہے۔ اتنی تفصیل زمین کے بارے میں قرآن نے اس لیئے بیان کی ہے کہ خدا نے اس انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور اسکی تعمیر و آبادی کی ذمہ داری اس کے سپرد کی ہے۔ یہ زمین ہمارے نظام شمسی کے چھوٹے سیاروں میں بلحاظ قرب تیسرے درجے پر فائز ہے اسکا ایک فرزند ہے یعنی چاند ۔ علمائے فلکیات علم ہیئت کے ماہرین و ستارہ شناسوں نے بالخصوص علامہ بزرگوار مجتہد منقول و معقول جامع علوم جدید و قدیم آیۃ اللہ ہبیت الدین شہرستانی نے اپنی کتاب "الھیئت والاسلام" میں زمین کی ۱۴ حرکتیں نقل کی ہیں ۔ ان چودہ حرکتوں میں سے مندرجہ ذیل دو حرکتیں ہماری تقویم سے مربوط ہیں۔ اسی حوالے سے ہم نے زمین کے بارے میں آیات قرآنی سے کچھ کلمات پیش کئے ہیں۔

(۱) حرکت وضعی جو ہمارے لیئے دن ورات پیدا کرتی ہے۔

(۲) حرکت انتقالی جس کے تحت ۳۶۵ دن پانچ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ میں سورج کے گرد ایک دور پورا ہوتا ہے۔

سورج کے گرد ایک دور پورا ہونے کی مدت کو سنہ تقویم یا سنہ شمسی کہتے ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ سنۂ شمسی کی خوبی اور اچھائی بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ موسم کے حوالے سے اس میں تغیر نہیں ہوتا یعنی کوئی خاص تاریخ ہمیشہ ایک ہی موسم میں آئے گی لیکن یہ جو پانچ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ کا ہر سال فرق ہوتا ہے سالہا سال جمع

ہونے کے بعد' سنہ شمسی میں اضافہ کا سبب بنے گا اور اس طرح وہ سال ۳۶۵ دن سے زیادہ ہوگا۔ اور نتیجتاً موسمی نظام میں بھی فرق آئے گا۔ لہٰذا اس فرق سے بچنے کیلئے تقویم وضع کرنے والوں نے جو چارہ جوئی کی ہے اسے سنہ کبیسہ (Leap Year) کہتے ہیں۔

انسان

تقویم انسان کیلئے ہے اگر روئے زمین پر کوئی انسان نہ ہو تو تقویم کا تصور بھی نہیں ہوگا۔ تقویم 'جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اہل لغت نے اسے گاہ شماری' وقت شماری یا نظام اوقات کے لغوی معنی دیئے ہیں۔ وقت کے شمار کرنے یا وقت کے نظام کا تعین کرنے کا اصل مقصد کسی عمل یا سرگرمی کیلئے وقت کا تعین کرنا ہے۔ لہٰذا ارباب علم اور صاحب تقویم حضرات کو تقویم زمانی کے ساتھ تقویم عملی پر بھی توجہ دینی چاہئے کیونکہ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وقت کیلئے زمان چاہئے اور زمان کی تقسیم و تنظیم عمل کیلئے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے وقت شماری کے بارے میں گفتگو کریں گے :

وقت شماری کے دو تصور ہیں :

وقت شماری وقت کا پہلا تصور وقت کا حساب کرنا ہے۔ وقت ایک انتہائی غیر متزلزل اور اٹل حقیقت ہے۔ اس میں کسی بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ بطور مثال دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ۔ مہینہ ہمیشہ ۲۹۔ ۳۰ یا ۳۱ دن کا ہوتا ہے (علاوہ ماہ فروری کے جو ۲۸ دن کا بھی ہوتا ہے)۔ دنیا بھر کی تقاویم میں نہ اس شمار سے کم ہے اور نہ ہی زیادہ۔ شمسی حساب سے سال کے (۳۶۵) تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور قمری سال تین سو چوون (۳۵۴) دن کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان معنوں میں وقت شماری میں کسی قسم کے شک وشبہ اور تردد کی گنجائش نہیں۔ سب کو پتہ ہے کہ مہینہ اتنے دنوں کا ہوتا ہے اور دن اتنے گھنٹوں کا۔

وقت شماری کا دوسرا تصور یہ ہے کہ مثلاً انسان یہ سوچے کہ اسکی عمر کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں 'کب تک زندہ رہے گا' کب مرے گا۔ ان امور کے اوقات کا صحیح صحیح حساب لگانا دنیا میں نہ کسی نابغۂ روزگار کیلئے ممکن ہے اور نہ کسی ریاضی دان کیلئے 'نہ ہی دنیا کی جدید ترین ٹکنالوجی اور کمپیوٹرائزڈ آلوں سے اس کا حساب لگانا ممکن ہو سکا۔ قدیم دور سے دور حاضر تک علماء کرام 'ارباب علم و دانش اور صاحبان اقتدار نے مقام و منصب 'مال و دولت' فضاوکرہ سب پر قبضہ جمایا ہے لیکن تمامتر وسائل کے باوجود وقت پر کوئی بھی قبضہ نہ کر سکا۔

بہر حال حکماء و علماء نے انسان کیلئے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ائمہ معصومینؑ کی طرف سے بہت سے گرانقدر کلمات وارد ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ہمارے موجودہ دور کے معاشرہ میں بعض لوگوں کیلئے شاید کاٹھ کباڑ کی تو کچھ قیمت ہو لیکن وقت کی کوئی قدر نہیں۔ وقت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ہم مولائے متقیان امیر المومنین علیؑ کے کلمات قصار سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں :۔

(۱) کلمہ قصار نمبر ۳۴۶۱ : "تمھارا ماضی گزر چکا ہے آئندہ مبہم ہے 'معلوم نہیں' لہٰذا موجودہ وقت کو غنیمت سمجھو"

(۲) کلمہ قصار نمبر ۱۲۰۰ : "گزشتہ کے بارے میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ تمھارا ماضی گزر گیا' مستقبل آرزو

ہے جو کام کر رہے ہو وہی تمھارا ہے"

(۳) کلمہ قصار نمبر ۳۴۴۳۱: "تمھاری عمر اسی وقت تک ہے جسمیں تم اسوقت ہو"

(۴) کلمہ قصار نمبر ۸۷۹۵: "جس نے اپنے وقت کو ٹال دیا یقین کرو وقت اسکے ہاتھ سے گیا۔"

ہر وقت گزر جانے والا ہے لہٰذا انسان بلکہ نابغہ روزگار ہستیاں بھی نہیں کہہ سکتیں کتنے کام کے لئے کتنا وقت ان کے پاس باقی بچا ہے اور وہ خود کب تک باقی ہیں۔

لہٰذا ہر وہ قوم، ہر وہ فرد جس نے کسی انسان کو کسی فرد یا کسی قوم کو کام سے روکنے کی کوشش کی یا اسمیں سستی سے کام لیا یا تاخیر کرنے کی دعوت دی یا اس کے جذبہ حرارت کو کم کرنے کی کوشش کی تو ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔

خداوند متعال نے بھی اپنی کتاب میں ہر چیز سے زیادہ وقت سے استفادہ کرنے کی دعوت دی ہے اور اس میں بھی جلدی کرنے کی اور دوسروں پر سبقت حاصل کرنے کی شدت سے تاکید کی ہے مثلاً سورۂ آل عمران آیت ۱۳۳ میں سرعت اور جلدی کرنے کی ہدایت کی ہے جبکہ اسی سورہ کی آیت ۱۱۴، سورۂ انبیاء کی آیت ۹۰ اور سورۂ مومنین کی آیت نمبر ۶۱ میں اعمال خیر میں سبقت حاصل کرنے کو مومنین کی صفت بیان کیا ہے۔ سورۂ حدید آیت ۲۱ میں کار خیر کرنے میں دوسروں سے پہل کرنے کی تاکید آئی ہے۔ اور بھی بہت سی آیات اس سلسلہ میں موجود ہیں۔ درج بالا چند آیات صرف حوالے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ لہٰذا جو انسان ایک گھنٹہ کیلئے بھی معقول عمل، معقول کام سے منصرف یا دور رہے گا تو گویا وہ شخص آیات قرآنی کے تحت اتنی دیر لہو رہا۔ لہو کے معنی دین و دنیا کی بہتری و بھلائی کی سرگرمیوں سے غیر متوجہ ہونا ہے۔

تقویم عملی کا دوسرا مفہوم کام شماری ہے۔ ہر انسان کے پاس بے شمار کام و عمل انجام دینے کیلئے ہیں۔ کام کی کثرت کی تعبیر کرتے ہوئے بعض کہتے ہیں "ہمیں مرنے کی بھی فرصت نہیں"۔ غرض وقت اتنا محدود ہے اور کام اسقدر زیادہ ہیں۔ قانون تنظیم کے تحت قلت سے کثرت کو تقسیم کیا جاتا ہے نہ کہ کثرت سے قلت کو۔ لہٰذا کام کو مختلف زاویوں سے تقسیم کرنا چاہئے پھر جو وقت میسر ہو اسی لحاظ سے کام معین کرنا چاہئے۔ ہر کام کیلئے وقت ملنا ناممکن ہے۔ لیکن بعض انسان حقائق سے اتنے دور ہیں کہ وقت کی اس انتہائی محدودیت اور کام کی اس قدر کثرت کے باوجود اپنے وقت کو فضول اور بیکار باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ بیکار وقت گزارنے والوں کی مذمت میں مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ نے کلمہ قصار نمبر ۵۶۹۷ میں فرمایا:

> "وقت کو ضائع کرنا بدترین عمل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کام کو تاخیر سے کرے یا ٹال دے تو یقیناً وہ وقت اس کے ہاتھ سے چلا جائے گا۔"

کلمہ قصار نمبر ۸۷۹۵ میں فرماتے ہیں "اوقات دنیا کتنے ہی لمبے ہوں کم ہیں، اس سے فائدہ اٹھانا تمھارا وقت اور تمھاری عمر کا خیر ہے اس کو خرچ نہ کرو مگر اس کام میں جسمیں تمھاری نجات ہے۔"

کلمہ قصار نمبر ۲۴۴۵ میں فرماتے ہیں "ایک وقت اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے کاموں کیلئے دو۔"

غرض انسان کے پاس وقت بہت کم اور کام بہت زیادہ ہیں۔

اس محدود وقت میں تمام کاموں کیلئے وقت نکالنا ممکن نہیں ہے۔

دنیا میں میاں بیوی، باپ بیٹے، افسر وماتحت، وزیر اعظم وکابینہ اور حکومت اور رعیت کام لینے والے اور کام دینے والوں کے درمیان اختلاف کی جڑ ہی یہ بات ہے کہ کس کام کو مقدم کریں اور پہلے وقت دیں اور کس کو موخر کریں، کس کام کو زیادہ وقت دیں کس کو کم۔ بہر حال اس بحث میں وقت کو کام کیلئے تقسیم کرنا ناممکن ہے کیونکہ وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ اور کام کو وقت پر تقسیم کرنا ناممکن کیونکہ کام کی کثرت وقت کی ظرفیت سے زیادہ ہے۔ لہٰذا معقولیت اسمیں ہے کہ پہلے کام کو مشخص کیا جائے کہ کس کام کو کرنا چاہئے اور کسے نہیں، کس کام کو زیادہ وقت دینا چاہئے اور کس کو کم، کس کام کو پہلی فرصت میں انجام دینا چاہئے اور کس کو فرصت کے اوقات کیلئے چھوڑ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح خود کاموں کے درمیان ترجیحات متعین کرنا چاہئے۔ کاموں میں باہم ترجیحات قائم کرنے کیلئے بھی کسوٹی کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی میعار وکسوٹی نہ ہو تو انسان حیران وسرگرداں ہی رہے گا۔

لہٰذا ہم یہاں چند کسوٹیوں کی نشاندھی کرتے ہیں تاکہ کاموں کے درمیان ترجیحات کا تعین کرنا آسان ہو جائے۔ کاموں کی ترجیحات کچھ یوں ہیں :۔

(۱) کام کی قدر وقیمت

جس کام کا فائدہ زیادہ ہو اس سے بے نیازی ناممکن ہے، جس کی ضرورت کا سب کو اعتراف ہو یا جس کی ضرورت سب کے نزدیک ناگزیر ہو، اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دینا چاہئے اس اصول پر عمل کرنے سے ایک کام کا دوسرے سے تزاحم وٹکراؤ ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شریعت میں بھی اسی قائدہ کے تحت واجب انجام دیتے وقت مستحب عمل سے منع کیا گیا ہے۔ واجب عمل چھوڑ کر مستحب انجام دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حتی کہ ایک ایسا کام کہ جس کے کرنے سے واجب کام کو کسی بھی زاویئے سے نقصان پہونچتا ہو منع کیا گیا ہے جیسے حج واجب کے بجائے عمرہ بجالانا۔ حج کو ترک کر کے ہر سال زیارت کیلئے جانے والے بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔

(۲) کام لینے والا

آپ سے کام لینے والا کون ہے؟ یعنی کام کے بارے میں باز پرس کرنے والا کون ہے؟۔ ایک مرحلہ میں کام کی باز پرس کرنے والا انسان ہے دوسرے مرحلہ میں کام کی باز پرس کرنیوالا خدا ہے انسان کی باز پرس کو مقدم رکھتے ہوئے مخلوق کی اطاعت اور خالق کی نافرمانی کرنا ایک غلط عمل ہے۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جو معصیت خدا کا سبب بنے جائز نہیں۔

یہاں بھی بعض لوگ یہ غلط منطق پیش کرتے ہیں کہ خدا تو بخشنے والا ہے لیکن یہ انسان معاف نہیں کرے گا۔ یہ عذر ایک غلط مفروضہ پر قائم ہے۔ وہ خدا جس نے اپنی مخلوق کو ہمیشہ خالق کے مقابلہ میں معبود و مطاع قرار دینے سے منع کیا ہے وہ کیونکر کسی مخلوق کی اطاعت کرنے اور اپنی اطاعت چھوڑنے والے کو بخشے گا۔ اگر اس مفروضہ کو مان لیا جائے تو دنیا میں طاغوت کی اطاعت کرنے والے تمام لوگوں کو ناجی ہونا چاہئے۔

(۳) عمل دنیوی واُخروی

عمل اور کام کی جزا دو جگہ ملتی ہے، ایک اس دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ پس جو شخص آخرت کے فائدہ کو چھوڑ کر دنیوی

فائدہ کو مقدم رکھتا ہے وہ دراصل کسی دوسرے کیلئے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیونکہ جو کام اس نے آخرت کیلئے کیا ہے اس کا فائدہ تو خود اس کو ملتا ہے۔ مگر وہ عمل جس کا فائدہ اس دنیا میں ملتا ہے عین ممکن ہے فائدہ ملتے ہی وہ مر جائے اور اس کے ورثاء اس کا فائدہ اٹھائیں۔ کچھ نہیں کہہ سکتے کیا ہو، ممکن ہے جنت خریدیں، ممکن ہے اسی فائدہ کو استعمال کر کے جہنم کو اپنا ٹھکانا بنائیں۔

تقویم اسلامی

اسلام تقویم کے معاملہ میں کسی دوسرے کی تقویم کے نہ تابع ہے نہ اسکو اپنانے میں اسکی کوئی ترجیحات ہیں۔ ہمیں اس بات پر ناز ہے اور اپنے لئے اعزاز وافتخار سمجھتے ہیں کہ مزاج شریعت اسلامی اور آیات وروایات کے نصوص کے مطابق وہ دیگر چیزوں کی مانند تقویم میں بھی جداگانہ استقلال رکھتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے شریعت اسلامی کے مزاج کا ملاحظہ کریں۔

ثقافتی خود مختاری :۔

ان کلمات سے کون سا انسان ناآشنا ہوگا لیکن استقلال ،آزادی اور خود مختاری کا تقدس اس حد تک جا پہنچا ہے کہ انسان باغی، سرکش، انفرادیت پسند، غرض کہ ہرج ومرج اور حیوانیت کی سرحدوں میں داخل ہو گیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ دراصل یہ سب آزادی ،استقلال اور خود مختاری کی حدود ،درجات ،خصوصیات اور امتیازات کے نامعلوم رہنے اور اسکی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔ اگرچہ بعض مواقع پر یہی چیز اتنی بے بہا اور گراں قدر ہو جاتی ہے کہ جان دے کر بھی خریدنا پڑے تو سودا مہنگا نہیں۔

تاریخ میں آزادی کی خاطر اب تک نہ جانے کتنے لوگوں نے جان دی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کس کی آزادی کیلئے کس نے جان دی اور اس جان کی قیمت اسے کہاں ملے گی ؟۔

استقلال و آزادی اور خود مختاری میں درج ذیل تین چیزیں انتہائی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں جو ایک دوسرے کی معاون ومددگار ہیں۔ کسی ایک کا حصول دوسرے کیلئے موقع فراہم کرتا ہے اور راہ ہموار کرتا ہے :۔

(۱) استقلال سیاسی :۔

وہ قومیں خود مختار و آزاد ہیں جو اپنے ملک کی تقدیر کا فیصلہ خود کرتی ہیں، جنکے سربراہ اپنے ہوتے ہیں، ملک کا دستور و قانون کسی اور کے ایماء اور اشارے پر نہیں بنتا بلکہ خود اپنا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسے استقلال سیاسی کہیں گے۔

(۲) استقلال اقتصادی :

یعنی اقتصاد میں خود کفیل ہونا استقلالِ آزادی یہ ہے کہ کسی ملک و قوم کی ضروریات دوسرے ملکوں سے وابستہ نہ ہوں اور وہ کسی اور کے رحم وکرم پر نہ ہو، گرچہ یہ مقصد قناعت و کفایت شعاری سے ہی کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔ کفایت و قناعت کے ذریعہ حاصل کیا ہوا استقلال چاہے گھریلو بنیاد پر ہو چاہے ملکی بنیاد پر، عیش ونوش کے مقابلے میں بڑی لذت رکھتا ہے۔

(۳) استقلال اجتماعی :۔

ایک فکر و مذہب کے افراد کا ایک ساتھ مستقل طور پر رہن سہن، دینی مراسم اور عبادات انجام دینے میں بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں مستقل اسلامی معاشرہ ایک عنایت

خداوندی ہے۔ ہمیں اپنے دینی مراسم میں غیر مسلموں کے چیلنج کا سامنا نہیں ہے۔ اگرچہ دوسروں کے ایماء واشارے پر اس فضا کو ناہموار اور مکدر بنانے کی وقتاً فوقتاً کوشش ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے خیال میں ان مذموم کوششوں کے باوجود ابھی تک اسلام عزیز کو کوئی چیلنج درپیش نہیں ہے اسی لئے ابھی تک تمام فرقے زندہ ہیں۔ جس دن خدانخواستہ اسلام کو خطرہ درپیش ہوگا سب فرقوں کی موت آئے گی۔

(۴)دفاعی استقلال :۔

دنیا میں بہت سے ملکوں کی صورت حال یہ ہے کہ انکی سرحدوں کا دفاع کرائے کے لوگ کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی بھی وقت دشمنوں کے چیلنج کا شکار ہو سکتے ہیں۔ الحمد للہ ہمارے ملک میں ایسی صورت حال نہیں۔ خدا کے فضل وکرم سے ہمارے ملک کا دفاع خود ہمارے اپنے جوانوں کے ہاتھ میں ہے۔

(۵)استقلال فکری وثقافتی :۔

کسی قوم و مذہب کا اس وقت بول بالا ہوتا ہے اور وہ قوم سرخرو اور قابل عزت واحترام سمجھی جاتی ہے جب اسکی ثقافت خود اپنی ہو یعنی وہ کسی دوسرے مذہب یا ملک کی ثقافت کو اپنائے ہوئے نہ ہو۔ ممکن ہے کہ بعض ترقی یافتہ ممالک سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود اپنے فکری اور ثقافتی استقلال کو بھی محفوظ رکھے ہوئے ہوں یعنی ٹیکنالوجی اور علوم وفنون کو تو انہوں نے دیگر اقوام سے حاصل کیا ہو لیکن فکر وثقافت انکی اپنی ہو۔ بعض ممالک اقتصاد' اجتماع اور سیاست میں تو حقیر نظر آتے ہیں' اس میں دوسروں کے تابع ہیں اور استقلال نہیں رکھتے لیکن اسکے باوجود انہوں نے اپنی ثقافت کو نہیں چھوڑا مثال کے طور پر کئی ایسے عرب ممالک ہیں جہاں نئے دور کا تمدن و ترقی ابھی تک اپنی جگہ نہیں بنا سکا اگرچہ دیگر معاملات میں وہ دوسروں پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض ممالک ایسے بھی ہیں جو نہ صرف غیروں کی ثقافت کے تابع ہیں بلکہ اس ثقافت کو اپنانے میں فخر واعزاز محسوس کرتے ہیں۔

اگرچہ سیاسی واقتصادی استقلال' فکری اور ثقافتی استقلال کو فروغ دیتا ہے لیکن جس قوم کی فکری ثقافت ختم ہو جائے اور اسکی اپنی کوئی ثقافت نہ رہے وہاں اصلاح کی توقع کرنا عبث ہوگا۔ ہم اس سلسلے میں مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتے لیکن حیرت وافسوس تو ملک کے ان حلقوں پر ہے جو دین سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ بزعم خود تو شاید وہ سمجھتے ہیں کہ گویا وہ اسلام سے وابستہ نہیں بلکہ اسلام ان سے وابستہ ہے حالانکہ یہ مقام ومرتبہ تو صرف پیغمبرؐ اور آئمہ علیہم السلام ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس فکر کے ہوتے ہوئے بھی اور سالہا سال گذرنے کے باوجود ان ہستیوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ یہ اپنی تاریخ وثقافت کو بحال کرنے میں کچھ استقلال دکھاتے اور کم از کم دن اور تاریخ جو روزمرہ کی ایک ضرورت ہے' کو ہی اسلام کے سانچے میں ڈھال لیتے۔ ہمارے ہاں جو تاریخ مستعمل ہے وہ بت پرستی' کفر پرستی اور اسلام دشمنی کی نمائندگی کرتی ہے جبکہ دنوں کے نام مختلف بتوں اور دیوی دیوتاؤں سے منسوب ہیں۔ لیکن اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ان نام نہاد اسلامی حلقوں نے تقویم اسلامی کے مطابق تاریخ رائج کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی۔ ایسے حلقوں سے دین ومذہب کے معاملہ میں اور کیا امید کی جا سکتی ہے ؟۔

تقویم اسلامی

اسلامی تقویم یعنی قرآن اور روایات اسلامی کے تحت مسلمانوں کیلئے اپنی انفرادی، اجتماعی اور سیاسی سرگرمیوں کیلئے نظام اوقات۔ اس سلسلے میں سورۂ توبہ آیت ۳۶ میں خداوند عالم فرماتا ہے :۔

ان عدة الشهور عندالله اثناعشر شهراً فى كتاب الله يوم خلق السموات والارض ـ

"بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک کتاب خدا میں اس دن سے بارہ ہے جس دن اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔"

اس آیۂ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر رائج تقویم کی طرح اسلامی تقویم میں بھی بارہ (۱۲) مہینے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ دیگر اقوام و ملل نے یہ مہینے اپنے حساب سے بنائے ہیں اس لئے کسی مہینہ کو ۳۱ دن کسی کو ۳۰ دن اور کسی کو ۲۹، ۲۸ دن کا قرار دیا ہے۔ یہ نظام صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ جبکہ سورۂ توبہ کی آیت ۳۶ کے تحت اسلامی تقویم کا آغاز صدیوں سے نہیں بلکہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے قائم ہے اور طبیعت سے اخذ شدہ ہے۔ لہٰذا اسکے مہینے فرضی نہیں بلکہ ایک محسوس، مشہور اور روشن حقیقت کے ساتھ مربوط ہیں، ایک ایسی حقیقت جسے جاہل، ان پڑھ، عالم، دانشمند سب آسانی سے سمجھ سکتے ہیں یعنی یہ مہینے چاند سے مربوط ہیں۔ جیساکہ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹ میں ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ میں خداوند عالم نے لوگوں کے تمام امور و افعال خواہ وہ فردی ہوں، اجتماعی ہوں یا سیاسی، سب کا ربط نظام اوقات قمری سے قرار دیا ہے۔

دنیا کی تمام اقوام و ملل اپنے سال کا آغاز کسی خاص اہمیت کے حامل دن سے کرتی ہیں وہ دن یا تو اس قوم کے استقلال و آزادی کا دن ہوتا ہے یا اسکے رہبر کے مسند اقتدار پر بیٹھنے اور اسکی تاج پوشی سے منسوب ہوتا ہے۔ اسکے برعکس اسلامی تقویم میں اس سلسلے میں دو تصور ملتے ہیں۔

(۱) حج آغاز سال ہے۔ چنانچہ سورۂ قصص آیت ۲۷ میں حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب کے درمیان طے پانے والے معاہدے میں حج کو آغاز سال بتایا گیا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں یہ واضح نہیں ہے کہ حج کے اعمال کی ابتداء کا دن آغازِ سال ہے یا اختتام عمل حج۔ اگر آغاز حج کو آغاز سال قرار دیں تو اس میں ایک اشتباہ ہے یعنی یہ نویں یا دسویں ذی الحجہ کا دن ہوگا۔ اگر اختتام عمل حج کو بنیاد بنائیں تو آخر ذی الحجہ ہوگا۔

حج یقیناً استقلال اسلام و مسلمین کا مظہر ہے۔ چنانچہ تمام مورخین روایات و سیرت بالاتفاق ہجرت پیغمبرؐ کو اسلامی آغازِ سال قرار دیتے ہیں لیکن مہینے کے حوالے سے محرم جو اختتام حج کے فوراً بعد آتا ہے کو پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ حج بندگان خدا کو خدا کے حضور میں پہنچاتا ہے اور دنیا کی دیگر اقوام و ملل کے سامنے یہ مسلمانوں کا مظاہرۂ طاقت و قدرت ہے۔ حج میں خصوصاً "لبیک" شعار حجاج ہے اور رمیٔ جمرات، جس سے حج اختتام پذیر ہوتا ہے کفر و طاغوت سے بیزاری اور استقلال کا مظہر ہے یوں محرم الحرام سے آغازِ سال، ہجرتِ پیغمبرؐ اور حج دونوں سے مربوط ہو جاتا ہے شاید اسی لئے ماہ محرم کو تقویم اسلامی میں آغازِ سال قرار دیا گیا

ہے اور یوں یہ تقویم قمری حساب سے ہے۔

تقویم اسلامی اپنے آغاز سال اور مہینوں کے حوالے سے کئی اعتبار سے دوسری تقاویم سے ممتاز ہے۔ اسکا ایک امتیاز تو یہ ہے کہ اس کی بنیاد الٰہی ہے یعنی قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷ اور سورۂ توبہ آیت ۳۶ کے تحت ایک سال میں بارہ (۱۲) مہینے ہیں اور وہ بھی قمری۔ نص قرآن کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ کے خطبۂ حجۃ الوداع کے تحت بھی یہ تقویم الٰہی ہے۔

(۲) اسلامی تقویم طبیعت سے ہم آہنگ ہے کیونکہ اسکے تحت زمان کی تشکیل میں شامل تمام عناصر یعنی سورج چاند اور زمین تینوں کالحاظ رکھا گیا ہے۔

(۳) اسلامی تقویم کے مہینوں کے نام بھی طبیعت کے مطابق ہیں، خدا کے نام سے منسوب ہیں یا کسی عبادت الٰہی کے نام سے۔

(۴) سورۂ کہف کی آیت ۲۵ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امامؑ نے فرمایا: مسلمانوں کا سنہ قمری ہے شمسی نہیں۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ نظام عبادت میں تو ہم اسلامی تقویم کی پیروی کرتے ہیں لیکن دیگر معاملات زندگی میں غیر اسلامی تقویم اپناتے ہیں۔ یہ طرز عمل نہ صرف یہ کہ آیات وروایات اور سیرت معصومینؑ سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ تائید کفر کے ادف ہے کیونکہ غیر اسلامی مہینوں کے نام دیوی، دیوتاؤں، ں اور طاغوت سے منسوب ہیں۔ اور ان مہینوں کے مطابق اپنے لات کو منظم و مربوط کرنا ان کی یاد آوری کا ذریعہ بنتا ہے۔

تقویم اسلامی

تقویم اسلامی کے تمام جزیات اور عناصر جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، طبیعت اور فطرت سے مطابقت اور کامل ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ لہٰذا اسکا آغاز سنہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کے استقلال کی واضح نشانی ہے۔ اسی طرح اسکے مہینے دیگر قوموں کے مہینوں کی مانند یاد کفر و شرک سے منسوب نہیں بلکہ فطرت طبیعت، اقدار، انسانیت اور اسلامی بنیادوں سے ماخوذ ہیں۔ قارئین کرام کی افتاد طبع کے لئے ان مہینوں کے نام، اسکی وجہ تسمیہ اور ان میں پیش آنے والے کچھ اہم واقعات پیش خدمت ہیں:۔

محرم:۔

محرم اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ ہے۔ اس مہینے کو محرم کہنے کی توجیہہ میں اہل لغت اور اہل تاریخ و سیر، تفاسیر قرآن کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس مہینے میں جنگ وجدال، قتل وغارتگری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے جن چار مہینوں کو اشھر حرم کہا ہے ان میں سے ایک محرم ہے۔ حرمت کی تاکید کی وجہ سے اس کو محرم الحرام بھی کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں بھی یہ مہینے محترم سمجھے جاتے تھے۔ ان مہینوں میں جنگ و جدال، قتل وغارتگری ممنوع تھی۔ حتیٰ کسی سے لڑنا اور کسی کو مارنا بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ محرم کی پہلی تاریخ کو ریان بن شبیب امام رضاؑ کی خدمت میں پہنچا تو امام نے ریان سے سوال کیا "یا ابن شبیب کیا تو آج روزہ سے ہے؟ عرض کیا نہیں۔ امام نے فرمایا یہ وہ مہینہ ہے کہ اہل جاہلیت بھی اس کا احترام کیا کرتے تھے جبکہ امت نے پیغمبرؐ

کی ذریت کا' یعنی ہمارے جد بزرگوار اور ان کے اہل بیت کا احترام روا نہیں رکھا"۔ اس مہینے کی دس تاریخ (سنہ ۶۱ ھجری) کو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سے 'محرم الحرام کا نام لیتے ہی صرف شہادت مظلوم ابی عبداللہ الحسینؑ اور ایام عزا ذہن میں آتے ہیں۔ لہٰذا کتب انسائیکلو پیڈیا اور لغت میں بھی محرم کی تعریف کو امام حسینؑ سے مربوط کیا گیا ہے۔

اس مہینے میں مندرجہ ذیل اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں :۔

یکم محرم : حضرت ادریس جنت میں داخل ہوئے۔

۳ محرم : حضرت یوسف کو کنویں سے نجات ملی۔

۷ محرم : حضرت موسیٰ طور پر پہونچے۔

۹ محرم : حضرت یونس کو شکم ماہی سے نجات ملی۔

۹ محرم : حضرت یحییٰ اور حضرت مریم کی ولادت اسی دن بتائی جاتی ہے۔

۹ محرم : تاسوعہ کے نام سے معروف ہے۔

۹ محرم : یہ وہ دن ہے جب حضرت امام حسینؑ کا محاصرہ کیا گیا۔

۱۰ محرم : حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوئی۔

۱۶ محرم : بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا۔

۱۷ محرم : اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا۔

۲۵ محرم : حضرت امام زین العابدین 'امام سجادؑ کی شہادت ہوئی۔

(مجالس سنیہ صفحہ ۳۵۱ میں حضرت امام سجادؑ کی شہادت کا دن اسی ماہ بارہ یا اٹھارہ یا انیس یا بائیس سنہ ۹۵ھ بتایا گیا ہے۔)

صفر :۔

صفر تقویم اسلامی کا دوسرا مہینہ ہے۔ اس مہینے کو صفر کہنے کی توجیہہ میں اہل لغت نے تین احتمالات نقل کیے ہیں۔

۱۔ صفر مادہ صفرہ سے ہے۔ صفرہ زردی کو کہتے ہیں۔ شاید اس مہینے کی نام گزاری کے وقت درختوں کے پتے اور سبزیاں زرد ہوئے ہونگے اس وجہ سے اس مہینے کو صفر کہا ہے۔ صفرہ ایک بیماری کا نام بھی ہے جس میں چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

۲۔ صَفَر صِفر سے لیا گیا ہے' صفر کے معنی ہیں زیرو (Zero) ۔ عرب دور جاہلیت میں اشھر حرم کے چار مہینے اپنے گھروں میں محبوس رہتے تھے۔ جونہی محرم کا مہینہ ختم ہو جاتا لوگ اپنے گھروں سے نکلتے تھے اور ان کے گھر خالی ہو جایا کرتے تھے۔

۳۔ صفر مادہ سفر سے لیا گیا ہے۔

دور جاہلیت سے لیکر آج تک اس پورے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے' خصوصاً اس مہینے کے چار بدھ بالخصوص چوتھے بدھ کو حد سے زیادہ منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ اس مہینے میں شادی نہیں کرتے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس پورے مہینے میں نحوست کہاں سے آئی۔ یعنی اس پورے مہینے کو منحوس کہنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر پیغمبرؐ کی وفات کی وجہ سے منحوس سمجھا جاتا ہے تو صرف وہی دن منحوس ہونا چاہیئے تھا نہ کہ تمام مہینہ۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی اکثریت آپؐ کی وفات اس مہینے میں نہیں گردانتی۔ تیسری بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی وفات سے پہلے بھی عرب دور جاہلیت میں اس کو منحوس گردانتے تھے۔ شاید عربوں نے اشھر حرم میں ترمیم کی ہو اور محرم جو کہ اشھر حرم میں سے ہے اس کی جگہ صفر کو محرم قرار دیتے ہوں اور اس وجہ سے

اس کو منحوس گردانا ہو۔ ابھی تک خاص کر عورتیں اس مہینے کو منحوس سمجھتی ہیں اس لئے کوئی بھی خوشی کا کام کرنا اس مہینے میں پسند نہیں کرتیں۔ حتی اس مہینے کے چاند کو دیکھنا اور آئینہ دیکھنا بھی منحوس سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اس مہینے میں بہت سے دلخراش اور افسوسناک حوادث وقوع پذیر ہوئے ہیں ہو سکتا ہے اس لئے اسے منحوس سمجھا جاتا ہو۔

اس مہینے میں مندرجہ ذیل اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

یکم صفر: سر مقدس امام حسین علیہ السلام دمشق میں داخل ہوا۔

۳ صفر: اہل شام کیلئے یوم عید تھا۔

۳ صفر: مسلم بن عقبہ نے کعبہ کو منجنیق سے داغا۔

۳ صفر: حضرت زید بن علیؑ کی شہادت ہوئی۔

۷ یا ۲۸ صفر، سنہ ۵۰ ھجری: حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہوئی۔

۷ صفر سنہ ۱۲۸ ھجری:۔ ولادت حضرت امام موسی بن جعفر علیہ السلام۔

۱۷ یا ۳۰ صفر ۲۰۳ء ھجری: حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت ہوئی۔

۲۰ صفر: یوم اربعین سید الشھداء حضرت امام حسین علیہ السلام

۲۳ صفر: حکومت بنی عباس وجود میں آئی۔

۲۸ صفر ۱۱ ء ھجری: وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ربیع الاول :۔

یہ اسلامی تقویم کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس مہینہ کی نام گزاری کرتے وقت درختوں کے پتوں اور سبزیوں کے پھلنے پھولنے اور نمو کرنے کا وقت تھا اس لئے اسے ربیع کہا گیا ہے۔ سال کی چار فصلوں میں سے سردی اور گرمی کی درمیانی مدت میں آنے والی فصل کو ربیع کہتے ہیں۔ ان چاروں فصلوں میں سے ہر فصل کے کم از کم تین مہینے ہوتے ہیں۔ ہر فصلِ ربیع کی سہ ماہی میں ربیع کے حالات نمایاں طور پر دو مہینوں میں نظر آتے ہیں اور چونکہ یہ اس فصل کا پہلا مہینہ ہے اس لحاظ سے اس کو ربیع الاول کہتے ہیں۔

اس مہینے میں مندرجہ ذیل واقعات حسب نقل تاریخ وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

یکم یا آٹھ یا بارہ ربیع الاول ۲۶۰ ھجری: شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام

۹ ربیع الاول: تاریخ موہوم۔

جسطرح بعض ملکوں میں گمنام و مجہول سپاہیوں کی قبریں ہوتی ہیں، ہمارے بعض لوگوں کے نزدیک یہ تاریخ ایک موہوم گمنام دن ہے۔ یہ دن ہمارے ہاں بطور عید، خوشی اور مسرت کے ساتھ منایا جاتا ہے جبکہ اس کے بارے میں کتب تاریخ و سیر میں ضعیف سی سند بھی نہیں ملتی ہے۔ اس دن کو اس حد تک منانے کی کسی بھی زاوئے سے کوئی منطق نہیں ہے۔ اس روز اپنے آپکو بے قابو کرنے کی حد تک خوشی منانے کی کوئی شرعی حیثیت و جواز نہیں۔ ہمارا یہ عمل سوائے اپنے لئے اور اپنے مقتداء و پیشواؤں کیلئے دوسروں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی نادان، مذموم سازش کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بعض اس دن کو روز تاج پوشی امام زمان (عج) قرار دیکر خوشی مناتے ہیں لیکن ہمارے پاس تاج پوشی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ استکباری واستبدادی شاہوں کی رسومات ہیں اور کسی بھی امام کی شہادت کے موقع پر دوسرے امام کو منتقلیٔ امامت کے حوالے سے تاج پوشی کا تصور نہیں ملتا۔ غرض ہر بے سند کام کیلئے جعلی سند تلاش کرنا پڑتی ہے جو کسی کیلئے بھی

باعث اطمینان نہیں بن سکتی اور یہی روش اس دن کے حوالے سے اپنائی گئی ہے۔

۱۲ ربیع الاول: برادران اہل سنت کے نزدیک تاریخ وفات پیغمبرؐ بھی ہے اور ولادت پیغمبرؐ بھی۔

۱۷ ربیع الاول: اہل تشیع کے نزدیک بعض روایات اہل بیتؑ کے مطابق تاریخ ولادت خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۱۷ ربیع الاول روز ولادت امام جعفر صادقؑ ہے۔

ربیع الثانی:۔

یہ اسلامی تقویم کا چوتھا مہینہ ہے۔ اور اسے ربیع الآخر بھی کہتے ہیں۔ اس مہینے میں حسب نقل تاریخ مندرجہ ذیل اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا۔

۱۰ ربیع الثانی: ولادت امام حسن عسکری علیہ السلام۔

جمادی الاول:

جماد، جمد سے ہے۔ جمد کسی چیز کے جم جانے کو کہتے ہیں۔ پانی جمنے یا برف باری کے موقع پر آنے والے مہینے کو موسم کے حوالے سے نام گزرای کرتے ہوئے "جمادی" نام دیا گیا ہے۔ چونکہ سردی کے موسم کے دو مہینوں میں سے یہ پہلا مہینہ ہے اس وجہ سے اس کو جمادی الاولیٰ کہتے ہیں۔ اس مہینے میں حسب تسلسل تاریخ مندرجہ ذیل اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا۔

۱۳ جمادی الاول سنہ ۱۱ ھجری:۔ بعض روایات کے مطابق وفات پیغمبرؐ کے بعد پچھتر (۷۵) دن تک حضرت فاطمہ زہراؑ حیات رہیں اس قول کے مطابق ۱۳ جمادی الاول وفات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہے۔

جمادی الثانی:۔

یہ تقویم اسلامی کا چھٹا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ بھی جمادی الاول کی مانند ہے۔ مسلسل سردی باقی رہنے اور پانی جم جانے کی وجہ سے اس کو جمادی الثانی کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ اس موسم کا آخری مہینہ ہے اس حوالے سے اس کو جمادی الآخر بھی کہتے ہیں۔ اس مہینے میں حسب تاریخ مندرجہ ذیل واقعات گزرے ہیں:۔

۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱ ھجری: بعض روایات کے مطابق وفات پیغمبر کے بعد پچانوے (۹۵) دن حضرت زہراؑ زندہ رہیں، اس قول کے تحت ۳ جمادی الثانی وفات حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہے۔

۱۵ جمادی الثانی تاریخ ولادت امام سجاد علیہ السلام ہے

۱۵ جمادی الثانی، ۷۳ ھجری: عبد اللہ ابن زبیر کا قتل ہوا۔

۱۵ جمادی الثانی: عبد اللہ ابن زبیر نے تعمیر کیلئے کعبہ کو گرایا۔

۱۵ جمادی الثانی: جنگ جمل واقع ہوئی۔

۱۷ جمادی الثانی: خلیفۂ اول حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا اور اسی دن خلافت کیلئے حضرت عمر کو نامزد کیا گیا۔

رجب:۔

رجب تقویم اسلامی میں قمری سال کا ساتواں مہینہ ہے۔ اس مہینے کی کتب احادیث و روایات میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے "اتقو رواجبکم"۔ رجب ہیبت و عظمت کو کہتے ہیں۔ ترجیب عربی میں تعظیم کو بھی کہتے ہیں۔ رجب جنت میں موجود ایک نہر کا بھی نام ہے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد

سے زیادہ میٹھی ہے۔ مصباح الکفعمی میں ہے کہ لفظِ رجب مفرد ہے اور اس کی جمع ارجاب ہے جیسے سبب کی جمع اسباب۔ زمانہ جاہلیت میں رجب کو مضیرہ بھی کہتے تھے۔ کتاب تاریخ مکہ و مدینہ کے مطابق مکہ کے نزدیک رجب میں ایک بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ اس اجتماع کی وجہ سے مشرکین جنگ و جدال نہیں کرتے تھے۔

فریقین کی کتب تفاسیر وروائی میں رجب کو اشھر حرم کا چوتھا اور مفرد منفصل شھر حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ بذات خود تحقیق طلب ہے کیونکہ یہ اشھر حرم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اشھر حرم کا فلسفہ اجتماع حج کیلئے آنے' رہنے اور واپس گھروں تک پہنچنے کی ضمانت کی صورت میں ہے جبکہ تنہا یہ مہینہ اجتماع کیلئے اور آنے جانے کیلئے کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر اشھر حرم کی حرمت کی کوئی اور وجہ ہو تو اس صورت میں اس کو اشھر حرم میں قرار دیا جاسکتا ہے یا اگر یہ شھر صرف اہل مکہ کیلئے ہو اور دیگران کیلئے نہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے غرض اس مہینے کو شھر حرام قرار دینے کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے علماء و محققین کی عرق ریزی اور مزید تحقیق درکار ہے۔ بعض روایات کے تحت یہ مہینہ ائمہ کے نام سے منسوب ہے کیونکہ باقی مہینوں کی نسبت اس مہینے میں ولادت و شہادت ائمہ کثرت سے وقوع پذیر ہوئی ہیں' یا اگر کوئی اور وجہ ہو تو اسے اہل تحقیق ہی جان سکتے ہیں۔ غرض اس مہینے میں بہت سے مذہبی مناسبات موجود ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

یکم رجب المرجب: ولادت امام محمد باقر علیہ السلام۔

۳ رجب المرجب: شہادت علی الھادی علیہ السلام۔

۱۰ رجب المرجب: ولادت حضرت امام جواد علیہ السلام۔

۱۳ رجب المرجب: ولادت حضرت امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ ھجری: تاریخ شہادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہے۔

۱۵ رجب سنہ ۶۰ ھجری: وفات معاویہ ابن ابی سفیان۔

معاویہ بیس سال شام میں اسلامی خلافت کی طرف سے والی رہا لیکن جب خلافت علیؑ کی جانب منتقل ہوئی تو اس نے بیعت سے انکار کر دیا جسکے نتیجہ میں جنگ صفین ہوئی۔ علیؑ کے پورے دور خلافت میں یہ شخص مرکز اسلام سے متصادم رہا۔ سنہ ۴۰ ہجری میں علیؑ کی شہادت کے بعد سبط اکبر حسنؑ بن علیؑ خلیفہ مسلمین قرار پائے لیکن معاویہ نے آپکی خلافت کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بزور طاقت امام حسنؑ کو صلح پر مجبور کر کے خود اسلامی خلافت پر قابض ہو گیا۔ خلافت پر قابض ہونے کے بعد شرائط صلح پر عمل درآمد کرنے کے بجائے خود بقول معاویہ اس نے ان شرائط کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔

سب سے پہلا بُرا اقدام جو اس نے اپنے دور خلافت میں شروع کیا وہ سَب خلیفۂ مسلمین علی ابن ابی طالبؑ تھا۔ تمام منابر خطب جمعہ و عید میں علیؑ پر سب (برا بھلا کہنے) کو جزو خطبہ قرار دیا۔ اس طرح خلیفۂ مسلمین پر "سب" کرنے کا سلسلہ سب سے پہلے معاویہ ابن ابی سفیان نے شروع کیا۔ یہ سلسلہ عمر بن عبد العزیز کا بہتر دور آنے تک جاری رہا جو خلفائے بنی امیہ میں ایک صالح خلیفہ شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے بر سر اقتدار آنے کے بعد اس سلسلہ کو بند کر دیا۔ اب جو لوگ اس قسم کی حرکتوں کو جاری رکھنا چاہتے ہیں انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس تسلسل کو جاری رکھنا

درحقیقت سیرت معاویۃ ابن ابی سفیان ہے۔ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے اس عمل نامشروع کو رائج نہیں رکھا، بلکہ امیر المؤمنین علیؑ ابن ابیطالب نے تو اپنے دور خلافت میں ایسے عمل قبیح سے باقاعدہ منع فرمایا تھا۔

یہی کیا کم تھا کہ معاویہ نے امت مسلمہ پر ایک اور ظلم ڈھایا یعنی اپنی زندگی ہی میں اپنے ناخلف بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کر کے مسلمانوں کی گردن پر مسلط کر دیا۔

۱۵ رجب المرجب سنہ ۶۰ ھجری کو معاویۃ ابن ابو سفیان کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ چونکہ موت کے وقت اسکا بیٹا اور نامزد ولی عہد یزید موجود نہ تھا اس نے اپنے آخری لمحات میں اپنی تکفین و تدفین اور اپنے ولی عہد کیلئے بعد کے لائحہ عمل سے متعلق وصیت کیلئے ضحاک ابن قیس فہری سفاک خون آشام کو اپنے حضور میں طلب کیا اور یزید کے نام یہ پیغام لکھکر چھوڑا کہ ہم نے تمھارے لئے تمام راہیں ہموار کر دی ہیں، ساری زحمتیں اور تکلیفیں خود اپنے کاندھوں پر اٹھا کر تمام گردن کشانوں کو تمھارے لئے ذلیل و خوار کر دیا ہے، لیکن پھر بھی چند افراد سے تمھارے لئے احساس خطر رکھتا ہوں وہ شخصیات عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور ابی عبداللہ الحسینؑ ہیں۔ ان میں بھی زیادہ خطرہ اور بے چینی ابی عبداللہ الحسینؑ سے ہے۔ یہ کہکر معاویہ نے اپنی آنکھیں اس دنیا سے بند کر لیں۔

تاریخ اسلام میں اس شخص کے بارے میں حسن بصری نے اپنا یہ تاثر چھوڑا ہے کہ معاویۃ ابن ابی سفیان نے اپنی زندگی میں چار جرم ایسے کیئے کہ اگر ان میں سے صرف ایک بھی ہوتا تو اس کی بدنامی اور عاقبت کی خرابی کیلئے کافی تھا:۔

۱۔ بزور بازو امت پر مسلط ہونا۔

۲۔ زیاد ابن ابیہ کیلئے صریح سنت نبوی کے خلاف اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے اپنے برادر نسبی ہونے کا اعلان کرنا۔

۳۔ صحابی برجستہ رسول اللہ حجر ابن عدی کو مرج عذرا میں شہید کرنا۔

۴۔ اپنے شرابی اور جواری بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا۔

لیکن سب سے زیادہ بھیانک جرم یزید کی جانشینی ہے جسکے اثرات بد ہمیشہ محسوس کیئے جائیں گے۔

یزید جب اپنے باپ کی خبر وفات ملنے کے بعد دمشق آیا تو معاویہ کی تدفین ہو چکی تھی۔ ضحاک ابن فہری نے اس کے باپ کی وصیت اس تک پہنچائی۔ مسند خلافت پر قابض ہونے کے بعد یزید نے سب سے پہلے مدینہ کی طرف توجہ کی۔ معلوم نہیں یہ اس کی اپنی دیرینہ خواہش تھی یا باپ کی رمزی وصیت تھی۔ غرض اس سلسلہ میں یزید کا خط ۲۰ رجب المرجب سے پہلے، شام سے روانہ ہوا۔ ۲۶ یا ۲۷ تاریخ کو خبر وفات معاویہ مدینے میں اس حکم کے ساتھ پہنچی کہ حسینؑ ابن علیؑ سے یزید کی بیعت حاصل کی جائے۔ والئ مدینہ نے بہت غور و خوض کرنے کے بعد اس حکم نامے کو اپنی سیاست مداری سے عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی مگر حسینؑ سے بیعت لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حسینؑ ابن علیؑ کو ۲۸ رجب المرجب کو مدینہ منورہ ہمیشہ کیلئے چھوڑنا پڑا۔

۱۵ رجب: زیارت مخصوصہ قبر مطہر امام حسین علیہ السلام (زیارت ضمیمۂ رجب مفاتیح الجنان)

۲۲ رجب: ۲۲ رجب المرجب کو خطۂ پاک و ہند میں ایک خاص

انداز میں مٹھائی اور شیرینی اور مختلف النوع کھانے بنام نذرِ امام جعفر صادقؑ پکائے جاتے ہیں اور یہ نذر صبح سے شام تک چلتی ہے۔ اس کا بیرون خانہ لے جایا جانا ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ البتہ سابقہ دور کے مقابلہ میں اس میں کچھ ترامیم اور تبدیلیاں آئی ہیں۔ مثلاً

(۱) پہلے نمکین چیزیں نہیں ہوا کرتی تھیں اب وہ بھی رکھی جانے لگی ہیں۔

(۲) پہلے بائیس تاریخ مختص تھی اب پورے رجب میں اس نذر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۳) کھانا پکانے کے برتنوں کو ایک خاص انداز سے اسطرح صاف کیا جاتا تھا جیسے آج ہی کوئی آیہ طہارت نازل ہوئی ہو' اس روش میں بھی کچھ تغیر و تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔

اس نذر کی منطق بیان کرتے ہوئے کوئی کہتا ہے کہ چونکہ اس دن معاویہ کی موت واقع ہوئی تھی اس لئے اس کی خوشی مناتے ہیں جبکہ کسی بھی تاریخ میں معاویہ کی موت کا دن ۲۲ بائیس رجب نہیں ہے بلکہ ۱۵/ رجب ہے۔ عملاً بھی یہ بات ناممکن ہے کہ بائیس تاریخ کو وفات واقع ہوئی ہو اور چار دن میں یہ خبر شام سے مدینہ پہنچ جائے۔ اسکے علاوہ تاریخ بشریت میں کسی بھی قوم و ملت کے ہاں کسی شخص کی وفات کو خوشی کے طور پر منانے کی کوئی رسم نظر نہیں آتی۔ اگر اس میں حسن ہوتا تو معاویہ سے بھی بدتر شخصیات گزری ہیں' ان کی اموات کے دنوں کو بھی خوشی کے طور پر منانا چاہئے لیکن نہ تو اس سلسلے میں کوئی حدیث ملتی ہے' اور نہ ہی دنیا کے دیگر خطوں میں رہنے والے شیعہ اس عمل کو کرتے ہیں۔

اس روز خوشی منانے کی دوسری توجیہہ میں لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس روز آپ نے کسی سائل کی بذریعہ معجزہ حاجت روائی فرمائی تھی اور اس کی یاد میں یہ نذر منائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بارہ اماموں میں فقط امام جعفر صادقؑ ہی حاجت روا تھے' اور کسی امام نے کسی کی حاجت روائی نہیں فرمائی۔ فرض کیجئے اگر یہ داستان صحیح بھی ہے تب بھی یہ تو صرف اس انسان کیلئے خوشی کا دن ہونا چاہئے جس کی حاجت روائی ہوئی ہے نہ کہ ہر انسان کے لئے رہتی دنیا تک۔ اور اگر معجزہ ہونے کے دن کو اس طریقے سے منانا ضروری ہی ہے تو پیغمبرؐ کیلئے شق القمر کا دن کتنا بڑا معجزہ ہے۔ کیا اس سے بڑھکر بھی کوئی معجزہ ہو سکتا ہے؟ لیکن اس دن کو تو کوئی نہیں مناتا۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں لوگوں کو کھانا کھلانے' صلہ ارحام اور ایک دوسرے سے ملاقات کا موقع فراہم ہونے کی وجہ سے اس امر پر اشکال نہیں ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اس نوعیت کی نذر و نیاز دو اعتبار سے مصیبت اور زحمت کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ایک تو یہ کہ نذر کا اہتمام کرنے والوں کو پورا دن صبح سے شام تک گھر پر رہنا پڑتا ہے دوسرے ان کے رشتہ دار' عزیز و اقارب جو شہر کے مشرق و مغرب' شمال و جنوب میں لمبے' لمبے فاصلوں پر رہتے ہیں ان کی شرکت لازمی ہوتی ہے' ورنہ یہیں سے قطع رحمی شروع ہو جاتی ہے۔ جبکہ دین اسلام میں صلۂ ارحام آیات قرآنی اور اہلبیت سے مروی روایات و سیرت کے مطابق انسان کو سعادت سے قریب کرنے اور اس کی مشکلات کو دور کرنے

کا ذریعہ ہے۔

تیسری مشکل عرض کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہم نذر کے خلاف نہیں ہیں۔بندے کا اپنے معبود سے حصول رضائے الٰہی کی خاطر کسی نیک عمل کے انجام دینے یا مال و دولت خرچ کرنے کا معاہدہ کرنا چاہے مطلق ہو یا مقید آیات قرآنی' روایات معصومین وسیرت اہلبیت میں ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔فقہ اسلامی میں علماء اور فقہانے فقہ کے ایک باب کو"باب نذر" قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ نذر کرنے کے بعد اس کی مخالفت پر کفارہ معین ہے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ۲۲/ رجب کو اس انتہائی شدومد سے کئے جانے والے عمل کیلئے ایک ضعیف سی سند بھی موجود نہیں ہے۔

۲۲/رجب کی اس نذر کیلئے بالا سبب انتہائی سخت شرائط وضع کی گئی ہیں اوران کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں کوئی صریح وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے دیگر مسلمان بھائیوں کے ذہن میں یہبات آتی ہے کہ یہ نذر بھی دور جاہلیت کی مانند ہے جو مشرکین بتوں کو خوش کرنے کیلئے کیا کرتے تھے۔ہمارے برادران اہلسنت اپنے اہل تشیع بھائیوں کی شادیوں میں شرکت کرتے ہیں' ایک دوسرے کے گھروں میں آتے جاتے ہیں کھاتے پیتے ہیں لیکن نذر کھانے کو حرام گردانتے ہیں۔ ہم برادران اہل سنت کے علماء ودانشوروں سے بھی کہیں گے کہ کسی قسم کی رائے قائم کرنے سے پہلے انہیں حق وانصاف کے ساتھ آنکھ کھول کر ہماری کتب فقہ میں باب النذّر کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس مذہب کے احکامِ اسلامی بیان کرنے والے علماء سے رجوع کرنا چاہئے۔ ہم اسلامی فرقوں میں سے کسی بھی فرقے پر طنز' اعتراض یا اشکال سے گریز کرتے ہیں' البتہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بڑا بنا کر پیش کرنے کے خلاف ہیں' اور اس سلسلے میں اپنا دفاع کرنا واجب سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی یہ کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ توحید پرستی نظری اور عملی دونوں میں شیعیت کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔ کیا نہج البلاغہ میں موجود خطبۂ توحید' دعائے ابوحمزہ ثمالی اور دعائے کمیل کے فقرے جو رنگ توحید اور بوئے توحید سے مجالس کو معطر کرتے ہیں' توحید پرستی کی واضح دلیل نہیں ہیں؟۔

۲۵رجب: شہادت حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام ہے۔

۲۶رجب: وفات حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہے۔

۲۷رجب: یوم بعثت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۲۸رجب: امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے روزِ خروج ہے۔

شعبان :۔

تقویم اسلامی میں شعبان قمری سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔ شعبان بروزن مفلان مادّہ شعب سے لیا گیا ہے۔ شعب جمع کرنے کو بھی کہتے ہیں اور متفرق کرنے کو بھی۔ اصلاح کو بھی کہتے ہیں اور افساد کو بھی علاوہ ازیں شعب تقسیم کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ مرسلات آیت ۳۰ میں آیا ہے :"انطلقوا الی ظل ذی ثلث شعب۔"۔"تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو"۔سورۂ حجرات آیت ۱۳ میں یہ لفظ اقتران کے معنوں میں آیا ہے :" یا ایھاالناس اناخلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا"۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ ماہ رجب میں اہل مکہ ایک بڑا اجتماع کیا کرتے تھے اور یوں جنگ وجدال سے گریز کرتے تھے

یعنی دور جاہلیت میں بھی ماہ رجب کو محترم گردانا جاتا تھا' لوگ اس مہینہ میں گھروں میں رہتے تھے اور اس کے ختم ہوتے ہی یعنی ماہ شعبان میں متفرق و منتشر ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے اس مہینے کو شعبان کہتے ہیں۔

یہ مہینہ رسول اللہ سے منسوب ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میرا مہینہ ہے۔ اس انتساب کی وجہ تو اہل عرفان و معرفت ہی بہتر جانتے ہونگے۔ ہمیں اس کی توجیہ میں کوئی بات نظر نہیں آئی سوائے اس کے کہ چونکہ اگلا مہینہ ماہ رمضان ہے جو شہر اللہ ہے جس میں بندگان خدا مہمان خدا ہونگے اور چونکہ اس مہمانی میں بلانے والے رسول اللہ ہیں' آپؐ ہی نے ہمیں مہمان بننے کے آداب سے آگاہ کیا ہے اسلئے یہ مہینہ رسول اللہ سے منسوب ہے۔ گویا یہ مہینہ رمضان کی تیاری کا مہینہ ہے۔

اس مہینے میں بہت سے مذہبی مناسبات و واقعات موجود ہیں لیکن ان میں سے ایک اہم دن اس مہینے کی پندرھویں تاریخ یعنی نیمہ شعبان ہے۔ اس دن زیارت امام حسینؑ کی خاص تاکید ہے نیمہ شعبان میں قبر امام حسینؑ پر اپنے آپکو پہنچانے' زیارت کرنے اور دعائیں کرنے کے بارے میں کثیر روایات موجود ہیں۔ جبکہ یہ امام زمانؑ کی ولادت باسعادت کا دن بھی ہے۔ اس دن کا بذات خود اہمیت و فضیلت کا حامل ہونا اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اس دن کو شب قدر گردانا آیات قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ سورۂ قدر میں قرآن کے نزول سے متعلق موجود آیات کی رو سے شب قدر رمضان میں ہے' لہٰذا ۱۵ شعبان شب قدر نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ایک قیمتی شب ضرور ہے جس میں کثرت دعا' زیارت امام حسینؑ اور یاد امام زمانؑ کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن صد افسوس کہ ہم اسکے بجائے خرافات' فرسودہ اور غیر عقلی و غیر شرعی چیزوں میں خود کو مصروف رکھتے ہیں۔ مثلاً اس کو شب برأت کہنا یا عریضہ ڈالنا' یہ سب آئمہ کو نہ پہچاننے اور اپنے آپ کو عقل و منطق سے دور دکھانے اور مذہب کو فرسودہ دکھانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ہمارے یہاں جو اس کو شب برأت کہتے ہیں اس کی ہمیں کوئی سند نہیں ملتی ہے اور یہ جو عریضہ دریا میں ڈالنے کا رواج ہے اس بارے میں بھی نہ کوئی سند ہے' نہ روایات میں ہے اور نہ ہی عقلاً اس کی کوئی منطق ہے۔ اس کے علاوہ بھی چند مناسبتیں اس مہینے میں موجود ہیں مثلاً :۔

۳ شعبان (۳/ ھجری) :۔ تاریخ ولادت با سعادت امام حسین علیہ السلام ہے۔

۳ شعبان (۶۰ ھجری) :اس روز حضرت امام حسینؑ مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچے۔

۵ شعبان (۳۸ ھجری) : تاریخ ولادت باسعادت حضرت امام سجاد علیہ السلام ہے۔

۱۱ شعبان :ولادت حضرت علی اکبرؑ۔ (فرزند امام حسینؑ)

۱۵ شعبان :روز ولادت باسعادت حضرت حجۃ ابن الحسن المہدی عجل اللہ فرجہ شریف ہے جیسا کہ اوپر بھی بیان ہوا۔

۱۵ شعبان :روز تحویلِ قبلہ ہے۔ یعنی اس روز مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبۃ الحرام کی جانب منتقل ہوا۔ یوں یہ استقلالِ قبلۂ مسلمین کا بھی دن ہے۔

شعبان کا آخری جمعہ :اس مہینے کے آخری جمعہ کو رسول اللہؐ نے

اپنے خطبہ میں ماہ رمضان کی آمد اور اسکی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

رمضان :۔

رمضان تقویم اسلامی کے قمری سال کا نواں مہینہ ہے۔ علمائے لغت فرماتے ہیں رمضان مادّہ رمضی سے لیا گیا ہے۔ رمض گرم پتھر کو کہتے ہیں جہاں گرمی سے پاؤں جل جائیں۔ بعض نے رمض کو مضمار کے معنوں میں لیا ہے کیونکہ مہینوں کی اسم گزاری کے موقع پر اس مہینہ میں سخت گرمی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام رمضان رکھا گیا تھا۔

بعض علماء نے رمضان کو اسمائے حسنہ الٰہی میں سے قرار دیا ہے۔ لہٰذا معصوم فرماتے ہیں یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا۔ بلکہ لفظ ماہ ساتھ لگا کر کہا کرو کہ ماہ رمضان آیا۔ قمری مہینوں میں تنہا رمضان وہ مہینہ ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس کو شہر اللہ کہا گیا ہے۔ رمضان کی شرافت و فضیلت کیلئے یہی کافی ہے کہ اسے اللہ نے اپنا مہینہ قرار دیا۔ اس مہینے کی فضیلت کی وجہ سے جتنی دعائیں پڑھنے کی سفارش اس مہینے میں کی گئی ہے کسی دوسرے مہینے میں نہیں کی گئی۔ اس مہینے میں بہت سے ایسے واقعات وقوع پزیر ہوئے جن کی وجہ سے اس مہینے کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہوا۔ مثلاً :

(۱) ۳ رمضان المبارک کو حسب تفسیر البیان صحف ابراہیم اور توراۃ نازل ہوئی۔

(۲) ۱۳ رمضان کو نزول زبور ہوا۔

(۳) ۱۵ رمضان المبارک کو میلاد باسعادت امام حسنؑ ہے۔

(۴) ۱۷ رمضان کو مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان پہلی جنگ ہوئی جسے تاریخ میں جنگ بدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں قلیل ہونے کے باوجود خدا نے مسلمانوں کو فتح و کامیابی سے سرخرو فرما کر واپس بھیجا۔ لہٰذا قرآن نے اس دن کو یوم فرقان کہا ہے۔

(۵) ۱۹ رمضان المبارک کو مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ کے سر پر ضربت لگی۔

(۶) ۲۰ رمضان کو حضرت یوشع بن نون وصیٔ موسیٰؑ شہید ہوئے۔

(۷) ۲۰ رمضان کو حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۸) ۲۰ رمضان کو بعض روایات کے مطابق پیغمبر اکرمؐ معراج پر تشریف لے گئے۔

(۹) ۲۰ رمضان ۶ ہجری کو فتح مکہ ہوا۔

(۱۰) ۲۱ رمضان یوم شہادت امیر المومنینؑ ہے۔

(۱۱) ۲۱ اور ۲۳ رمضان المبارک کی راتیں اہل تشیع کے نزدیک اہلبیتؑ سے وارد روایتوں کے مطابق شب ہائے قدر ہیں۔ یعنی شب ہائے نزول قرآن کریم ہیں۔ برادران اہل سنت کے نزدیک شب قدر ۲۷ رمضان المبارک ہے۔

دونوں فرقوں کے نزدیک شبہائے قدر کی اہمیت و فضیلت نزول قرآن کریم کی وجہ سے ہے اور دوسری فضیلت نزول ملائکہ کی ہے۔ سورۂ انا انزلنا کے تحت نزول ملائکہ کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ کیونکہ یہاں صیغۂ مضارع استعمال ہوا ہے۔

خواہ شب قدر ۲۱ اور ۲۳ کو منایئے یا ۲۷ کو ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن جسطرح دیگر مہینوں میں جب کوئی دن کسی ہستی یا شخصیت سے منسوب ہوتا ہے' اس دن کو مناتے وقت اس شخصیت

کی حیات و سیرت کے علاوہ گفتگو کو ناموزوں اور بے موضوع سمجھا جاتا ہے' اسی طرح نزول قرآن کے دن بھی قرآن کی عظمت و بزرگی اور مسلمانوں کے قرآن کے ساتھ رشتہ کی صورت سے متعلق ہی گفتگو ہونا چاہئے۔ مگر افسوس شب قدر منانے کے سلسلے میں دونوں فرقے جمود کا شکار ہیں' دونوں کے ہاں روایتی طریقے پر اصرار ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی مناسب اور سزاوار پروگرام کیلئے آمادہ نہیں۔

ملک کے گوشہ و کنار میں اس رات اہل تشیع کسی مولانا کی گردن پکڑ کر قضا نمازیں پڑھواتے ہیں جیسے یہ رات نماز قضا پڑھنے کی رات ہو جبکہ اس رات کو نماز قضا کیلئے مختص کرنے کا ذکر کسی بھی روایت میں نہیں آیا ہے۔ اسی طرح برادران اہل سنت اس رات میں لمبی لمبی سورتیں پڑھ کر نماز کی حالت میں ختم القرآن کرتے ہیں۔

اگر چہ نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنا اور ۱۰۰ رکعت نماز قضا پڑھنا ناجائز نہیں بلکہ یہ چیزیں مستحب ہیں۔ لیکن صرف اسی عمل کو شب قدر میں بجالانا کسی طور مناسب نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ علمائے کرام ہر شخص کی صلاحیت و اہلیت اور وقت کی ضرورت و اہمیت کو پیش نظر رکھکر پروگرام ترتیب دیں۔ مثلاً ادائیگی نماز کے علاوہ مقابلۂ حسن قرات منعقد کریں' عظمت قرآن کے بارے میں سیمنار منعقد کرائیں' دعاؤں کی فضیلت و لذت کے متعلق گفتگو کریں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان راتوں کی اصل روح مفقود ہو کر رہ گئی ہے اور محدود افراد ہی ان میں مسجدوں کا رخ کرتے ہیں۔ نسل نوان پروگراموں سے گریز ہی کرتی نظر آ رہی ہے۔

شوال :۔

تقویم اسلامی کا دسواں مہینہ شوال ہے۔ اس مہینے کو شوال کہنے کی توجیہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت اس مہینہ کی نام گزاری کی گئی اس زمانے میں سخت گرمی کی وجہ سے جنسی ہیجان پیدا ہو جاتا تھا اور اونٹ اپنا پاؤں اور دم شدت شہوت سے اوپر اٹھاتے تھے۔ اسی ہیجان کی وجہ سے عرب اس مہینے میں شادی کو کراہت سمجھتے تھے۔

مجمع البحرین میں پیغمبرؐ سے روایت نقل ہے کہ اس مہینے کو شوال اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آمد رمضان کی برکت سے مومنین کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔

یکم شوال مسلمانوں کیلئے عید کا دن ہے۔

یہ مہینہ حسب آیت قرآن اور باتفاق علماء مسلمین اشہر حج میں شامل ہے۔ اشہر حج کو قرآن نے اشہر معلومات کہا ہے یعنی اشہر معلومات کو اگر اشہر حج سے مربوط کرینگے تو شوال کو بھی اشہر حرم ماننا پڑے گا۔ اگر ایسا نہیں تو معلومات کہنے کی مناسب توجیہہ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

اس مہینے میں شہد کی مکھی پر وحی نازل ہوئی کہ وہ اپنا چھتہ بنائے۔

اس مہینے کے چند اہم واقعات درج ذیل ہیں۔

(۱) یکم شوال : عید الفطر ہے۔

(۲) ۸ شوال یوم انہدام جنت البقیع ہے۔

(۳) ۱۲یا ۱۷ شوال کو جنگ احد واقع ہوئی۔

(۴) ۲۵ شوال ۱۴۸ ہجری یوم شہادت امام جعفر صادقؑ ہے۔

(۵) شوال کی آخری تاریخ کو خدا نے قوم عاد کو ہلاک کیا۔

ذی القعدہ

تقویم اسلامی میں قمری مہینوں کا گیارہواں مہینہ ہے۔

اس مہینے کو ذیقعدہ کہنے کی توجیہ یوں ہے کہ ذی کے معنی ہیں صاحب اور لفظِ قعدہ قعود سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں بیٹھے رہنا چونکہ یہ مہینہ اشہر حرم میں سے ہے اس لئے اس مہینے میں جنگ وجدال اور قتل وغارت گری کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان ایام میں عرب اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے کیونکہ باہر نکلنے کی صورت میں یہ احتمال رہتا تھا کہ کہیں موقع اور حالات کیوجہ سے جنگ وغارت گری کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ اس مہینہ کے کچھ اہم واقعات یہ ہیں :۔

(۱) اسی مہینے کی یکم تاریخ سے ۱۰ ذوالحجہ تک حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر اعتکاف میں بیٹھے۔

(۲) اس مہینے کی ۵ تاریخ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی۔

(۳) ۲۳ تاریخ بنابر قول شہادت امام رضاؑ ہے۔

(۴) ۲۵ تاریخ بنابر قول دحوالارض ہے۔ یعنی زمین کو کعبہ کے نیچے سے پھیلایا یا کھینچا گیا۔

ذی الحجہ

ذی الحجہ قمری مہینوں کا بارھواں اور آخری مہینہ ہے۔ اس مہینے کو حج کی مناسبت سے ذی الحجہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں حج خانۂ کعبہ ہوتا ہے۔ سابق زمانے میں آغاز سال اور اختتام سال حج بیت اللہ سے ہوا کرتا تھا جس سے حج کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے پہلے حج کس مہینے میں اور کس شکل و صورت میں ہوتا تھا اس کے بارے میں معلوم نہیں۔ البتہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے مناسک حج قمری مہینے کے حوالے ہی سے ادا ہوتے آئے ہیں۔ لہٰذا یہ مہینہ حج کی مناسبت سے معروف ہوا۔

اس مہینہ میں وقوع پذیر ہونے والے کچھ اہم واقعات :۔

(۱) اس مہینے کی تین تاریخ کو حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی۔

(۲) اس مہینہ کی ۴ تاریخ روز شہادت امام جوادؑ ہے۔

(۳) اس مہینے کی ۷ تاریخ روزوفات حضرت امام باقرؑ ہے اور حضرت موسیٰؑ کی ساحر پر فتح کا دن بھی ہے۔

(۴) اس مہینے کی ۸ تاریخ یوم ترویہ ہے۔ اور حجاج کے عرفات جانے کا دن ہے۔

(۵) ۹ تاریخ حسب تعبیر قرآن یوم عرفات اور یوم الحج اکبر ہے۔ (ازروئے قرآن سورۂ برأت آیت ۳ وقوف عرفہ اور ۱۰/ ذی الحجہ حج اکبر ہے۔) ایسا نہیں کہ اگر یہ تاریخ جمعہ کے دن پڑے تو ہی حج اکبر ہوگا۔ یہ دراصل عمرہ کے مقابل ہے جسے حج اصغر کہتے ہیں۔

(۶) ۹/ ذی الحجہ سنہ ۶۰ ھ کو حضرت مسلم بن عقیل کو ابن زیاد نے شہید کیا۔

(۷) ۱۰ تاریخ حج اکبر کا دن ہے۔ اس دن قربانی کیلئے جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے عید الاضحیٰ کہتے ہیں۔ اضحیٰ قربانی کرنے کیلئے ہے۔ یہ دن عیدِ عظیم کے نام سے بھی معروف ہے۔

اس دن سرزمین منیٰ کے علاوہ دنیا بھر میں مسلمان اپنے گھروں میں بھی حیوانات ذبح کرتے ہیں۔ یہ قربانی نمونہ

اور مثل ہے اس گوسفند کی جو حضرت اسماعیلؑ کے بدلے خدا کی طرف سے آیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں ذبح ہوا۔ اس واقعہ کی یاد میں ہر سال تسلسل سے اور اتنی زیادہ تعداد میں تا قیامِ قیامت اس قربانی کے جاری رہنے کے سبب، خدا نے اسے ذبح عظیم سے تعبیر کیا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ذبح عظیم سے مراد امام حسینؑ ہیں اس بارے میں انشاء اللہ ہم قرآن اور امام حسینؑ کے موضوع کی ذیل میں گفتگو کریں گے تاہم ضمناً عرض ہے کہ یہ دراصل سورۂ صافات کی آیت ۱۰۷ کی تاویل ہے تفسیر نہیں۔

(۸) ۱۸ تاریخ کو پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب و یاران کے درمیان اخوات و برادری قائم کی۔

(۹) اٹھارہ ذی الحج سنہ ۱۰ ہجری کو حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی پر وادی غدیر خم پہنچے جو مکہ سے واپسی کے راستہ پر ایسے مقام پر واقع ہے کہ جہاں سے مختلف علاقوں سے آنے والے حاجی اپنے اپنے علاقوں کی طرف جدا ہوا کرتے تھے۔ حسب نقل تفاسیر نزول آیۂ مبارکہ "بلغ" پیغمبر اکرم نے تمام حجاج کرام کو اس جگہ پر توقف کا حکم دیا اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنی وفات و رحلت کے بعد خدا کی طرف سے اپنی جانشینی کیلئے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے نام کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد دوسری آیتِ تکمیل دین نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں آج کے دن کفار کا مایوس ہونا، دین کی تکمیل ہونا، نعمت کا تمام ہونا اور دین اسلام کے پسند خدا ہونے کا ذکر ہے۔ یہ چاروں کلمات بیک وقت ایک ہی آیت میں آنا اس دن کی عظمت کے بارے میں کھلا اعلان ہے۔ پھر بھلا سال بھر میں اس سے اہم اور کون سا دن ہوگا کہ یہ وہ دن ہے جب یہ چار نعمتیں مسلمانوں کیلئے وقوع پذیر ہوئیں۔

تعصب اور لجاجت سے گریز کرتے ہوئے فرقہ واریت اور فرقہ پرستی سے ہٹ کر ہم یہ عرض کرینگے کہ اسلامی تاریخ میں یہ ایک ایسا دن ہے جسمیں یہ چار عظیم نعمتیں مسلمانوں کو بیک وقت عطا ہوئیں۔ لہٰذا یہ دن ہر لحاظ سے بطور عید منائے جانے کا سزاوار ہے۔

۱۸ ذی الحجہ وہ عظیم تاریخ ہے کہ فرض کیجئے اگر اس روز اعلانِ ولایت حضرت امیر المؤمنینؑ نہ بھی ہوا ہو پھر بھی ایک ایسے بڑے دن کی تشخیص ہونے کے بعد، اس دن کو زندہ رکھنا اور یاد رکھنا ضروری ہے۔ اہل تشیع کے علماء نے سینکڑوں کتابیں برادران اہل سنت کی کتب اور مولفین علمائے اسلام کے مصادر سے نقل کرتے ہوئے تالیف کی ہیں کہ اس دن پیغمبر اکرمؐ نے حکم خدا سے علیؑ ابن ابی طالب کو منصب خلافت پر نصب کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آیت اللہ عبدالحسین امینی نے بیس جلدوں پر مشتمل "الغدیر" نامی کتاب تالیف کی جسکی گیارہ جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔ اس کتاب میں شامل تمام روایات برادران اہل سنت کی کتب سے نقل کی گئی ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے خطبے کے اس حکم پر عمل نہ ہوا۔ بہت سے لوگوں نے پیغمبر کے جملہ "من کنت مولیٰ" اور "اولیٰ بالتصرف" کو حکومت و خلافت

کے بجائے محبت سے تعبیر کیا اور یہ مطلب لیا کہ علیؑ سے اور 'میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو۔ اہل تشیع نے اس تفسیر سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اسکو ایک تفسیر عنادی قرار دیا۔ لہٰذا سیکڑوں جلدیں' لاکھوں صفحات اس تفسیر کی رد میں تحریر کیں اور ثابت کیا کہ "من کنت مولا " سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے' حکومت ہے' خلافت ہے۔
لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اہل تشیع نے بھی عملی زندگی میں اس تفسیر کی دل کی گہرائیوں کے ساتھ پذیرائی نہیں کی۔ آج بھی چند اشعار انشا کرنے 'نعرہ حیدری لگانے 'نیاز دینے اور کیک کاٹنے کو "من کنت مولی" کے مصداق گردانا جاتا ہے۔ الغرض اس فرمان رسول پر عمل نہیں ہوا اور علیؑ کو اس منصب سے دور کیا گیا۔ لیکن نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ نے اور امام حسینؑ نے اہل بصرہ کے نام اپنے خط میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ ہم نے اسلام و مسلمین کی خاطر اس محرومیت کو برداشت کیا ہے اور اپنے دکھ اور مصیبت سے اسلام و مسلمین کی بقاء کو خریدا ہے۔ تاہم اہل بیت اطہارؑ نے اس تاریخ کو وقتاً فوقتاً مناسب مواقع پر خود بھی زندہ رکھا اور دوسروں کو بھی اسے زندہ رکھنے کا حکم دیا۔
افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض افراد نے ائمہ اطہارؑ کے اس دن کو زندہ رکھنے کے طریقہ کو نہ سمجھا' نہ پوچھا' نہ سنا اور فقط ہوا و ہوس اور اپنی معاشرتی یا دیگر وجوہات کی بنیاد پر اس کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ بعض نے اسے غلط طریقہ سے زندہ رکھنے کی سفارش کی۔ یہ کہا کہ اس دن گناہ معاف ہو جاتے ہیں' گناہ لکھے نہیں جاتے۔ اور بعض نے شعر و شاعری' کہانی اور داستان گوئی پر اکتفا کیا جبکہ آئمہؑ کے مقصود کو زندہ رکھنے کا مفہوم دراصل نظام امامت کو زندہ رکھنا تھا نہ کہ قصے کہانیوں کو۔ ممکن ہے آجکل اس دن کو خوشی کے انداز میں منانے کی مثال یوں ہو کہ ایک شخص کو سالہا سال کے بعد بڑی امیدوں اور آرزؤں کے ساتھ ایک بیٹا نصیب ہو جو بدقسمتی سے کچھ عرصہ بعد مفلوج ہو کر صاحب فراش ہو گیا ہو۔ اس حالت میں اسکے چاہنے والے گلدستہ اور شیرینی لیکر اس کے گھر جائیں اور سالگرہ کی مبارکباد پیش کریں۔
آئمہ نے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جسے شیخ صدوق نے علل الشرائع میں اس طرح نقل کیا ہے "آیا عاشورا کے بعد بھی ہمارے لئے کوئی عید ہے ؟"۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ۱۸ ذی الحجہ کے روز رواج اور نظام کے بارے میں بات کریں اس سے متعلق روایات و آیات نشر کریں۔ ہمیں چاہئے کہ منطق اور دلیل سے ارشادات رسولؐ کی روشنی میں ولایت امیر المومنینؑ کو ثابت کریں نہ کہ کہانی قصوں اور داستانوں سے۔

(۱۰) ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ کو حضرت عثمان کا قتل ہوا: "حولہ التاریخیہ خلافۃ الراشدین" تالیف ڈاکٹر محمد سید وکیل صفحہ ۴۰۱ میں نقل ہے کہ مصر و عراق سے کچھ لوگ خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کے پاس مروان اور ولید ابن عقبہ کے ظلم و جنایت کی شکایت لیکر آئے تاکہ انکی شکایات کا ازلہ ہو سکے لیکن بات بن نہ سکی اور ان لوگوں نے ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ کو خلیفہ کو انکے گھر میں قتل کر دیا۔

نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر حضرت علیؑ نے اس قتل کے مقدمات وواقعات اور اسکے عواقب ونتائج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو اس قتل سے بچانے کی اپنی کوششوں کا ذکر اور خود کو اس سے بری الذمہ ہونے اور اس کی تمام تر ذمہ داری مروان، ولید اور معاویہ پر عائد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: خطبہ ۳، ۱۵، ۲۲، ۳۰، ۷۵، ۱۶۴، ۱۶۷۸، ۱۷۴، ۲۴۰، ۱

مکتوب ۱، ۱۰، ۲۸، ۷، ۳، ۵۴، ۵۸، ۶۴، ۹۵،

(۱۱) ۲۵ ذی الحجہ سنہ ۳۵ ھ یعنی حضرت عثمان کے قتل ہونے کے سات دن بعد انصار ومہاجرین کے اصرار وتاکید حتی کہ بعض اہل تاریخ کے مطابق تہدید کے بعد حضرت علیؑ نے منصب خلافت کو قبول کیا۔ چنانچہ اس قبولیتِ خلافت میں اپنی عدمِ دلچسپی اور امت کے اصرار کا ذکر بھی نہج البلاغہ کے محولہ بالا خطبات و مکتوبات میں ملے گا۔

(۱۲) ۲۱ تاریخ کو سورہ توبہ نازل ہوی۔

(۱۳) ۲۱ تاریخ کو علیؑ نے حالت نماز میں انگشتری سائل کو دی۔

(۱۴) ۲۵ تاریخ کو سورۂ ھل عطانازل ہوئی۔

ایام ہفتہ

انسانی زندگی میں وقت کی اکائی (موجودہ الیکٹرونک دور سے پہلے) سیکنڈ ہے جسے عربی میں "طرفة العین" کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد منٹ ہے جسکا عام لوگ شمار نہیں کرتے اور یہ بے شماری میں گزر جاتا ہے لیکن ہوشمند انسان جو وقت کا دقت سے حساب کرتے ہیں وہ منٹوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ عام طور پر لوگ اپنا حساب گھنٹوں سے شروع کرتے ہیں اور دن اور ہفتہ انکے کام اور عمل کا زمان ہے۔ اسکے بعد انہی دنوں اور ہفتوں کی تکرار ہوتی ہے۔ لہٰذا ہفتہ انسانی زندگی کے تسلسل عمل کا زمان ہے مختلف اقوام وملل نے اپنی فکر و آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہفتہ میں آنے والے دنوں کی نام گزاری کی ہے اور کام کرنے اور استراحت کے دنوں کو اپنے فکر ومذہب سے ہم آہنگ رکھا ہے۔ ہم پہلے دیگر اقوام وملل کے نزدیک ایام ہفتہ کے تصور کا ذکر کریں گے اور پھر اسلامی تصور کا اس سے موازنہ پیش کرینگے۔ اس کے بعد یہ دیکھیں گے کہ ہم مسلمان اس وقت کس تصور پر قائم ہیں ملاحظہ کریں:۔

قدیم زمانہ میں آپس کے وعدے وعید، قرار دادوں اور اتفاقیات کے تعین کیلئے دن چھوٹے پڑتے تھے اور مہینہ بہت لمبا پڑتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے دن اور مہینہ کے درمیان ایک ایسی مدت کی ضرورت محسوس کی جو مہینے سے کم اور دن سے زیادہ ہو۔ مختلف فکر، سوچ اور علاقائی تقاضوں کی بنیاد پر یہ مدت افریقہ میں چار (۴) دن قرار پائی۔ یہ مدت مشرق وسطیٰ میں پانچ (۵) دن، روما میں نو (۹) دن، عاشورین کے ہاں چھ (۶) دن، مصرین کے ہاں دس (۱۰) دن اور انقلاب سے پہلے فرانس میں دس (۱۰) دن تھی۔ دورِ جاہلیت میں قدیم عربوں نے بھی مہینے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ یعنی تین رات کیلئے انہوں نے ایک نام رکھا تھا جیسے۔ غرر، ثمر، دُرّر، قمر، بیض، درع، ظلم اور مُحق۔ لیکن عرب بابلین نے اس کو سات کی طرف برگشت کیا۔ انہوں نے مہینے اور یوم کی درمیانی مدت کو سات دن قرار دے کر اس کا نام اسبوع رکھا۔ عبرانی میں اسکا نام شابوع ہے۔ اس طرح سات دن کا تصور بابلین کی ایجاد ہے جسے بعد میں عبرانیوں نے اور سریانیوں نے فروغ دیا۔ وہ

اپنے تمام معاملات اسبوع کی بنیاد پر ترتیب دیتے تھے۔وہاں سے یہ فکر یہودو نصاریٰ میں، پھر عرب میں اور پھر مسلمانوں میں آئی۔ اسبوع جسے انگریزی میں (WEEK) کہتے ہیں اس کا آغاز سبت سے ہوا جو قدیم لاطینی میں Shabat لکھا جاتا تھا جسے اردو میں ہفتہ یا سنیچر کہتے ہیں۔

هفته / سنیچر :۔

ہفتہ کو انگریزی میں Saturday اور اردو میں سنیچر کہتے ہیں یہ ایک دیوتا Saturn سے ماخوذ ہے۔ اس دن یہ دیوتا اپنے ہی بچوں کو کھا جاتا تھا۔ لاطینی میں Shabat اور عربی میں سبت قطع کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ سورۂ نباء کی آیت (۹) میں کام چھوڑ کر سونے کو سبت کہا گیا ہے۔

کتاب صحاح آلغت میں سبت آرام اور نیند کو کہا گیا ہے۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۰۹ اور ۲۲۲ میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

”وجعلنا نومکم سباتاً“

”اور نیند کو ہم نے تمہارے لئے سکون کا باعث قرار دیا“

خطبہ نمبر ۲۲۲ میں فرمایا سباتِ عقل سے پناہ مانگتا ہوں۔ جب عقل سوتی ہے تو غفلت آجاتی ہے۔

لفظ سبت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں بھی آیا ہے :

سورۂ نساء آیت ۱۵۴ :”لاتعدوا فی السّبت“

”ہفتہ کے روز تجاوز نہ کرو۔“

سورۂ النساء آیت ۴۷ :”کما لعنااصحاب السبت“

”جیسا کہ ہم نے اصحاب سبت کو دور کر دیا تھا۔“

سورۂ الاعراف آیت ۱۶۳ :”اذیعدون فی السبت اذ تاتیھم حیتا نھم یوم سبتھم شرعا ویوم لا یسبتون لا تاتیھم“

”(اور انہیں وہ وقت یاد دلاؤ جب) وہ ہفتہ کے دن (خدا کے قانون کے خلاف) طغیان و سرکشی کرتے تھے۔ جسوقت ان کی مچھلیاں ہفتہ کے روز ظاہر ہوتی تھیں۔ (جوانکی چھٹی کا دن تھا) اسکے علاوہ دوسرے روز وہ ان کے پاس نہیں آتی تھیں۔“

سورۂ نحل آیت ۱۲۴ :”انما جعل السبت علی الذین اختلوا فیہ“

”ہفتہ کا روز (جس میں یہودیوں پر کچھ چیزیں حرام تھیں) سزا کے طور پر تھا کہ اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔“

تین جگھوں پر یعنی سورۂ نساء، اعراف اور نحل میں سبت کا ذکر یہودیوں کے حرمت خدا پر تجاوز کی مناسبت سے آیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا عبرانی زبان میں سبت کو Shabat کہتے ہیں۔ یہودیوم سبت کو مقدس گردانتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں بنایا ہے یعنی اتوار سے شروع کیا اور جمعے کو ختم کیا پھر ہفتے کو آرام کیا۔ اس حوالے سے یہود ہفتے کو چھٹی مناتے تھے۔ یہ محض ان کی خام خیالی اور افسانہ سازی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل نہ یہ دن تھے اور نہ ہی سورۂ اعراف آیت ۵۴ اور درج ذیل دیگر آیات قرآنی میں مذکور یوم سے مراد وہ یوم ہے جو آج رائج ہے اور جسکی تعریف یہ ہے کہ زمین اپنے محور کے گرد جب ایک چکر مکمل کرتی

ہے تو ایک یوم بنتا ہے۔

"ان اللہ ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یغشی الیل والنہار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرت بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین"

سورۂ حدید آیت ۴ :۔

"ھوالذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش۔"

سورۂ ق آیت ۳۸ :۔

"ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام ومامسنا من لغوب۔"

سورۂ یونس آیت ۳ :۔

"ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر مامن شفیع الا من بعد اذنہ۔"

سورۂ ھود آیت ۷ :۔

"وھوالذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملا ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا سحرمبین۔"

سورۂ فرقان آیت ۵۹ :۔

"الذی خلق السموات والارض ومابینھما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش الرحمن فسئل بہ خبیرا۔"

سورۂ سجدہ آیت ۴ :۔

"اللہ الذی خلق السموات والاض وما بینھما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش ما لکم من دونہ من ولی ولا شفیع۔"

یوم نزول قرآن کے حوالے سے مجلّہ اعتقاد کے دوسرے شمارے میں لفظ یوم کے مختلف مصداق کا ذکر کرتے ہوئے ہم نے یہ بات واضح کی تھی کہ مذکورہ آیات میں یوم سے مراد چھ مرحلے ہیں نہ کہ مروجہ چھ دن، جیسا کہ یہودی خیال کرتے ہیں۔ یہود یوم سبت کو مقدس سمجھتے تھے لیکن جب اللہ نے اس دن مچھلی کے شکار سے منع کیا تو انہوں نے حیلہ بہانے سے کام لیتے ہوئے اس پابندی کو توڑا۔ ہمارے درمیان بھی بعض حضرات ایسی حرکتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ شاید یہ لوگ ان یہودیوں کے نظریئے پر چلتے ہوں گے جو حیلہ کر کے ہفتے کے دن مچھلیاں جمع کرتے تھے اور اتوار کے دن پکڑتے تھے۔ قرآن مجید کے سورۂ النساء آیت ۴۷، بقرہ ۶۵، نحل ۱۱۸، ۱۲۴اور اعراف ۱۶۳ میں اس واقعے کا مختلف زاویوں سے ذکر آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صریحاً اس دن کی عظمت سے انکار کرتے تھے مگر حیلہ بازی سے اپنا مقصد پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے یعنی مچھلیوں کو ہفتے کے دن تالاب میں بند رکھتے تھے اور اتوار کے دن نکال لیتے تھے۔ اس واقعہ کے حوالے سے قوم یہود کو تین گرہوں میں تقسیم کرسکتے ہیں :۔

(۱) ایک گروہ نے اس میں حیلہ بازی کی یعنی شرعی حیلہ تراش کر کے حرام کا ارتکاب کیا۔

(۲) دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو بے یارو مددگار اور تنہا ہوتے

ہوئے بھی رب غفور ورحیم پر بھروسہ کر کے انہیں اس فعل حرام سے منع کرتا تھا۔

(۳) تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو خود بھی خاموش تماشائی بنا ہوا تھا اور جو لوگ اس حرکت (یعنی حیلہ بازی) سے روکتے تھے انکو بھی یہ کہہکر روکتا تھا کہ مت منع کرو' بے کار ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ جو چیز ابھی تک تمہارے ہاتھ میں ہے ہاتھ ہی سے نہ نکل جائے یعنی کہیں یہ لوگ دین ہی سے روگردانی نہ کرنے لگ جائیں۔

جب سے لوگوں نے سبت کو زمانے کا آغاز قرار دیا تو سبت کے بعد والے دنوں کو نمبروار پکارا یعنی عربی میں الاحد سے لیکر جمعہ کو آخری قرار دیا۔ عرب اس دن یعنی جمعہ کو عروبت کہتے تھے۔ کتاب وسائل الشیعہ حدیث ۱۵۰۳ میں اس دن کو مکر وفریب اور دھوکے کا دن قرار دیا گیا ہے۔

دنیا بھر کے انسانوں کی اکثریت یعنی تقریباً نوے فیصد (٪۹۰) افراد اپنی روزمرہ یا سال بھر کی زندگی کی مصروفیات کے اوقات کو تین حصوں میں کچھ اسطرح تقسیم کرتے ہیں :-

لوگ اپنے وقت کا بیشتر حصہ جینے کے مسائل پر صرف کرتے ہیں' خود کو کمانے کے قابل بنانے کیلئے' زندہ رہنے کیلئے صرف کرتے ہیں۔ اس قسم کی مصروفیات کیلئے وقت دینے میں مختلف اقوام وملل اور مذاہب وادیان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ بیشتر لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ کام کیلئے وقت معین کرتے ہیں' وقت کیلئے کام معین نہیں کرتے۔ جس وقت انھیں کام ملتاہے اسی وقت اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ اس بات میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہے کہ کس وقت کام کیا جائے اور کس وقت نہ کیا جائے۔ کوئی رات میں کام کرتا ہے تو کوئی دن میں۔ غرضیکہ اس کا مقصد صرف اور صرف کمانا ہوتا ہے۔ کام کیلئے وقت معین کرنے میں خود کام کرنے کیلئے بھی مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور ملکی پیداوار کو بڑھانے میں بھی ایسے مسائل پیش آتے ہیں۔ لہٰذا پیداوار کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے کام کرنے والوں میں تقسیم اوقات بہت ضروری ہے۔

استراحت :

انسان چونکہ ایک مادی وجود ہے لہٰذا وہ عام مادی طبیعی قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہے پس دیگر طبیعات' مادیات اور مشینوں کی مانند اسکے وجود کو بھی مسلسل حرکت سے خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ جس طرح ایک مشین یا انجن مسلسل چلتے چلتے گرم ہو جاتا ہے۔ اور اسے کارآمد رکھنے کے لئے وقفہ دیا جاتا ہے' اسی طرح انسان کو بھی بحکم طبیعت کچھ نہ کچھ وقفہ ملنا چاہئے تاکہ اس کی صحت برقرار رہ سکے۔ کبھی یہ وقفہ چند گھنٹوں کا ہوتا ہے اور کبھی چند دنوں کا۔ وقفہ ہفتہ وار بھی ہو سکتا ہے اور ماہانہ وسالانہ بھی۔ اس بات کا تعین کرنے کے لئے ترجیحات مقرر کرنا پڑیں گی۔

مذہبیات :

انسان کی روحانی بالیدگی کیلئے بھی کچھ وقت دینے کی ضرورت ہوتی ہے جسے مذہبیات کہتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین ومذہب کیلئے بھی کچھ وقت دینا ضروری ہے۔ سب کو چاہئے کہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق مندر جائیں' گرجا جائیں' موصومعہ جائیں' مساجد جائیں۔

دنیا کے تمام ملل و مذاہب کے لوگ اپنے دن، ہفتہ اور سال کا کچھ حصہ اپنے دین کیلئے مختص کرتے ہیں۔ چنانچہ آئمہ سے وارد روایات میں ہے کہ "اپنے وقت کا ایک حصہ کام کیلئے مختص کرو ایک حصہ استراحت کیلئے اور ایک حصہ اپنے دین اور خدا کیلئے"۔ استراحت اور دین سے متعلق کاموں کے لئے مختص وقت کو لوگ چھٹی یا تعطیل سے مربوط کرتے ہیں۔ کبھی یہ چھٹی چند گھنٹوں کی ہوتی ہے اور کبھی چند دنوں یا مہینوں کی۔ چونکہ گھنٹوں کی چھٹی کیلئے بشر میں کوئی اختلاف نہیں ہے لہٰذا اسپر گفتگو کی ضرورت نہیں۔ سالانہ تعطیلات کے بارے میں بھی کوئی نقطہ اختلاف نہیں ہے، کیونکہ سالانہ چھٹی ہر قوم و ملت اپنے قومی، سیاسی اور مذہبی رسومات اور تہواروں کی بنیاد پر مناتی ہے۔ الحمد للہ ہمارے ملک پاکستان میں مغرب و امریکہ سے انتہائی وابستگی کے باوجود سالانہ چھٹیاں دوسروں کے قومی وسیاسی تعطیلات کی بنیاد پر نہیں ہوتیں بلکہ ہمارے یہاں یہ چھٹیاں یوم قائداعظم، یوم اقبال، قیام پاکستان یوم مسلح افواج کے مواقع پر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اسمیں بھی کوئی اختلاف کی بات نہیں ہے۔ اس وقت جو موضوع گفتگو ہے وہ دو زاویوں سے ہے۔

(i) ہفتہ کی چھٹیاں

(ii) مہینہ کی چھٹیاں

یہ چھٹیاں انتخاب سے مربوط ہیں۔

ہفتہ واری تعطیل

جہاں تک ہفتہ واری چھٹی کا تعلق ہے یعنی ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنا نہ حکم شرعی ہے اور نہ ہی حکم عقلی کہ ہفتہ میں ایک پورا دن چھٹی کی جائے۔ دراصل یہ حکم عقلائی ہے۔

ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ انسان کو بحکم طبیعت آرام کا دن ملنا چاہئے۔ اس کی جسمانی، نفسیاتی، اور روحانی آسودگی کے لئے اور خاندان والوں کیلئے امن اور سکون سے مل بیٹھنے کا وقت ہونا چاہئے کیونکہ انسان مشین سے کمتر تو نہیں ہے۔ جب مشین کو وقفہ دیا جاسکتا ہے تو انسان کو تو بطور اتم واہمیت وقفہ ملنا چاہئے۔ لہٰذا یہ حکم عقلائی ہے اور شریعت بھی اسکی تائید کرتی ہے۔ یہ جو پہلے کہا گیا کہ یہ شرعی حکم نہیں ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسے واجب قرار نہیں دیتی۔ البتہ ہم مسلمانوں کو یہ طے کرنا پڑے گا کہ وہ ہفتہ میں ایک دن جو چھٹی کریں گے وہ کس بنیاد پر ہونی چاہئے؟ اس سلسلے میں چار مفروضے ہو سکتے ہیں:۔

پہلا مفروضہ :

پیر، منگل، بدھ، جمعرات ان چار دنوں میں سے کوئی ایک دن اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کر سکتے ہیں اس معاملہ میں خود مختار ہیں اور اس کے بارے میں کوئی توجیہ نہیں طلب کریں گے کہ ایسا کیوں کیا۔ یہ مفروضہ دو لحاظ سے غلط ہے۔ ایک تو انسان کا ہر فعل توجیہ طلب ہے کسی بھی فعل کی اگر توجیہ وعلت بیان نہ ہو تو وہ عبث قرار دیا جاتا ہے اور اسکے فاعل کو احمق کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہفتہ اور اتوار کو چھٹی منانے والوں کے پاس اپنے اس عمل کا جواز و توجیہ موجود ہے۔ لیکن کیا آپ اس سلسلہ میں کوئی منطق نہیں رکھتے، کیا آپکے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے نقطہ نظر سے یہ مفروضہ غلط ہے۔

دوسرا مفروضہ

ہفتہ کے دن چھٹی منائیں مگر ہفتہ کے دن تو دراصل

یہودی عید مناتے ہیں اور چھٹی کرتے ہیں۔ وہ اپنی اس چھٹی کیلئے یہ منطق پیش کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے آسمان وزمین کی تخلیق کا عمل اتوار سے شروع کیا اور جمعہ کے دن ختم کیا اور ہفتہ کو استراحت فرمائی۔ لہٰذا انکے نزدیک ہفتہ ایک مقدس دن ٹھہرا کیونکہ اس روز خدا کو استراحت کا موقع ملا۔ مگر ہمارے لئے یہ دن دو لحاظ سے مردود ہے۔ پہلی بات تو یہ مفروضہ ہی غلط ہے کیونکہ یہاں دن سے مراد یہ چوبیس گھنٹوں والا دن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا کو آرام کی ضرورت ہی نہیں، آیۂ قرآن ہے کہ خدا کیلئے سستی اور فتور وارد ہونا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس خیال سے اتفاق کرنا قوم یہود کے اس غلط نظریہ کی تائید کرنے کے مترادف ہوگا۔

علاوہ ازیں خداوند متعال نے قرآن کریم میں ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ یہود تمھارے سخت دشمن ہیں اور یوں بھی کسی معاملہ میں یہود کی پیروی کرنا پیغمبر اکرم کیلئے بہت گراں تھی۔ اس حوالہ سے بھی ہفتہ کی تعطیل صحیح نہیں۔

تیسرا مفروضہ

اتوار کی چھٹی۔ اتوار مسیحیوں کی چھٹی کا دن ہے، یہ عید مسیح ہے کیونکہ مسیحیوں کے خیال میں حضرت مسیح نے خود کو قتل کیلئے پیش کیا اور قتل ہونے کے بعد سیدھے جہنم گئے اور اتوار کے دن وہاں سے امت کو بخشوانے کیلئے نکلے۔ یہ فکر بھی درج ذیل وجوہات کے لحاظ سے غلط ہے :۔

(۱) قتل مسیح یعنی حضرت عیسیٰؑ کا سولی پر چڑھنا نص قرآن کے خلاف ہے۔ مزید برآں حضرت مسیح کا اس طرح امت پر فدا ہو جانا منطق اور دین وشریعت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس منطق کے تحت اتوار کو چھٹی منانا مسیحیت کی خرافات کی تائید ہوگی۔

(۲) جس طرح یہود مسلمانوں کے دشمن ہیں اگرچہ مسیحی اس طرح کھلم کھلا دشمنی کا مظاہرہ نہیں کرتے، تاہم دوستی کی آڑ میں ہمارے درمیان کھلے بندوں مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں جس سے مسیحیوں اور مسیحیت کو تقویت ملتی ہے۔

(۳) مسیحی اس دن (اتوار کو) اپنی عبادت گاہوں میں جاتے ہیں ہم مسلمان اس روز کہا جائیں گے ؟......

(۴) اتوار کے روز تعطیل کی صورت میں مسیحی اور یہودی ہم سے کہیں گے کہ صحیح فکر اور آئیڈیالوجی تو انکے مذہب کی ہے، ہماری تو کوئی تاریخ ہی نہیں، ہمارے مذہب میں نہ زمان کی کوئی قید ہے اور نہ انسان کی کوئی قدر۔ مسلمانوں پر انکا احسان ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو سرمایہ دار بے گار لے کر ہمیں پیس ڈالتے۔ اس لئے مسلمانوں کو عمر بھر مسیحیوں کا مرہون منت رہنا چاہئے۔ لہٰذا اتوار کی چھٹی اس لحاظ سے بھی صحیح نہیں رہے گی۔

چوتھا مفروضہ

(۱) فارسی میں ایک محاورہ ہے "نان بنرخ روزمی خورد" یعنی "وہ ہر دن کی روٹی اسی دن کے بھاؤ کے مطابق کھاتا ہے"۔ دوسرے لفظوں میں وہ گھر میں کھانے پینے کی اشیاء نہیں رکھتا بلکہ روز کے روز خریدتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسکی فکر وسوچ کسی استقلال کی حامل نہیں ہوتی۔ تاریخ ادیان ومذاہب اور میدان سیاست میں حکمرانوں کے ساتھ کچھ

دینی وسیاسی شخصیات ہمیشہ ایسی رہی ہیں جو حکمرانوں کو ان کے حسبِ ضرورت دینی مسائل پر انکے مصالح کے مطابق آیات خدا کو ثمن قلیل میں فروخت کر دیتے ہیں۔ مثلاً جمعہ کے دن کی چھٹی کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ لہٰذا جمعہ کی چھٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ اگر اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں ہے تو چھٹی نہ کرنے کا بھی تصور نہیں ہے اور اگر آپ چھٹی کو صحیح نہیں سمجھتے تو آپکو اتوار اور ہفتہ کی چھٹی کو بھی چیلنج کرنا چاہئے ورنہ اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اسلامی دینی ترجمان ہونے کے باوجود اسلامی اہمیت کے حامل دن چھٹی کی نفی کر کے مسیحیوں اور یہودیوں سے منسوب چھٹی کو تقویت دیتے ہیں آخر اسکی کیا منطق ہے ؟۔

(۲) پاکستان ایک بڑا اسلامی ملک ہونے کے سبب دنیا بھر کے مسلمان ملکوں کیلئے مایۂ ناز وافتخار ہے اور الحمد للہ پاکستان میں بہت سے اسلامی شعائر کا احترام بھی ہے۔ مگر اسکے باوجود جبکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں جمعہ چھٹی کا دن ہے نہ جانے کیوں ہمارے یہاں جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے امت مسلمہ سے وابستگی کو کاٹ کر امت یہود اور مسیحی امت سے وابستگی کا اعلان کیا گیا ہے۔

(۳) چھٹی کا دن کام کرنے والوں کیلئے بھی اور انکے گھر والوں بال بچوں کیلئے بھی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ لہٰذا چھٹی کے دن ہر انسان خوشی مناتا ہے۔ یہودی ہفتہ کے دن خوشی مناتے ہیں، مسیحی اتوار کے دن چھٹی مناتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک یہ مقدس ایام ہیں۔ ہم مسلمانوں کیلئے احادیث نبوی کے مطابق جمعہ "سید الایام" ہے اور اگر ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہے تو ہماری یہ چھٹی جمعہ ہی کے دن کیوں نہ ہو ؟۔

(۴) روایات میں ہے حضور نے فرمایا "میری امت کیلئے جمعرات اور ہفتہ کے دن مبارک ہیں"۔ مبارک ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جمعرات کا دن ہفتہ کو اس کے اختتام تک پہونچانے کا دن ہے اس دن انسان لگن کے ساتھ کام کرے اور روز جمعہ ایک دن چھٹی منانے کے بعد تازہ دم ہو کر روز ہفتہ پھر کام پر آجائے۔ اگر اس حدیث کی سند صحیح ثابت ہو گئی تو جمعہ کی چھٹی کیلئے اس سے بہتر کونسی دلیل چاہئے ؟۔

(۵) فلسفہ جمعہ آج کل مسخ ہو چکا ہے۔ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے۔ اجتماع کی خوبی یہ ہے کہ زیادہ اجتماع ہو۔ زیادہ اجتماع کی اہمیت اس بات سے معلوم ہوتی ہے کہ تین شرعی میل کے فاصلہ کے اندر دو جمعہ نہیں ہو سکتے یعنی جمعہ کی سرحد دو فرسخ میں ہے جبکہ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہوا کہ "اذان سن کر آجاؤ"۔ دو فرسخ سے اذان سن کر تیاری کر کے آنے اور خطبہ و نماز سے فارغ ہو کر واپس جانے کے بعد کتنا وقت کام کیلئے باقی رہتا ہے ؟۔ یوں یہ دن نہ تعطیل میں شامل ہو پاتا ہے اور نہ ہی کام کیلئے کافی ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہی بہتر ہے کہ اس دن چھٹی ہونی چاہئے۔

ایام سعادت اور نحوست

سعادت و نحوست دو ایسے مفہوم ہیں جن سے بشر اپنے

ابتدائی دور سے لیکر دور حاضر تک، خواہ عالم ہو یا جاہل اچھی طرح آشنا ہے۔ سب ہی سعادت سے محبت کرتے ہیں اور اس کے حصول کیلئے کوشاں رہتے ہیں جبکہ نحوست سے نفرت اور اس سے بچنے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سعادت کیا ہے، اور اس کے حصول کے راستے اور ذرائع کیا ہیں؟ نحوست و شقاوت کس چیز کا نام ہے اور اس سے فرار کی راہیں کیا ہیں؟ یہ بات ابھی تک واضح طور سے فیصلہ کن مرحلہ میں نہیں پہونچ سکی ہے۔ تمام مسائل سب کے لئے حل ہو جائیں، یہ بات ممکن نظر نہیں آتی۔ بعض لوگ سعادت و شقاوت یا نحوست کو روح سے مربوط کرتے ہوئے ریاضت کی منازل طے کرتے ہیں بض کے نزدیک شقاوت (نحوست) کا سبب مادہ سے مربوط ہوتا ہے۔ بعض افراد سعادت کو صرف مادہ کے حصول اور کھانے پینے اور عیش و نوش کی فراوانی کو سمجھتے ہیں، بعض سعادت کو آزادئ حیوانی میں گردانتے ہیں، جبکہ بعض افراد سعادت کو ہزاروں انسانوں کی بدبختی اور شقاوت اور محرومیت میں دیکھتے ہیں کہ اگر سب مرجائیں تو انکے لئے سعادت ہوگی۔

ایام میں نحوست و سعادت اور اسکی حقیقت :۔

کائنات میں بالخصوص شمسی اور انسان کی ذہنی، فکری اور جسمانی صلاحیتوں میں تفاوت و اختلاف ناگزیر رہا ہے، اکثر روایات اور آیات کثیرہ کے تحت دنیا میں حیات، امتحانی و آزمائشی ہونے کے سبب روزگار کبھی کسی کے حق میں ہے تو کبھی کسی کے، کسی کے یہاں ولادت تو کسی کے یہاں موت، کسی کے یہاں دولت کی فراوانی تو کسی کے یہاں فقر و فاقہ اور غربت

غیر خدا پرست لوگ یا ضعیف الایمان اور مادی جھکاؤ اور رجحان رکھنے والے افراد اس اختلاف و دگر گونی سے دھوکا کھاجاتے ہیں کیوں کہ اسکی تفسیر و توجیہ میں تواریخ اور جنتریوں میں یا بعض قدیم کتابوں میں موجود تواریخ نحس و سعد کو بعض دنوں کیطرف منسوب کیا گیا ہے بعض مخلوقات کی آواز اور حرکتوں کو نحوست کا سبب قرار دیتے ہیں اگر چہ کسی کے پاس تاریخ اور انکے دنوں کے نام اور نحوست کے بارے میں تشفی طلب اور باعث اطمنان کوئی دلیل و سند موجود نہیں ہے پھر بھی اکثر بیشتر لوگ، مومنین و موحدین اور غیر موحدین، سبھی ان نحوستوں کے سامنے عاجز ونا توان نظر آتے ہیں۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس نقطۂ نحوست کو اس کائنات میں اس نظام ہستی میں، فعل وانفعال میں، ستاروں کی گردش میں، اثر و موثر میں تلاش کریں۔ نحوست گردانئے کے بارے میں جو فعل وقوع پذیر ہوتا ہے، یہ تحقیق کرنا ہے کہ اس کو کس نے نحس بنایا ہے، اسمیں نحوست کہاں سے آئی ہے، اس نحوست کو پیدا کرنے کیلئے جتنے بھی عوامل ممکن ہوسکتے ہیں ہر ایک کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کرنا چاہئے۔

دہرین اور منجمین ہی نہیں بعض مسلمان حتی بعض بہ اصطلاحِ لباس روحانی یا مربیٔ دین و مذہب حضرات بھی شدت اور انتہائی اہتمام کے ساتھ ایام سنہ کو انسان کیلئے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی بعض ایام کو نحس، شوم اور نامبارک گردانتے ہیں، ان ایام میں بعض مخصوص اعمال انجام دینے سے منع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ان دنوں میں اعمال انجام دیں گے تو برے نتائج کا سامنا ہوگا، شوم ہوگا۔ بعض ایام کو مبارک اور سعید گردانتے ہیں لیکن اس کے باوجود بعض مخصوص اعمال کیلئے تو انکو بھی نامبارک قرار دیتے

ہیں۔ آگے جا کر ہم یہ دیکھیں کہ مختلف نقطہ ہائے نظر کے تحت جو ایام نحس گردانے جاتے ہیں انکو نکال کر سال کے تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دنوں میں سے کتنے دن خالص اور بابرکت باقی رہتے ہیں۔

جہاں تک دہرین کا تعلق ہے جیسا کہ قرآن کریم کی سورہ جاثیہ آیت ۲۹ میں آیا ہے 'ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کچھ نہیں ہے جو بھی بدبختی ' شقاوت 'اچھائی یا برائی ہے وہ زمانہ کرتا ہے۔ گویا ان کی اس منطق کے تحت کوئی بھی دن فی ذاتہ اچھا نہیں ہے 'کہ وہ سب کیلئے اچھا ہو کیونکہ وہی دن بعض کیلئے اچھا ہوتا ہے اور بعض کیلئے مصیبت کا دن ہوتا ہے۔ دوسرے منجمین علم نجوم کے ذریعہ طلوع اور غروب کے حساب سے بعض ایام کو سعد اور بعض کو نحس قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی بعض اوقات پورے دن کو نحس قرار دیتے ہیں اور بعض اوقات صرف کسی شخص کے حوالے سے اس دن کو نحس بتاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے نہروان کی جنگ کیلئے جاتے وقت ایک منجم نے کہا کہ اس سفر میں ستاروں کے حساب سے آپ کو فتح نہیں ہوگی بلکہ شکست ہوگی' لہٰذا اس وقت اسے ملتوی کر دیں۔ آپؑ نے فرمایا: اگر تمھاری بات مان لی جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ بندہ مدد خدا سے مایوس ہو جائے اور تمھارا احسان مند ہو کہ تم نے اسکو بری گھڑی کا پتہ دیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا:
"خبردار! اسکی بات نہ مانو۔ خدا کا نام لیکر نکل پڑو"۔

اس وقت ہمارا موضوع گفتگو دہرین کی منطق اور ان کے دعویٰ کی تردید کرنا یا منجمین کے دعویٰ کو رد کرنا نہیں بلکہ ہم یہاں ان وجوہات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جنکے تحت اہل اسلام' قرآن و سنت کی پیروی کرنے والے' اہل بیت اطہار کی سیرت کو مشعل راہ اور نمونہ قرار دینے والوں نے سال کے دنوں کو نحس و مبارک میں تقسیم کیا ہے اور ان سے پوچھیں گے کہ اس کی کیا منطق ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے اس عمل کی توجیہہ میں یہ لوگ قرآن کریم کی درج ذیل آیات کو پیش کریں:۔

سورہ فصلت آیت نمبر ۱۶:۔ فار سلنا علیھم ریحا صر صرا فی ایام نحسات۔ آخر کار ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی۔

سورہ قمر آیت نمبر 19: انا ار سلنا علیھم ریحا صر صرا فی نحس مستمر۔
"ہم نے سرد تیز اور وحشت ناک آندھی ایک ایسے منحوس دن ان کی طرف بھیجی جو بہت طویل تھا۔"

سورہ حاقہ آیت نمبر ۷: سخر ھا علیھم سبع لیال و ثمانیة ایام حسوما۔ بنیادوں کو اکھاڑنے والی اس تیز آندھی کو سات راتوں اور آٹھ دن مسلسل ان پر مسلط رکھا۔

بظاہر ان آیات کو پیش کرتے ہوئے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ خود قرآن فرماتا ہے کہ سال میں کچھ ایام نحوست ہیں۔ لیکن جب ان آیات کے شان نزول پر نظر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ آیات قوم عاد پر گزرنے والے عذاب سے متعلق ہیں نہ کہ عمومی۔ ہوا یوں کہ جب قوم عاد نے تکبر و غرور کیا اور حضرت ہودؑ کی نافرمانی کرتے ہوئے عذاب خدا کو چیلنج کیا تو خداوند عالم نے ان پر عذاب نازل کیا۔ سورہ حاقہ کی مذکورہ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایام جو قوم عاد کیلئے نحس تھے وہ پورا ہفتہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ جب عذاب نازل ہوا تو انھیں اس عذاب سے نجات نہیں ملی۔

اسکے معنی یہ ہیں کہ انکے لئے عذاب نازل ہونے کے وقت سے ایک نہ ختم ہونے والا نحس دن شروع ہوا۔ اسکے جواب میں یہ لوگ پہلی دو آیات (سورہ قمر ۱۹ اور فصلت ۱۶) کو پیش کرتے ہیں۔

ایام نحس و سعادت

فہرست

دنیابھر میں ملحد مشرک، مسلمان غرض ہر گروہ کے نزدیک کچھ دن "ایام نحس" کے نام سے اور کچھ دن "سعادت" کے نام سے معروف ہیں۔ چنانچہ ہم یہاں آپکی خدمت میں مہینہ اور ہفتہ میں موجود ایام نحس و سعادت کتاب معروف تحفۃ العوام اور امامیہ جنتری اور بعض روایتوں کے حوالے سے پیش کرتے ہیں :۔

ماہ محرم

ایام نحس مطلق : ۳، ۵، ۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۴، ۲۵=۷دن

ایام نحس اکبر : ۱۱، ۱۴، ۲۲=۳دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس : ۴، ۸، ۱۵، ۱۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰=۷دن

قمر در عقرب : ۱۳، ۱۴، ۱۵= ۳ دن (نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

اس طرح ماہ محرم میں کل ایام نحس گیارہ (۱۱) دن قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد سات (۷) ہے یعنی یہ ایام بھی بعض امور کے لئے نحس قرار دئے گئے ہیں۔

ماہ صفر

ایام نحس مطلق : ۳، ۵، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۱، ۲۴، ۲۵، ۲۸=۹دن

ایام نحس اکبر : ۱، ۱۰، ۲۰=۳دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس : ۴، ۸، ۱۵، ۲۶، ۲۹، ۳۰=۶دن

قمر در عقرب : ۱۰، ۱۱، ۱۲=۳دن (نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

ماہ صفر میں کل ایام نحس چودہ (۱۴) قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد چار (۴) دن ہے۔

ماہ ربیع الاول

ایام نحس مطلق : ۲، ۳، ۵، ۸، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۵=۸دن

ایام نحس اکبر : ۱۰=ایک دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۴، ۱۶، ۲۰=۳دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس : ۱۵، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰=۵دن

قمر در عقرب : ۸، ۹، ۱۰، ۱۱=۴دن

ماہ ربیع الاول میں کل ایام نحس گیارہ (۱۱) دن ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد آٹھ (۸) ہے۔

ماہ ربیع الثانی

ایام نحس مطلق : ۳، ۵، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۵=۶دن

ایام نحس اکبر : ۱، ۱۱، ۲۸=۳دن

نیک مگر مخصوص کام کے لئے نحس :۔ ۱۴-ایک دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۴، ۸، ۱۵، ۱۷، ۲۶، ۲۹، ۳۰=۷دن

قمر در عقرب : (نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۶، ۷، ۸، ۹=۴دن

ماہ ربیع الثانی میں کل ایام نحس تیرہ (۱۳) دن ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد سات (۷) ہے۔

ماہ جمادی الاول

ایام نحس مطلق : ۳، ۵، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۵ = ۶ دن

ایام نحس اکبر : ۱۰، ۱۱، ۲۸ = ۳ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۱۶ = ایک دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس : ۴، ۸، ۱۷، ۱۸، ۲۶، ۲۹، ۳۰ = ۷ دن

قمر در عقرب : ۵، ۶، ۷ = ۳ دن (نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

ماہ جمادی الاول میں کل ایام نحس گیارہ (۱۱) دن جبکہ مقید ایام کی تعداد سات (۷) دن ہے۔

ماہ جمادی الثانی۔

ایام نحس مطلق : ۱، ۳، ۵، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۵ = ۷ دن

نحس اکبر : ۱۱، ۱۲ = ۲ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۱۶ = ایک دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس : ۴، ۸، ۱۷، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰ = ۷ دن

قمر در عقرب : نقل از جنتری ۱۹۹۹ء ۲، ۳، ۴، ۲۹، ۳۰ = ۵ دن

ماہ جمادی الثانی میں کل ایام نحس تیرہ (۱۳) دن ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد آٹھ (۸) دن ہیں۔

ماہ رجب۔

ایام نحس مطلق : ۳، ۲۱، ۲۵ = ۳ دن

ایام نحس اکبر : ۱۱، ۱۲ = ۲ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۴، ۸، ۱۷، ۲۶، ۲۹، ۳۰ = ۶ دن

قمر در عقرب (نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۱، ۲، ۲۷، ۲۸، ۲۹ = ۵ دن

اس طرح ماہ رجب میں کل دس (۱۰) دن نحس قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد چھ (۶) دن ہے۔

ماہ شعبان۔

ایام نحس مطلق : ۵، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۵ = ۵ دن

نحس اکبر : ۱۴، ۲۶ = ۲ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۱۶، ۲۰ = ۲ دن

قمر در عقرب (نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۲۵، ۲۶، ۲۷ = ۳ دن

ماہ شعبان میں کل ایام نحس آٹھ (۸) دن قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد دو (۲) ہے۔

ماہ رمضان۔

ایام نحس مطلق : ۵، ۱۳، ۲۵ = ۳ دن

ایام نحس اکبر : ۳، ۲۴ = ۲ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک : ۱۶، ۲۰ = ۲ دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس : ۴، ۸، ۱۷، ۲۶، ۲۹،

۳۰=۶ دن

قمر در عقرب :(نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۲۲‘۲۳‘۲۴‘۲۵=۴ دن

ماہ رمضان میں کل ایام نحس سات (۷) دن ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد آٹھ (۸) دن ہے۔

ماہ شوال۔

ایام نحس مطلق :۳‘۵‘۱۳‘۲۵‘۲۱‘۲۴=۶ دن

ایام نحس اکبر :۶‘۸=۲ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک :۲‘۱۶=۲ دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس :۴‘۷‘۱۶‘۲۸‘۲۹‘

۳۰=۶ دن

قمر در عقرب :(نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۱۹‘۲۰‘۲۱=۳ دن

ماہ شوال میں کل ایام نحس کی تعداد دس (۱۰) قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد آٹھ (۸) دن ہے۔

ماہ ذیقعدہ ۔

ایام نحس مطلق :۳‘۵‘۱۳‘۲۱‘۲۴‘۳۰=۶ دن

ایام نحس اکبر :۶‘۱۰‘۲۸=۳ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک :۱۶=۱ دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس :۴‘۸‘۱۵‘۱۷‘۲۶‘۲۹

=۶ دن

قمر در عقرب :(نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۱۷‘۱۸‘۱۹=۳ دن

ماہ ذیقعدہ میں کل بارہ (۱۲) دن نحس قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد سات (۷) دن ہے۔

ماہ ذوالحجہ۔

ایام نحس مطلق :۔۳‘۵‘۹‘۱۳‘۲۱‘۲۵=۶ دن

ایام نحس اکبر :۔۸‘۲۸=۲ دن

نحس مگر مخصوص کام کیلئے نیک۔۷‘۱۶‘۲۰=۳ دن

نیک مگر مخصوص کام کیلئے نحس۔=۴‘۱۷‘۲۶‘۲۹‘۳۰

=۵ دن

قمر در عقرب :(نقل از امامیہ جنتری ۱۹۹۹ء)

۱۴‘۱۵‘۱۶‘۱۷=۴ دن

ماہ ذی الحجہ میں کل بارہ (۱۲) دن نحس قرار پائے ہیں جبکہ مقید ایام کی تعداد آٹھ (۸) دن ہے۔

اس طرح پورے سال میں ۱۳۲ ایام نحس قرار پائے جبکہ مقید ایام کی تعداد ۸۹ ہے۔

ایام ہفتہ کی نام گزاری اور ان سے منسوب نحوست و سعادت

۱۔ ہفتہ :۔

ہفتے کو عربی میں ”سبت“ کہتے ہیں۔ سبت کا ایک مطلب ہے قطع کرنا جیسا کہ سورہ نباء آیت نمبر ۹ میں ہے کہ نیند انسان کو کام سے قطع کرتی ہے۔ کتاب صحاح الفت میں راحت اور نیند کو سبت کہا گیا ہے۔ نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۰۹ اور ۲۲۲ میں اسی معنی

میں استعمال ہوا ہے۔ خطبہ ۲۲۲ میں جناب امیرؑ فرماتے ہیں "سباتِ عقل سے پناہ مانگتا ہوں" یعنی عقل کی نیند سے پناہ مانگتا ہوں جب عقل سوتی ہے تو غفلت ہو جاتی ہے۔ یہ کلمہ (سبت) قرآن کریم میں چھ بار ذکر ہوا ہے۔ سورہ نساء آیت نمبر ۱۵۴ اور ۴۷ میں اسکا ذکر ہے۔ قاموس القرآن میں ہے کہ سبت اس دن کا نام ہے جس روز یہود چھٹی مناتے تھے۔ یہ لفظ عبرانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا۔ یہود اس دن کو بہت مقدس گردانتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ خداوند عالم نے آسمان و زمین کو چھ دن میں خلق کیا۔ یعنی اتوار کو عمل خلقت شروع کیا اور جمعہ تک کام مکمل کرنے کے بعد ہفتہ کے دن آرام کیا۔ اسی حوالے سے یہود ہفتے کو چھٹی مناتے ہیں۔ یہ محض ان کی خام خیالی اور افسانہ سازی ہے' حقیقت سے اسکا کوئی تعلق نہیں کیونکہ تخلیق آسمان و زمین میں نہ ہفتہ سے مراد یہ ہفتہ ہے اور نہ یوم سے مراد وہ یوم ہے جو ہمارے یہاں رائج ہے جو اپنے محور کے گرد زمین کی گردش سے چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن میں یہاں یوم سے مراد مرحلہ ہے یعنی چھ مرحلوں میں آسمان و زمین کی خلقت ہوئی ہے۔

یہود اس دن (سبت) کو بہت ہی مقدس سمجھتے تھے ایک دفعہ خداوند عالم نے اس دن ان کے لئے۔ شکار پر پابندی لگادی مگر بہت سے لوگوں نے اس پابندی کا احترام نہیں کیا۔ پابندی کی مخالفت کرنے والوں کی خداوند عالم نے مذمت کی ہے۔ سورہ نساء آیت نمبر ۴۷ سورۂ بقرہ ۶۵' سورہ نحل ۱۱۸' ۱۲۴ سورہ اعراف ۱۶۳' میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ہفتہ کے دن جب مچھلی کے شکار پر پابندی لگائی تو انہوں نے اس دن کا احترام نہیں کیا بلکہ حیلہ بازی سے کام لیا جسکی وجہ سے خدا نے انھیں مورد لعنت قرار دیا۔

وسائل شیعہ حدیث ۱۵۰۳ کے مطابق ہفتہ دھوکے کا دن ہے۔

۲۔ اتوار :۔

مصباح الکفعمی صفحہ ۵۱۴ میں بیان ہے۔ کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ اس دن آسمان و زمین کی خلقت ہوئی۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار خوشی کا دن ہے۔ پیغمبرؐ کی حدیث ہے کہ اتوار کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اسکا ایک مفہوم تیز دھار اور کاٹنے والی تلوار ہے۔

۳۔ پیر :

پیر' فارسی کلمہ ہے۔ یہ مذکر ہے۔ بزرگ کو بھی پیر کہتے ہیں' مرشد کو بھی پیر کہتے ہیں۔ درد تکلیف اور بڑھاپے کو بھی پیر کہتے ہیں۔ اس کو سوموار بھی کہتے ہیں۔ کفعمی کے مطابق پیر کو پیغمبرؐ کی ولادت ہوئی۔ اسی روز آپؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ جس روز آپؐ نے مکے سے ہجرت کی وہ پیر کا دن تھا اور پیر ہی کے دن آپ مدینے میں داخل ہوئے' آپکیؐ وفات بھی پیر کے دن ہوئی۔

۴۔ منگل :۔

منگل سنسکرت کا لفظ ہے۔ مذکر ہے۔ جس کا مطلب ہے خوشی' رونق' آبادی۔ فارسی میں منگل کو سہ شنبہ کہتے ہیں۔

یہ ایک ستارے کا نام بھی ہے۔

۵۔ بدھ :۔

بدھ کا دن گوتم بدھ سے منسوب ہے۔ ہندوؤں کے طبقاتی نظام میں معاشرے کو چار گروہوں برہمن' کھشتری' ویش اور شودر

میں تقسیم کیا گیا ہے۔ گوتم بدھ نے ان طبقات کو غلط قرار دیا اور انکو ختم کرنے کے لئے آواز اٹھائی۔ ترک دنیا کو ذریعہ نجات بتایا۔ مستدرک وسائل جلد ۸ حدیث ۹۲۰۵ اور ۹۲۰۷ کے مطابق بدھ کا دن نحس ہے۔ بدھ بنی عباس کا دن ہے۔ (وسائل شیعہ ۱۴۹۹۹) :۔اس دن حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔ اسی دن قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا۔ بیت المقدس کو اسی دن ختم کیا گیا' حضرت ذکریا کو قتل کیا گیا۔ حضرت ایوبؑ مرض میں مبتلا ہوئے' حضرت یوسفؑ کو اسی دن زندان میں ڈالا گیا۔

۶۔ جمعرات۔

جمعرات کو عربی میں خمیس کہتے ہیں۔ عربی اور اسلامی دونوں لحاظ سے نام کے حوالے سے یہ پانچواں دن ہے۔ بعض روایات میں اس دن کو نحس قرار دیا گیا ہے جبکہ کثیر روایات میں مثلاً مصباح کفعمی نے اس دن کو علماء' امراء' حکام و بزرگان سے ملاقات کے لئے اور قضائے حوائج کے لئے مبارک قرار دیا ہے۔ اسی طرح وسائل الشیعہ حدیث نمبر ۱۵۰۰۳' ۱۵۰۰۶' ۱۵۰۰۷' ۱۵۰۱۱ اور ۱۵۰۱۳ میں آئمہ نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے: خدا نے میری امت کے لئے جمعرات اور ہفتہ کی صبح کو مبارک قرار دیا ہے۔

۷۔ جمعہ۔

انگریزی کیلنڈر کے مطابق یہ ہفتے کا چھٹا دن ہے۔ اس دن تمام بالغ اور آزاد مسلمانوں پر کسی جامع مسجد میں جمع ہو کر ظہر کی نماز کے وقت جمعہ کی نماز ادا کرنا فرض ہے۔ جمعہ کی نماز میں دو رکعتیں ہیں' دو اذانیں ہوتی ہیں ایک اذان اطلاع عام کیلئے اور دوسری خطبے کے لئے۔ امام دو خطبے پڑھتا ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا وقفہ دیتا ہے۔ نماز جمعہ سے پہلے غسل کرنا صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے۔ سورہ جمعہ کے آخری رکوع میں حکم دیا گیا ہے کہ جب جمعہ کی اذان سنو تو کاروبار بند کردو۔

فقہ جعفری کے مطابق نماز جمعہ کے لئے امام سمیت کم از کم ۵ افراد کا ہونا لازمی ہے' فقہ حنفی کے مطابق ۵ یا ۷' مالکی فقہ کے مطابق ۱۳ اور شافعی و حنبلی کے مطابق ۴۰ افراد کا ہونا ضروری ہے۔

نحس اور مبارک زمانہ کیسے' کیونکر اور کن کیلئے ہے۔

جس کرّے میں ہم رہتے ہیں اس کا زمانہ زمین' چاند اور سورج ان تینوں سے مرکب ہے اور یہ تینوں ملکر ہمارے لئے دن' رات' ہفتہ' مہینہ' موسم اور سال تشکیل دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ نحس بنانے کا کردار سورج ادا کرتا ہے؟ کیا سورج کی بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں سے زمین کا گزرنا ہمارے لئے نحس قرار پاتا ہے؟ جسطرح کشتی میں سوار انسانوں کیلئے سمندر کی موج سے گزرنا خطرناک ہوتا ہے یا ہوائی جہاز میں سفر کرنے والوں کو کسی دھند سے گزرنا اور گاڑیوں میں سوار لوگوں کیلئے موڑ سے گزرنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے' کیا سورج میں بھی کوئی ایسی جگہ موجود ہے؟ یا چاند جسکے انتیس دن (۲۹) اور کچھ ساعت پوری زمین کے گرد گردش کرنے سے مہینہ بنتا ہے اس میں ایسا کوئی مسئلہ ہے؟ قمر در عقرب کا استخراج یا نحوست جو جنتریوں میں بتلایا جاتا ہے وہ اسی حساب سے ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کُرات کے ستاروں سے گزرنے میں کیا اثرات ہیں؟۔ یا خود زمین جسکے اپنے محور کے گرد گردش کرنے سے دن رات وجود میں آتے

ہیں تو کیا اس گردش میں ایسا کوئی مسئلہ ہے اگر ہے تو پورا دن نحس نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ نحوست گھنٹوں میں ہونا چاہئے۔

سعادت و نحوست قدیم زمانے سے ذہن انسانی کو مصروف رکھے ہوئے ہے۔ تمام انسان چاہے وہ ملحد ، بے دین ، دہریہ ہوں یا اہل دین و مذہب ہوں ، ادیان منحرفہ کے ماننے والے ہوں یا دین اسلام کے پیروکار سب کے ذہن اس کے شکار ہیں۔ ایسی صورت میں ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ معلوم کرے کہ جو چیزیں انسان کے لئے شقاوت کا باعث ہیں اور پیغام بدبختی لاتی ہیں ، اسکی زندگی میں وہ کہاں سے آتی ہیں؟۔ اس سلسلے میں چار تصورات ہیں۔

ا۔ عناصر ترکیبی زمان۔

یعنی جو چیزیں زمان تشکیل دیتی ہیں وہ کبھی کبھی انسان کے لئے شقاوت و بدبختی پیدا کرتی ہیں چنانچہ بہت سی کتابوں اور جنتریوں میں ہر مہینہ کے کچھ مخصوص ایام اور بعض نے ہفتہ کے بعض دنوں کو تمام کام کے لئے یا بعض کام کے لئے باعث شقاوت و نحوست قرار دیا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں قدرے عمیق اور گہری تحقیق کے ساتھ کہ انسان کو یہ شقاوت و نحوست کہاں سے لاحق ہوتی ہے؟

کیا وہ عناصر جو زمان پیدا کرتے ہیں یعنی سورج کی گردش ، چاند کی گردش یا زمین کی گردش ان سے شقاوت و نحوست پیدا ہوتی ہے؟۔

سورج :

اس منظومہ شمسی میں سورج کے گرد گھومنے والے سیاروں میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے۔ زمین کی اپنے محور کے گرد حرکت کے علاوہ ، اسکی ایک حرکت انتقالی بھی ہے۔ اس حرکت انتقالی میں زمین اپنے مدار میں داخل ہوتے ہوئے بقول ماہرین فلکیات تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اس پوری ہونے والی گول مسافت میں کتنی ایسی جگہیں ہیں جہاں سے گزرتے ہوئے کسی وقت ، کسی جگہ ، کسی چیز سے تصادم ، مقابلہ یا ٹکراؤ ہوتا ہے یا اس زمین کا سایہ اہل زمین پر پڑتا ہے جسکی بنیاد پر اہل زمین کے لئے نحوست کا سبب بنتا ہو۔ ایسی کوئی بات نہ کسی آیت قرآنی میں ہے ، نہ کسی روایت میں اور نہ ہی کسی ماہر فلکیات نے بتائی ہے۔ لہٰذا تمام اہل زمین کیلئے کوئی نحوست نہیں ہے اور صرف چند گروہ ہی اپنے لیئے ایسا سمجھتے ہیں۔ غرض بذات خود سورج میں نہ صرف یہ کہ کوئی نحوست نہیں ہے بلکہ آیت قرآنی میں خداوند عالم نے سورج کو ہمارے لئے نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اللہ نے اسے ہمارے فائدہ کیلئے بنایا ہے نہ کہ نقصان کیلئے۔

چاند :

ساڑھے انتیس (۲۹) دن میں زمین کے گرد ، چاند ، ایک چکر پورا کرتا ہے۔ تاریخوں میں جو نحوست بتائی گئی ہے وہ ستاروں کے بروج کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً چاند اسوقت اس برج کے دائرے سے گزرے گا تو یہ اچھا نہیں ہے ، نحس ہے بالخصوص برج عقرب سے گزرنے کو زیادہ خطرناک قرار دیا ہے۔ حالانکہ چاند کی حرکت تو دراصل ہمارے حساب کیلئے ہے۔ خداوند عالم نے اسے علامت و نشانی کیلئے بنایا ہے۔ اگر چاند کا اس خاص جگہ سے گزرنا طبیعی طور پر اہل زمین کیلئے نحوست کا باعث ہوتا تو تمام اہل زمین

کیلئے نحوست ہونا چاہئے تھی جبکہ ایک مخصوص گروہ کے علاوہ دنیا کے باقی لوگ اس طرح نہیں سوچتے۔

زمین :

زمین اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں ایک دور پورا کرتی ہے تو اگر اسکی اپنی گردش میں کوئی نحوست ہے تو اسے گھنٹوں میں ہونا چاہئے نہ کہ دنوں میں، یعنی دن نحس ہو رات نحس نہ ہو یا رات نحس ہو، دن نحس نہو، جبکہ کسی نے ایسا نہیں کہا۔

(۲) خود خدا :

کہتے ہیں خداوند متعال نے خود نحوست پیدا کی ہے۔ اسمیں چند مفروضے ہیں :۔

ایک مفروضہ یہ ہے کہ دو الگ الگ خدا ہیں۔ ایک سرور و مسرت پیدا کرتا ہے جبکہ دوسرا نحوست پیدا کرتا ہے۔ یہ ثنویہ اور مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔ انکے علاوہ مجّبرہ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام تر خیر و شر، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ دونوں ہی عقائد کثیر دلائل و براہین سے بالخصوص اہل تشیع کے نزدیک باطل ثابت ہو چکے ہیں۔ بعض روایات اور اہل بیت علیہم السلام سے وارد دعاؤں کے مطابق خدا بجز خیر کچھ نہیں کرتا، شر اسکی ذات سے دور ہے۔ چنانچہ فلاسفہ کہتے ہیں جو منجانب اللہ صادر ہوتا ہے وہ وجود ہے اور وجود خیر محض ہے۔

(۳) انسان :

اگر کوئی انسان خود اپنے لئے یا دوسرے کیلئے باعث نحوست ہے یعنی یہاں اس کا فاعل انسان ہے تو یہ نظریہ بھی متعدد وجوہات کی بناء پر باطل ہے مثلاً :۔

(۱) کثیر آیات میں انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیا گیا ہے، جسے خدا خود خلیفہ ہونے کا شرف بخشے، اسمیں نحوست کیوں پیدا کرے گا؟۔

(۲) سورہ مبارکہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۲ میں ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو کرامت و فضلیت بخشی ہے۔

(۳) سورہ العصر و سورہ والتین میں خداوند عالم نے انسان مومن اور عمل صالح کرنے والے کو برائی اور نحوست سے مستثنیٰ کیا ہے۔

(۴) خداوند عالم نے فرمایا جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ شقی ہوگا۔ انسان کی فطرت میں شقاوت نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی شخص شقی ہے تو اس نے اس شقاوت کو اپنے لئے خود انتخاب کیا ہے

(۴) فعل خود نحس ہے۔

یقیناً خداوند عالم نے بہت سے افعال و اعمال کو نحس قرار دیا ہے مثلاً شراب پینا، سود کھانا، غیبت کرنا، قتل نفس کرنا وغیرہ۔ یہ اعمال شریعت میں حرام ہیں۔ اسی طرح خداوند عالم نے افعال خیر بھی بتائے ہیں۔ متعدد آیات میں خداوند عالم نے انسان سے واضح طور پر کہا ہے کہ ہم نے خیر و شر، نحوست و سعادت کو واضح طور پر روشن کیا ہے۔ تو اب یہ تمھاری مرضی ہے کہ سعادت کا انتخاب کرو یا شقاوت کا۔ سورہ ھود آیت ۱۰۵ میں خداوند عالم فرماتا ہے بعض انسان شقاوت و نحوست کا انتخاب کرتے ہیں جبکہ بعض سعادت کا انتخاب کرتے ہیں۔

(۷) معاشرہ میں نحوست کو کون فروغ دیتا ہے؟

معاشرہ میں حاکم جور نحوست پھیلاتے ہیں چنانچہ حضرت

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے فرمایا: تمام برائیوں کی جڑ امام جائر (ظالم) ہے۔

(میزان الحکمت جلد اول ۱۶۰ نقل از کافی جلد اول ۴۷۳)

دعائے شریف ندبہ اور دعا شریف افتتاح کے آخری فقرات بھی اس بات کے گواہ ہیں۔

سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے؟

دین اسلام میں آیات قرآن کی روشنی میں سعادت و نحوست یا شقاوت دونوں ایک حقیقت خارجی ہیں۔ سورۂ ھود آیات نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۸ کے مطابق شقی جہنمی ہے اور سعید جنتی۔ صاحب المیزان نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سعادت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: سعادت وہ ہے جو انسان کو کمال لذت تک پہونچانے میں مدد کرے خواہ یہ روحانی ہو یا جسمانی یعنی خیرات تک پہونچائے۔ سورۂ مبارکہ طٰہ آیت ۱۲۳ میں فرمایا کہ جو انبیاء کی ہدایت پر چلتے ہیں وہ شقاوت سے دور رہتے ہیں۔ شقاوت دنیوی یہ ہے کہ کوئی زندگی کی سہولتوں سے محروم رہے۔ البتہ شاید یہی محرومی سعادت اخروی کا سبب بنے۔ شقاوت اخروی یہ ہے کہ بندہ جنت سے محروم ہو جائے۔ شاید اسکا سبب یہ ہو کہ دنیا میں غیر محدود سعادت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جبکہ کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جنکے لئے دنیا میں بھی سعادت ہے اور آخرت میں بھی۔ جیسا کہ امیر المومنین علیؑ نے محمد ابن ابی بکر کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں میں سعادتوں سے مالامال ہیں۔ لیکن ایسی سعادت صرف انھیں انسانوں کو میسر آتی ہے جنکو ایک نظام صالح اور رہبر صالح کے سائے میں زندگی گزارنی نصیب ہو۔

سب سے بڑی نحوست

ان بیانات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ سب سے بڑی نحوست اور شقاوت یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام کے بنائے ہوئے اصولوں اور پروگرام پر عمل کرنے کے بجائے وہمی دنوں کی نحوست سے گریز کرتا رہے اور سعید دنوں کے انتظار میں بیکار بیٹھا رہے اور سب سے بڑی بدبختی اور شقاوت یہ ہے کہ انسان دنیا و آخرت دونوں کیلئے بے عمل رہے۔

نحوست کیا ہے؟

نحس شوم' نامبارک' بدشگون' زحمت وزیان' تیرہ و تاریک' نا معلوم ہوا کے گرد و غبار سے آلود' تیز و تند ہوا کو کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی نحس کے معنی افق پر نمودار ہونے والے اس سرخ رنگ کو کہتے ہیں جو نحاس کے مانند ہو۔

بغیر دھویں کے آگ کے شعلے کو نحس کہتے ہیں۔

نحس تانبے کو کہتے ہیں۔ مغرب میں نمودار ہونے والی وہ سرخی جو تانبے کی مانند سرخ ہے۔

نحس سعادت کے خلاف ہے' اس کی ضد ہے

سورہ قمر آیت نمبر ۱۹: میں تند ہوا کو نحس کہا گیا ہے۔

انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر۔

" ہم نے ان کے اوپر تیز و تند آندھی بھیج دی ایک مسلسل نحوست والے دن میں۔"

سورہ الرحمٰن آیت نمبر ۳۵: یرسل علیکما شواظ

من نار و نحاس فلا تنتصران"۔
"تمھارے اوپر آگ کا سبز شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو تم دونوں کسی طرح نہیں روک سکتے ہو۔"
سورہ حاقہ آیت نمبر ۶ اور ۷ :"سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیة ایام حسوما فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویة۔"
"اور عاد کو انتہائی تیز و تند آندھی سے برباد کر دیا گیا۔ جسے ان کے اوپر سات رات اور آٹھ دن کے لئے مسلسل مسلط کر دیا تو تم دیکھتے ہو کہ وہ قوم بالکل مردہ پڑی ہوئی تھی جیسے کھوکھلے کھجور کے درخت کے تنے۔"

دنوں میں نحوست نہیں ہے۔

آیات قرآن اور روایات کی روشنی میں دنوں میں نحوست نہیں ہے۔

تفسیر نور الثقلین جلد چھارم صفحہ ۳۸۲ پر سورۂ یسین کی آیت نمبر ۱۸"قالوا انا تطیرنا بکم"۔"انہوں نے کہا ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں"کی تفسیر میں کتاب خصال سے حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے اصحاب کو دین و دنیا سے مربوط چار سو(۴۰۰) مسائل سکھائے جس میں آپ نے انکو ان تین چیزوں سے گریز کرنے کی خاص طور پر ھدایت فرمائی۔

(۱) تکبر'(۲)تطیّر (فال بد)'(۳) تمنا

آپ نے فرمایا :اگر کوئی شخص تم سے کسی کام کے بارے میں تطّیر کرے یعنی فال بد ادا کرے تو تم اسکی بالکل پروامت کرو بلکہ نام خدا لے کر اس کام کو انجام دو۔

اگر کبھی اپنے اندر تکبر محسوس کرو تو اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھاؤ اور اپنے گوسفند کا دودھ خود دوھو۔

اگر کسی چیز کے بارے میں دل میں تمنا پیدا ہو جائے تو اسکو حاصل کرنے کے لئے اپنے نفس کو گناہ پر آمادہ نہ کرو بلکہ سب کچھ چھوڑ کر خدا کی طرف راغب ہو جاؤ۔

کتاب روضۂ کافی میں عمر بن حریز نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے"تطّیر یعنی فال بد وہ چیز ہے کہ آپ جیسا سمجھیں وہی ہوتا ہے۔اگر آپ نے اسے آسان اور معمولی سمجھا تو یہ آسان اور معمولی ہو جاتا ہے۔اگر آپ نے اسے بڑا سمجھا تو یہ بڑا ہوتا ہے۔اور اگر آپ نے اسے کچھ بھی نہیں سمجھا تو یہ کچھ نہیں ہوتا"۔اسی طرح امام صادقؑ سے ایک اور حدیث ہے آپ نے پیغمبرؐ سے نقل کیا کہ تطّیر گناہ ہے'اس کا کفّارہ توکّل ہے۔امام جعفر صادقؑ نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے"اسلام میں نہ دشمنی ہے'نہ تطیر ہے اور نہ شوم ہے"۔کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں امام موسیٰ بن جعفرؑ سے نقل ہے آپ نے فرمایا مسافر کیلئے سفر میں پانچ چیزیں ہیں۔کوا جو اس کے بائیں طرف سے آواز دیتا ہے'کتا جو دم کو اونچا کرتا ہے'بھیڑیا جو اس کے منہ پر آتا ہے'شکاری ہرن جو اس کے دائیں طرف سے بائیں طرف آتا ہے'چیخنے والا بوم اور وہ عورت جس کی سفیدی سیاہی مائل ہے اگر یہ چیزیں انسان دیکھے اور اسکے نفس میں فتور آجائے تو خدا سے کہے خداوندا تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔جو کچھ فتور میرے ذہن میں آیا ہے اس سے مجھے بچا۔

امالی سید مرتضیٰ صفحہ ۴۵ میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہے آپ

نے فرمایا۔

"زمانے (دھر) کو سب و شتم مت کرو، برا بھلا مت کہو۔ کیونکہ دھر خدا ہے"۔ اس کی تاویل میں علماء نے فرمایا۔ کیونکہ جو برائی یا شقاوت انسان کے لئے پیش آتی ہے اس میں زمانے کا کوئی کردار نہیں ہوتا، اس کائنات میں تصرف کرنے والا خدا ہے۔ کائنات خدا کے تصرف میں ہے اور اسکی تدبیر سے ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ایک اور تفسیر کے تحت علم الہدی فرماتے ہیں۔

ملحدین عرب اپنے اوپر نازل ہونے والے حالات، واقعات، مرض، عافیت، قحط سالی، آرام و آسائش کی نسبت زمانے کی طرف دیتے تھے۔ چنانچہ سورہ جاثیہ آیت نمبر ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

"وقالو اماهی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر وما لهم بذلك من علم ان هم الا یظنون۔

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ صرف زندگانی دنیا ہے۔ اسی میں مرتے ہیں اور اسی میں جیتے ہیں۔ اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کردیتا ہے۔ اور انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے کہ یہ صرف ان کے خیالات ہیں اور بس۔"

چونکہ وہ لوگ خدا کو نہیں مانتے تھے اور اچھائی و برائی کو زمانے کی طرف نسبت دیتے تھے کہ زمانہ ان کے ساتھ اچھا اور برا کرتا ہے، خدا انکی رد میں فرماتا ہے۔ کہ زمانہ کچھ نہیں کرسکتا یہ فعل خدا ہے۔

سید رضی علم الہدی مجازات قرآن ص ۲۲۳ میں کنزل اعمال صفحہ ۲۳۵۰ سے اس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔

عربوں پر جب مصیبتیں نازل ہوتی تھیں اور ان سے نعمت، صحت، عافیت چھن جاتی تھیں تو ان مصیبتوں کے موقع پر وہ زمانے کو ملامت و شماتت کرتے تھے۔ کہتے تھے زمانہ نے ہم سے انتقام لیا، بدلہ لیا، تیر مارا۔

جاہلیت کے اس عقیدے اور منطق کے خلاف فرمایا جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا وہ زمانہ نے نہیں کیا دینے والا، کھینچنے والا، تغیر و تبدیل کرنے والا، روکنے والا اور کھولنے والا خدا ہے۔ یہ باتیں جو تم کرتے ہو وہ جہالت پر مبنی ہیں۔

پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ لا تعادوا الایام فتعاد لکم - یعنی دنوں سے دشمنی مت کرو، تمہارے ساتھ دشمنی ہوگی۔

مجازات نبوی میں ہے کہ دن کے بارے میں برا بھلا نہ کہو۔ یہ نہ سمجھو یہ برائی اس دن سے مختص ہے۔ دن تو زمین کی گردش سے وجود میں آتے ہیں وہ اپنی منازل طے کرتے ہیں۔

کتاب معانی الاخبار تالیف شیخ صدوق ص ۱۲۳ میں عبد اللہ ابن احمد موصلی نے سقر ابن ابی دلب سے اور انہوں نے امام علی الہادیؑ سے نقل کیا:۔

امامؑ سے دریافت کیا گیا کہ پیغمبرؐ کی یہ حدیث کہ دنوں کے ساتھ دشمنی نہ کرو تمہارے ساتھ دشمنی ہوگی۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟۔ امامؑ نے فرمایا کہ جب تک آسمان و زمین باقی ہیں، دنوں سے مراد ہم ہیں۔ ہفتہ سے مراد رسول اللہ ہیں۔ اتوار سے امیر المومنین مراد ہیں۔

پیر سے -- حسنؑ و حسینؑ --. منگل سے امام زین العابدینؑ۔ امام باقرؑ اور جعفر صادقؑ۔

بدھ سے۔۔۔۔ موسیٰ بن جعفرؑ۔ علی ابن موسیٰؑ اور محمد ابن علیؑ اور ہم مراد ہیں۔

جمعرات سے۔۔۔ حسن عسکریؑ اور

جمعہ سے۔۔۔۔ امام زمانہؑ مراد ہیں۔

لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے دنیا میں دشمنی کی تو تمھارے ساتھ آخرت میں دشمنی ہوگی۔

عالم بزرگوار شیخ عباس قمی نے مفاتیح الجنان میں اس حدیث کے تحت، علی ابن بابویہ سے، معصومین سے منسوب ایام میں، انکے لئے مخصوص زیارات نقل کی ہیں۔

تاریخ اور دنوں کی نحوست قرآن و سنت کے منافی ہے۔

۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، حدیث نمبر ۱۵۰۱۹ میں امام صادقؑ نے پیغمبر سے نقل کیا ہے کہ فال بد مت نکالو۔

حدیث نمبر ۱۵۰۲۰ میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ فال بد یا تطیر ایسی چیز ہے کہ اگر آپ نے اسے ہلکا سمجھا تو ہلکا ہوگا، لیکن اگر سخت سمجھا تو سخت ہوگا اور اگر کچھ نہیں سمجھا تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

۲۔ حدیث نمبر ۱۵۰۲۱ میں امام جعفر صادقؑ نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ تطیر گناہ ہے، اس کا علاج توکل ہے۔

۳۔ حدیث نمبر ۱۵۰۲۲ میں ہے کہ کسی نے ابوالحسنؑ سے پوچھا کیا بدھ کے دن سفر کرنے والے واپس نہیں آتے؟ امام نے جواب دیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ بدھ کے دن سفر کرنے والے واپس نہیں آتے ہیں ان کی اس رائے اور عقیدے کے بر خلاف وہ شخص ہر آفت و بیماری سے محفوظ ہے اور اسکی ہر حاجت روا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۰۲۳ میں پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ اگر تم نے فال بد کی تو اس کے بر خلاف عمل کرو۔

۴۔ حدیث نمبر ۱۵۰۲۴ میں فرماتے ہیں کہ جب بھی دل میں وسوسہ پیدا ہو جائے، فال بد پیدا ہو جائے تو کہو خداوندا جو کچھ میرے دل میں وسوسہ پیدا ہو رہا ہے اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

دراصل اس نحس کا زمان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ نحوست اگر ہے تو خود انسان کے عمل میں ہے۔ بعض انسان اپنے لئے ہمیشہ سعادت کو اپناتے ہیں اور بعض دن رات کی کوششوں اور جدو جہد سے شقاوت و بدبختی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ایسے افراد تنہا اپنے لئے شقی نہیں ہوتے بلکہ اکثر اوقات اپنے 'والدین' اولاد' اہل محلّہ' علاقے' ملک بلکہ پوری دنیا کیلئے شقاوت و بدبختی کا سبب بنتے ہیں۔

آیئے اب ہم آیات قرآن اور روایاتِ معصومین، سیرت معصومین یا شریعت اسلامی کے مزاج کے حوالے سے دیکھتے ہیں کہ یہ نحوست جو بشریت کیلئے وقتاً فوقتاً در پیش ہوتی ہے وہ کس کی پیدا کردہ ہے۔

سورہ حدید آیت نمبر ۲۲ : ما اصاب من مصیبة فی الارض و لا فیانفسکم الا فی کتب من قبل ان نبر اھا ان ذلك علی الله یسیر۔

"نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اسکو پیدا کریں وہ اک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔"

ملحدین برائیوں کو زمانے کی طرف نسبت دیتے تھے۔ تو پیغمبرؐ نے انکی رد میں سورہ جاثیہ آیت ۲۴ تلاوت کی۔

وقالو اما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر ومالھم بذلك من علم ان ھم الا یظنون۔ترجمہ:اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ صرف زندگانی دنیا ہے۔ اسی میں مرتے ہیں اور اسی میں جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اور انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ یہ صرف ان کے خیالات ہیں اور بس۔

پیغمبرؐ نے فرمایا۔ زمانے کو سب وشتم مت کرو خدا خود زمانہ ہے۔

زمانہ کچھ نہیں کرتا جو کچھ اس کائنات میں کرتا ہے۔ وہ یا خدا کرتا ہے یا بندے کی کسب ہے۔

امالی سید مرتضیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں ایک حدیث ہے۔

"زمانے کو بُرا نہ کہو خدا خود زمانہ ہے۔ انسان پر پڑنے والی مصیبتیں (زمانہ کی وجہ سے نہیں) اسکی وجہ سے ہیں"۔

نحوست اور سعادت کلماتِ امیر المومنینؑ کی روشنی میں۔

نحوست سعادت کی ضد ہے۔ عرب حکماء عرفاء اور دانشمندوں کے ہاں چیزوں کی شناخت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی چیز کو اسکی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔

سعادت انسان کو خیر تک پہنچاتی ہے۔ سعادت شقاوت کی ضد ہے۔

سعادت اس عمل یا معاونت کو کہتے ہیں جو خیر تک پہنچائے۔ اسی سے پرندے کے پر کو اور انسان کے بازو کو ساعد کہتے ہیں کیونکہ پر اڑنے میں مدد دیتے ہیں۔

سعادت کی شیرینی معلوم نہیں ہوتی جب تک نحس کی کڑواہٹ نہ چکھے۔ (کلمات قصار ۷۴۲۵)

غفلت نفوس کی گمراہی ہے اور نحوست کا عنوان ہے (کلمات قصار ۱۴۰۴)

انسانی توجہ سے نحوست دور ہو جاتی ہے۔ (کلمات قصار ۴۲۶۲)

نفوس آرزو ہیں عقل انکو نحوست سے بچاتی ہے۔ (کلمات قصار ۲۰۴۸)

وہ شخص سعادت مند ہو گیا جس نے کوشش کی۔ (کلمات قصار ۶۶۲۹)

جس نے اپنے نفس کا حساب کیا وہ سعادت مند ہو گیا۔ (کلمات قصار ۷۸۸۷)

جس نے اصلاح کی، اپنے نفس کی امر کرنے کی کوشش کی وہ سعادت مند ہو گیا۔ (کلمات قصار ۸۲۴۶)

جس نے اپنے برادران کو مشقت میں ڈالا وہ سعادت مند نہیں ہو سکتا۔ (کلمات قصار ۹۴۸۵)

اطاعت خدا میں جلدی کرو سعادت مند ہو جاؤ گے

۔(کلمات قصار ۴۳۶۰)

کوئی شخص سعادت حاصل نہیں کر سکتا بغیر اقامہ حدود الٰہی کے اور کوئی شخص شقی نہیں ہو سکتا بغیر حدود الٰہی کے ضیاع کے۔(کلمات قصار ۱۰۸۵۳)

علماء کے ساتھ رہو سعادت مند بن جاؤ گے۔(کلمات قصار ۴۷۱۷)

اہل فضل کے ساتھ نشت و برخاست کرو سعادت مند بن جاؤ گے۔(کلمات قصار ۶۳۱۲)

علم کے ساتھ عمل کرو سعادت مند بن جاؤ گے۔(کلمات قصار ۹۷۴۴)

دنیا کی سعادتیں نحوست سے قریب ہیں۔(کلمات قصار ۹۶۲۴)

اس شخص سے ملو جو تمھارے اور خدا کے درمیان واسطہ ہے تو سعادت مند ہو جاؤ گے۔(کلمات قصار ۵۸۴۶)

غور و فکر کرو اپنے اندر بصیرت پیدا کرو، وعظ و نصیحت سے عبرت حاصل کرو اپنی آخرت کے لئے زاد حاصل کرو سعادت مند ہو جاؤ گے۔(کلمات قصار ۶۵۸۹)

بہترین سعادت دین کی بالادستی ہے(کلمات قصار ۲۸۶۹)

سعادت کی علامت عمل میں اخلاص ہے۔(کلمات قصار ۱۲۳۱)

حق کے ساتھ رہو سعادت مند ہو جاؤ گے۔(کلمات قصار ۶۴۸۹)

شعائر اسلام

شعائر، شعور، شعار، شعر، سب مادۂ شعر سے ہیں۔ انسان کے جسم پر اگنے والے وہ باریک بال جو نہ "صوف" میں شامل ہوتے ہیں اور نہ ہی "وبر" میں "شعر" کہلاتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ہر باریک چیز کو یا تو شعر کہتے ہیں یا پھر اسکے لئے مادۂ شعر سے بنا ہوا کوئی صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ لباس جو بدن سے ملا ہوا ہوتا ہے "شعار" کہلاتا ہے جبکہ اس لباس (شعار) کے اوپر پہنے جانے والے لباس کو "دثار" کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اپنا محرم راز بنانا ہو اور اس سے قریب رہنے کا تقاضا کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ "شعار" بن جاؤ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آئمہؑ اپنے بعض اصحاب سے فرماتے تھے تم "شعار" بن جاؤ نہ کہ "دثار" کیونکہ دثار بیرونی یا باہر والے کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ایسی باریک اور دقیق چیز جو پہلے مرحلے میں نہ دیکھی جا سکے یا نہ درک کی جا سکے اس کو بھی "شعر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا دقت اور باریک بینی سے درک کرنے کو "شعور" کہتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو ملامت کی جاتی ہے کہ تمہاری سمجھ میں اسلئے نہیں آیا کہ تم نے دقت نہیں کی۔ جیسا کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں ارشاد ہوا ہے :۔

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۵۴ :۔"ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون"۔ "لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں ہے۔"

(۲) سورۂ شعراء آیت نمبر ۱۱۳ :۔ "ان حسابهم الا علی ربی لوتشعرون"۔ "ان کا حساب و کتاب تو میرے پروردگار کے ذمہ ہے۔ اگر تم سمجھدار ہو۔"

(۳) سورۂ زمر آیت نمبر ۵۵ :۔"واتبعوا احسن ماانزل الیکم من ربکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتة وانتم لاتشعرون"۔ "اور تمہیں اسکا شعور بھی نہ ہو۔"

(۴) سورۂ حجرات آیت نمبر ۲ :۔"یاایهاالذین ء امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجهرو له بالقول کجهربعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون"۔ "اور تمہیں اسکا شعور بھی نہ ہو۔"

(۵) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۹ :۔"یخدعون الله والذین ء امنوا ومایخدعون الاانفسهم ومایشعرون"۔ "مگر اپنے آپ کو وہ اسکا شعور نہیں رکھتے"

(۶) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۲ :۔ "الاانهم هم المفسدون ولکن لایشعرون"۔ "آگاہ ہو جاؤ در حقیقت یہی لوگ ہیں فساد کرنے والے لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔"

(۷) سورۂ عمران آیت نمبر۶۹ :۔"ودت طائفة من اهل الکتب لو یضلونکم وما یضلون الا انفسهم ومایشعرون۔"۔"لیکن وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے۔"

(۸) سورۂ انعام آیت نمبر۲۶ :۔"وهم ینهون عنه وینئون عنه وان یهلکون الاانفسهم ومایشعرون۔"۔" اور اپنے سوا کسی کو ہلاک نہیں کرتے لیکن سمجھتے نہیں۔"

(۹) سورۂ انعام آیت نمبر ۱۲۳ :۔"وکذلك جعلنا فی کل قریة اکٰبر مجرمیها لیمکروا فیها وما یمکرون الابانفسهم ومایشعرون"۔"وہ صرف اپنے آپ کو ہی فریب دیتے ہیں۔اور سمجھتے نہیں ہیں۔"

(۱۰) سورۂ اعراف آیت نمبر ۹۵ :۔" ثم بدلنا مکان السیئة الحسنة حتی عفوا وقالوا قدمس ء اباء نا الضرآء والسراء فاخذنهم بغتة وهم لایشعرون۔"۔"پس ہم نے ان کو یکایک پکڑ لیا' ایسی حالت میں کہ ان کو اس کا احساس نہ ہو۔"

(۱۱) سورۂ یوسف آیت نمبر۱۵ :۔"فلما ذهبوا به واجمعوا ان یجعلوه فی غیبت الجب و اوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هذا وهم لایشعرون"۔"کہ تو انہیں آئندہ ان کے اس کام سے باخبر کرے گا جب کہ وہ نہیں جانیں گے۔"

(۱۲) سورۂ یوسف آیت نمبر۱۰۷ :۔"افامنوا ان تاتیهم غشیة من عذاب الله اوتاتیهم الساعة بغتة وهم لایشعرون۔"۔"یا قیامت کی گھڑی اچانک ان پر آجائے جب کہ وہ متوجہ نہ ہوں۔"

(۱۳) سورۂ نحل آیت نمبر۲۱ :۔" اموات غیراحیاء ومایشعرون ایان یبعثون۔"۔"اور انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی عبادت کرنے والے کب محشور ہونگے۔"

(۱۴) سورۂ نحل آیت نمبر۲۶ :۔" قد مکرالذین من قبلهم فاتی الله بنینهم من القواعد فخرعلیهم السقف من فوقهم واتهم العذاب من حیث لا یشعرون۔""اور عذاب ایسے انداز میں آیا کہ انہیں شعور بھی نہ پیدا ہو سکا۔"

(۱۵) سورۂ نحل آیت نمبر ۴۵ :۔"افامن الذین مکروالسیئات ان یخسف الله بهم الارض اویاتیهم العذاب من حیث لا یشعرون۔"۔"یا سزا ایسی جگہ سے ان کے پاس آپہنچے جہاں سے ان کو توقع ہی نہ ہو۔"

(۱۶) سورۂ مومنون آیت نمبر۵۶ :۔" نسارع لهم فی الخیرات بل لا یشعرون ۔""حالانکہ اس معاملے کا انہیں شعور ہی نہیں۔"

(۱۷) سورۂ شعراء آیت نمبر۲۰۲ :۔" فیاتیهم بغتة وهم لا یشعرون۔""(عذاب الٰہی) اچانک ان کو آئے گا کہ انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔"

(۱۸) سورۂ نمل آیت نمبر۱۸ :۔" حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یایهاالنمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمن وجنوده وهم لا یشعرون۔"۔"کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں روندنہ ڈالے۔"

(۱۹) سورۂ نمل آیت نمبر ۵۰ :۔" ومکروامکراومکرنا

مکراوھم لا یشعرون۔"۔"اور پھر انہوں نے چال چلی اور ہم نے بھی اپنا انتظام کیا کہ انہیں خبر بھی نہ ہو سکی۔"

(۲۰) سورۃ نمل آیت نمبر ۶۵ :۔"قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ ومایشعرون ایان یبعثون ۔"۔"اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔"

(۲۱) سورۃ قصص آیت نمبر ۹ :۔" وقالت امرات فرعون قرت عین لی ولك لاتقتلوہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولداوھم لا یشعرون۔"۔"اور وہ انجام سے بے خبر تھے۔"

(۲۲) سورۃ قصص آیت نمبر۱۱ :۔" وقالت لاختہ قصیہ فبصرت بہ عن جنب وھم لا یشعرون"۔"پس وہ دور سے دیکھتی رہی جبکہ وہ لوگ اس حال سے بے خبر تھے۔"

(۲۳) سورۃ عنکبوت آیت نمبر۵۳ :۔" ویستعجلونك بالعذاب ولولااجل مسمی لجاء ھم العذاب ولیاتینھم بغتۃ وھم لایشعرون"۔"یہ عذاب آخر کار ان پر ناگہانی طور پر نازل ہو گا۔جب وہ بے خبر ہونگے۔"

(۲۴) سورۃ زمر آیت نمبر ۲۵ :۔" کذب الذین من قبلھم فاتتھم العذاب من حیث لا یشعرون"۔"تو ان پر عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آیا جہاں کا وہ خیال بھی نہ رکھتے تھے۔"

(۲۵) سورۃ زخرف آیت نمبر۶۶ :۔"ھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ وھم لا یشعرون"۔"کہ اچانک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر تک نہ ہو۔"

(۲۶) سورۃ انعام آیت نمبر۱۰۹ : "واقسموا باللہ جھدایمنھم لئن جائتھم ء ایۃ لیومنن بھا قل انما الایت عنداللہ ومایشعرکم انھا اذا جاء ت لایومنون"۔"کہدو کہ معجزات خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور تم نہیں جانتے۔"

(۲۷) سورۃ کہف آیت نمبر ۱۹ :۔"وکذلك بعثنم لیتساء لوا بینھم قال قائل منھم کم لبثتم قالوا لبثنا یوما اوبعض یوم قالوا ربکم اعلم بما لبثتم فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ الی المدینۃ فلینظرایھا ازکی طعاما فلیاتکم برزق منہ ولیتلطف ولایشعرن بکم احدا"۔"لیکن اسے چاہیے کہ بڑی احتیاط سے کام لے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو تمہارے بارے میں کچھ بتا بیٹھے۔"

ان تمام آیات کریمہ میں لفظ شعور حس کرنے یا نہ کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔

"اشعار" بھی شعر سے لیا گیا ہے۔ جہاں کلمات کی تنظیم اور ترتیب میں انتہائی دقت سے کام لیا جاتا ہے۔ لہٰذا شعر میں جو نظم وترتیب اور دقت ہوتی ہے ہر شخص کیلئے ممکن نہیں ہوتا کہ اسے درک کر سکے۔ صرف اہل فن ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کتنی لطافت ،باریک بینی اور دقت سے کام لیا گیا ہے۔ شاعر حضرات الفاظ اور کلمات کی ترتیب، قافیہ سازی اور سجع سازی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں خواہ اس قافیہ سازی میں معانی کی بہ نسبت کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو۔ لہٰذا عرب میں مشہور ہے، کہ بہترین شعر وہ ہے جس میں زیادہ جھوٹ ہو۔ شعراء عالم وہم وخیال اور خواب میں زیادہ بات کرتے ہیں۔ مگر ہر وہ چیز جو حقیقت سے عاری اور فاصلے پر ہو

گو وہ زمین پر نہ ہو ہوا میں ہو کسی بھی دن اسکی ہوا نکل جائے گی اور وہ زمین پر گر پڑے گی۔ کچھ یہی حال شعر گوئی کا بھی ہے ایک نہ ایک دن حجاب الفاظ ہٹ جاتا ہے اور حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

کسی بد شکل یا بد گو چیز کو کتنے ہی قیمتی لباس سے آراستہ کریں اسکی تزئین کریں یا کیسی ہی خوشبو سے اسے معطر کریں کبھی نہ کبھی اسکی حقیقت عیاں ہو کر رہتی ہے۔ چونکہ شعر میں کہی جانے والی کثیر باتیں حقیقت سے عاری اور دور ہوتی ہیں' خداوند متعال نے اس فن سے جسے دنیا کا خاصہ بڑا طبقہ اپنے لئے باعث فخر محسوس کرتا ہے' اپنے نبی کو دور رکھا۔ ہمارے نبی کے لئے شعر و شاعری سزاوار نہیں ہے حالانکہ مشرکین نے آیاتِ قرآنی کی حیرت انگیز فصاحت و بلاغت کو درک کرنے کے بعد پیغمبرؐ پر بیک وقت دو ہی تہمتیں تو لگائی تھیں :۔

پیغمبرؐ شاعر ہیں۔

پیغمبرؐ مجنون ہیں۔

سورۂ صافات آیت نمبر ۳۶ :۔"ویقولون ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون۔""اور ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے خداؤں کو ایک مجنون شاعر کی خاطر چھوڑ دیں۔"

شاعر زیادہ تر جھوٹ بولتے ہیں اور دنیا جھوٹ کے پیچھے جاتی ہے۔

سورۂ شعراء آیت نمبر ۲۲۴ :۔ "والشعراء یتبعھم االغاون۔""شاعر تو وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔"

لہٰذا خدا نے پیغمبرؐ سے شعر گوئی کی نفی کی ہے۔

سورۂ یٰسین آیت نمبر ۶۹ :۔ "وما علمنه الشعر۔""ہم نے ہرگز (اپنے رسول کو) شعر کی تعلیم نہیں دی۔"

سورۂ انبیاء آیت نمبر ۵ :۔"بل افتراہ بل ھو شاعر۔""بلکہ اس نے دل سے جھوٹ گھڑ کے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے بلکہ وہ ایک شاعر ہے۔"

سورۂ طور آیت نمبر ۳۰ :۔" ام یقولون شاعر۔""بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک شاعر ہے۔"

سورۂ حاقہ آیت نمبر ۴۱ :۔" وما ھو بقول شاعر۔""اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی کتاب اور نبی سے شعر و شاعری کو نفی کیا ہے کیونکہ شعر و شاعری اکثر حقیقت سے دور ہوتی ہے۔ شاعر عام طور پر ایک وادی میں ہوتا ہے اور اس کا شعر دوسری وادی میں گویا روح عالم برزخ میں اور جسم عالم دنیا میں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ کلی طور پر ہر شاعر بے دین اور بے ایمان ہوتا ہے یا شعراء کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں یا شعراء نے کبھی حق کی حمایت نہیں کی۔ ایسا نہیں ہے۔ پیغمبرؐ اور آئمہؑ کے کئی اصحاب باوفا جو وفاداری کے انتہائی بلند درجے پر تھے' شعر بھی کہتے تھے لیکن شاعری کے حوالے سے معروف نہیں تھے۔ تاریخ میں ہمیں ایسے شعراء ملتے ہیں جو آئمہؑ کے حامی تھے اور ان کا دفاع کرتے تھے جس کی وجہ سے انکی زندگی میں نشیب و فراز نظر آتا ہے۔

شعری یمانی :

یہ ایک ستارے کا نام ہے۔ جو ہمارے سورج کے مقابلے

میں پانچ سو گنا بڑا ہے۔ اسکی نورانیت سورج سے پچاس گنا زیادہ ہے یہ سورج سے ایک ملیون کلومیٹر فاصلے پر ہے۔ دیکھنے میں یہ سیارہ مستقر نظر آتا ہے حلانکہ یہ ایک منٹ میں ایک ہزار میل کا سفر طے کرتا ہے۔ اس ستارے کا ذکر سورۂ نجم آیت ۴۹ میں ملتا ہے۔

دلیل و براہین کا شعائر

خداوند متعال نے اس روئے زمین پر انسان کو دیگر مخلوقات کی بہ نسبت فکر و عقل و شعور سے نوازا ہے۔ کسی بھی انسان کا قول دوسرے انسان کے لئے من و عن حجت نہیں ہے گرچہ بہت سے لوگ انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح کسی انسان کے سپرد کرنے کے لئے یہ جملہ استعمال کرتے ہیں "ہم کیا جانتے ہیں"، لیکن عقل و شرع دونوں اعتبار سے کسی کی من و عن تقلید کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جب تک دلیل و تجربہ سے یہ ثابت نہ ہو کہ اس کی منطق، اسکی باتیں مستند ہیں، وہ ہم سے زیادہ عالم ہے اور امین بھی ہے، کیونکہ تنہا عالم ہونا بھی کافی نہیں جب تک کہ اس کی امانتداری ثابت نہ ہو۔ تمام علوم اور ان سے متعلق کتب کی سند قبولیت دو چیزوں پر منحصر ہے :۔

ایک تجربہ ہے،

دوسرے وحی ہے۔

تجربہ اگر اپنا ہے تو اسمیں جائے اشکال نہیں اگر دوسرے کا ہے تو یہ نقل کی حیثیت رکھتا ہے، اور نقل کی صحت کیلئے بھی معتبر نقل کی ضرورت ہے۔ تمام علماء فریقین اسلام کے فتاویٰ، روایات کی تمام کتب میں موجود روایتیں اور تمام دیگر آسمانی کتب کی آیات کی سند قرآن کریم ہے لہٰذا تمام دلائل و برہان کی حقانیت کا شعائر قرآن کریم سے موافقت ہے۔

شعائر :

شعیرہ کی جمع ہے۔ شعیرہ علامت کے معنوں میں آیا ہے۔ کسی چیز میں کسی دوسری چیز کا اضافہ کیا جائے تو وہ دوسری چیز اس کی علامت بنتی ہے مثلاً اگر گوسفند کے گلے میں پٹہ ڈال دیا جائے تو یہ اس گوسفند کی ایک علامت ہوگی جو اس کو دوسروں سے ممتاز کردے گی اسی طرح اگر اس گوسفند میں کوئی نقص پیدا کردیں مثلاً اسکے سینگ زخمی کردئے جائے تو یہ بھی اسکی ایک علامت ہوگی۔

شعائر اسلامی :۔

اہل لغت اور علماء تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ علامت اور نشانی کو شعائر کہتے ہیں۔ جو چیزیں بندے کو خدا کی یاد دلاتی ہیں، وہ خدا کی علامت و نشانی ہیں۔ جن چیزوں کو دیکھ کر انسان کو یاد خدا آجاتی ہے، یادِ فرائض الٰہی آتی ہے، یاد انبیاء و آئمہؑ تازہ ہو جاتی ہیں واجبات و محرمات خدا یاد آجاتے ہیں شعائر اسلامی کہلاتی ہیں۔

شعائر اسلامی کوئی ایسی چیز نہیں جسے چوراہوں یا سڑکوں پر کوئی شخص اپنی مرضی سے نصب کرے یا خود ایجاد کرے۔ کسی چیز کو شعائر اللہ اور شعائر اسلامی قرار دینے کیلئے ضروری ہے کہ اس چیز میں شعار اللہ ہونے کی صلاحیت ہو اور خدا، رسول اور ائمہ طاہرین اس کی تائید کریں۔ شعائر بھی اپنے درجات و مراتب رکھتے ہیں۔ یہ درجات و مراتب ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے نمایاں فرق رکھتے ہیں۔ بعض زیادہ نمایاں واضح

وروشن ہیں اور بعض کے بارے میں دقت و غور کے بعد پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح ان شعائر کے احکام میں بھی فرق ہے۔ ان کے درجات وفضیلت میں حکم کے لحاظ سے بھی فرق ہوتا ہے۔ ہم کسی شعار کے بارے میں اپنی مرضی سے حکم فقہی وضع نہیں کر سکتے جب تک کہ شریعت کی طرف سے تعین و مصداق کی اجازت نہ ہو۔ دین اسلام کے وہ شعائر جو انسان کو یاد خدا اور یاد دین دلاتے ہیں 'انسانی ذہن میں خدا اور سول و آئمہ طاہرینؑ کا خیال لاتے ہیں یا انسان کو عبادت وبندگی کیجانب متوجہ کرتے ہیں 'ان کی مختصر سی وضاحت قارئین کے پیش خدمت ہے۔ ہم نے مختلف شعائر اسلام کو درج ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے :۔

(۱)۔ شعائر زمانی (۲)۔ شعائر مکانی (۳)۔ شعائر قولی (۴)۔ شعائر حیوانی (۵)۔ شعائر انسانی (۶)۔ شعائر علمائی (۷)۔ شعائر مسلمانی (۸)۔ شعائر شیعی۔

شعائر زمانی :۔

کچھ زمان اپنے اندر وقوع پذیر ہونے والے تاریخی واقعات کی بناء پر یا خدا کی طرف سے اہمیت دیئے جانے کی بنیاد پر محترم ہو جاتے ہیں۔ انکے احترام کو خدا نے اپنے احترام کی علامت قرار دیا ہے۔ یعنی احترام کرنے والے کا یہ عمل اس بات کا شاہد و گواہ ہے کہ وہ اس کو نشانئ خدا گردانتا ہے اسی لئے اس کا احترام کرتا ہے۔

علماء 'فلاسفہ اور سائنسدان وجود انسانی اور انسان شناسی کے بارے میں زمانے کے حوالے سے تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ زمان اس کائنات میں ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ یہ مخلوق خدا ہے۔ خود خداوند عالم نے بھی قرآن مجید کی کثیر آیات میں فرمایا ہے :۔

"خلق الیل والنہار۔ ""دن اور رات کو پیدا کیا"

زمان کی ترکیب 'افادیت اور قدسیت کا اندازہ اسطرح لگایا جاسکتا ہے کہ خدا نے زمان اور زمان پیدا کرنے والے موجودات کی قرآن مجید میں قسم کھائی ہے۔ قرآن میں کثیر مقامات پر خدا نے سورج 'چاند 'دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کی قسم کھائی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمان ایک مخلوق ہے جو انسانی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور خالق کی نظر میں اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اگرچہ خدا سے روگردانی انسان کیلئے کسی بھی لمحہ جائز نہیں۔ زندگی کا جو بھی لمحہ خدا سے روگردانی میں بسر ہو قرآن اسے لہوولعب کی زندگی بتاتا ہے۔ پس انسان کی صحیح زندگی وہی ہے جس میں وہ متوجہ بہ خدا ہو تاہم زمانے کی اکائی سے لے کر انتہائے صدی تک میں کچھ اوقات کو خالصتاً ذات حق کی طرف متوجہ ہونے کا وقت قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ اوقات ہیں جن میں انسان کو خدا کی جانب توجہ کرنا چاہئے انہیں اوقات کو شعائر زمانی کہتے ہیں۔

(۱) اوقات صلوٰۃ :

دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت مختص کئے گئے ہیں کہ ان اوقات میں انسان دنیاداری 'ذات پرستی 'خود پرستی یا خود توجہی سے نکل کر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ ان اوقات کو اوقات صلوٰۃ کہتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نساء آیت ۱۰۳ میں فرمایا :۔

"فاذا قضیتم الصلوة فاذكروا الله قيماً وقعوداً وعلىٰ جنوبكم فاذا اطمانتتم فاقيموا الصلوة ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتا۔"

"نماز در حقیقت ایسا فریضہ ہے جو پابندئ وقت کے

ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے"۔

سورۂ مبارکہ معارج آیت ۳۴ اور سورۂ بقرہ آیت ۲۳۸ میں اوقات نماز کی محافظت اور پابندی کی ہدایت و تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ اوقات نماز شعائر اللہ ہیں۔

اوقات نماز کے شعائر اللہ ہونے کے ثبوت میں اتنا ہی کافی ہے کہ خداوند عالم نے ان کی قسم کھائی ہے اور ان افراد کی مذمت کی ہے جو اوقات نماز کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان اوقات کا ذکر خود قرآن کریم میں آیا ہے۔

فجر

نماز فجر اور روزے کی نیت کا ذکر سورۂ مبارکہ اسراء آیت ۷۸ اور سورۂ مبارکہ بقرہ آیت ۱۸۷ میں ہے۔

وقت زوال

سورۂ مبارکہ اسراء آیت ۷۸ میں فرمایا: "نماز کو بوقتِ زوال شمس ادا کرو"۔ سورۂ مبارکہ بقرہ آیت ۲۳۸ میں تمام اوقات نماز کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے مگر صلوٰۃ الوسطیٰ کا خصوصی طور پر ذکر ہے کہ اسکی حفاظت کرو۔

صلوٰۃ الوسطیٰ کی تشخیص کے بارے میں بعض علماء و مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ خود خداوند متعال نے دین میں بعض چیزوں کو مجہول رہنے دیا ہے تاکہ سب پر عمل ہو جائے ان میں سے ایک صلوٰۃ الوسطیٰ ہے جسے مجہول رکھا ہے تاکہ تمام نمازوں کی محافظت اور پاسداری کی جائے۔ لیکن یہ بات نہ صرف منطق اور عقل سلیم کے خلاف ہے بلکہ عربی قواعد کے تحت حروف ترکیبی سے بھی مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ اگر سب نمازوں کی اتنی ہی محافظت کرنی ہے تو سب کے ساتھ شدت اور تاکیدی کلمات و حروف استعمال ہوتے جبکہ ایسا نہیں۔

صلوٰۃ الوسطیٰ کو صیغۂ معروف کی صورت میں الف لام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس حوالہ سے بھی صلوٰۃ الوسطیٰ ایک معروف صلوٰۃ ہے۔ یہ کہنا کہ اس سے پانچ اوقات میں سے کون سا وقت مراد ہے اس بات کی صراحت نہیں کی گئی ہے، درست نہیں کیونکہ وسطیٰ کا صیغہ معروف میں لانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معروف نماز ہے، پس بہت سے محققین و مفسرین نے صلوٰۃ الوسطیٰ کو ظہر کی نماز قرار دیا ہے۔ کیونکہ ترکیب لفظی اور عربی قواعد کے اصول کے علاوہ ایک لحاظ سے یہ وسط دن کا وقت ہے اور دوسرے لحاظ سے اسے جو اہمیت حاصل ہے وہ وسط عمل ہے۔

وقت عصر :

خداوند عالم نے سورۃ العصر میں عصر کی قسم کھائی ہے۔ اس بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد وقت عصر ہے۔ اسکے علاوہ سورۂ مبارکہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۳۰ اور سورۂ ق آیت نمبر ۳۹ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

وقت مغرب :

مغرب کے بارے میں سورۂ مبارکہ بقرہ آیت ۱۸۷، سورۂ ص آیت ۱۸، سورۂ والیل اور وضحیٰ آیت نمبر ۲ میں ذکر ہے۔

وقت عشاء

سورۂ مبارکہ آل عمران آیت ۱۴۱ میں وقت عشاء کا ذکر ہے

نماز اول وقت میں

کتاب دائم الاسلام، جلد اول صفحہ ۱۳۷ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ نماز کیلئے دو وقت ہیں۔

ایک وقت اول'
دوسرا وقت آخر
اول وقت افضل ہے' آخر وقت تک انتظار نہیں کرنا چاہئے۔
آخر وقت مریض اور معذور لوگوں کیلئے ہے۔ اول وقت رضوان اللہ ہے' آخر غفران اللہ ہے۔ اگر انسان بغیر عذر کے تاخیر کرے تو عفوو درگزر بھی نہیں ہے۔ بروقت نماز کی ادائیگی اس بات سے کئی گنا بہتر ہے کہ اس وقت انسان اولاد کے لئے یا کسب مال ودولت میں مصروف رہے۔ اوقات نماز کو ہلکا سمجھنے والوں کی قرآن نے ملامت کی ہے جبکہ حفظ اوقات نماز کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ اوقات نماز کی رعایت اور اہمیت کو واضح کرنے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ حالت جنگ میں بھی اس نماز کو وقت پر (البتہ نماز قصر) پڑھنے کا حکم ہے یعنی حالت خوف میں بھی اول وقت کا خیال رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

کتاب مختارات سنن انبیاء صفحہ ۳۷ پر ہے کہ پیغمبر اکرمؐ وقت صلوٰۃ کا انتظار کرتے تھے اور جیسے جیسے وقت قریب آتا آپؐ کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ وقت نماز داخل ہوجانے کے بعد بھوک' پیاس' اہل خانہ' دوست' احباب' غرض یہ کہ کوئی چیز بروقت نماز کی ادائیگی میں حائل نہیں ہوپاتی تھی۔

وقت نماز کا خیال رکھنا سیرت ائمہ علیھم السلام ہے۔ مولائے متقیان جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ صفین میں دوران جنگ تیروں کی بارش میں نماز ادا کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے تیس ھزار لشکر کے محاصرہ اور اپنے نصف سے زیادہ اصحاب کے جنازوں کے درمیان اول وقت میں نماز (خوف) ادا فرمائی اور ابو تمامہ صیداوی جنھوں نے وقت نماز کا اشارہ کیا تھا انکے حق میں دعا فرمائی۔

بروقت نماز کی ادائیگی اہم ترین شعار ہے جس کا ہر فرد مسلمان کا ہر روز اہتمام کے ساتھ خیال رکھنا علامت اسلام و مسلمانی ہے۔ مگر افسوس آج امت اسلامی کے دونوں فرقوں نے اسے اپنے اپنے فرقہ کی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ اہل تشیع نے وقت فضیلت کا انتظار نہ کرنے کو اپنا شیوہ بنایا ہوا ہے اور اہل تسنن مستحب نمازوں کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت دینے کی خاطر فرض نماز وقت فضیلت کے بعد پڑھتے ہیں۔

کیا عجب تضاد ہے! ایک طرف تو ہم دنیاوی ترقی و تمدن میں اہل مغرب کے برابر پہنچنے کے ارمان و حسرت میں تڑپ رہے ہیں جبکہ دوسری جانب اپنے مذہب کی رسومات کے بارے میں اپنے آباؤ اجداد کی سیرت کو زندہ رکھنے کو اپنی انا اور وقار کا مسئلہ بنائے

(۲) شعائر ہفتگی: (یعنی جمعہ)

دنیائے علم و تمدن میں' سماج اور معاشرہ شناسی (یعنی اجتماع انسان) کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

اسلام میں بھی اجتماع انسان کو خاص اہمیت حاصل ہے مثلاً حکم ہے کہ نماز پنجگانہ مسجد میں پڑھو بلکہ جماعت کے ساتھ پڑھو' تیسرے مرحلہ پر ہفتہ میں ایک دن یعنی بروز جمعہ دو فرسخ کے اندر رہنے والے تمام عاقل وبالغ مسلمانوں کے لئے ایک مسجد میں جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھنا اہم ترین واجبات دینی میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اس دن کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ خداوند متعال نے ایک مکمل سورۂ (یعنی سورۂ جمعہ) کو اسی نام سے

مختص کیا ہے۔

سورۂ جمعہ میں نماز جمعہ کے لئے مختص اور معین اجتماع کے بارے میں حکم آیا ہے کہ اس دن جب منادی اذان دے جمع ہو جاؤ۔

سورۂ جمعہ آیت نمبر ۹ :۔

" یاایھا الذین امنو ا اذانودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔"

"اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کے دن نماز کیلئے پکارا جائے تو خدا کی طرف دوڑ پڑو۔"

وسائل الشیعہ جلد ۷ باب ۴۰ حدیث ۹۶۱۸ میں عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ خدا نے ہر چیز میں سے ایک چیز کو منتخب کیا ہے۔ پس دنوں میں اس نے جمعہ کا انتخاب کیا ہے۔

ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ جب سے سورج نے طلوع ہونا شروع کیا ہے جمعہ سے افضل کوئی چیز نہیں ہے۔

ابان بن تغلب نے حدیث ۹۶۲۰ میں امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کیلئے حق حرمت ہے اس دن کو ضائع نہ کرو۔ عبادت کرو محرمات چھوڑ دو۔ اس دن حسنات دگنے ہو جاتے ہیں گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

حدیث ۹۶۲۲ کے مطابق خدا نے پیغمبرؐ سے فرمایا کہ جمعہ کو عید مناؤ۔

حدیث ۹۶۲۳ امام محمد باقرؑ سے نقل ہے کہ جمعہ کے دن اگر کوئی اہلبیت کا حق جانتے ہوئے مر جائے تو اسکے لئے عذاب اور جہنم سے برائت ہے۔

وسائل الشیعہ صفحہ ۳۰۰ حدیث ۹۳۹۸ امام جعفر صادقؑ نے رسولؐ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ مت چھوڑو، یہ مسکینوں کا حج ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ عید الضحیٰ ۱۰ مرتبہ چھوٹنا میرے لئے گوارا ہے لیکن جمعہ ایک مرتبہ چھوٹنا گوارا نہیں۔

جو کوئی بغیر علت کے تین مرتبہ جمعہ کی نماز چھوڑے خدا اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

جمعہ سب پر واجب ہے سوائے عورت، غلام، بچہ اور مریض کے۔

حدیث ۹۳۸۲ کے مطابق جمعہ سب پر واجب ہے لیکن نو (۹) گروہ پر نہیں۔ بچہ، بوڑھا، دیوانہ، مسافر، غلام، عورت، مریض اور اندھا اور وہ جو اپنے گھر سے دو فرسخ سے زیادہ فاصلہ پر ہو۔

حدیث ۹۴۲۰ میں امام باقرؑ سے نقل ہے کہ جمعہ مسلمانوں کے سات (۷) گروہ پر لازم ہے امام پر، قاضی پر۔ حق کا دعویٰ کرنے والے پر، مدعا علیہ پر، دو گواہوں پر اور اس پر جس پر حد جاری ہو۔

حدیث ۹۴۲۴ میں امام صادقؑ سے نقل ہے کہ اگر کوئی قوم کسی ایسے قریہ میں ہو جہاں خطیب نہ ہو تو جمعہ کی نماز چار رکعت پڑھو لیکن اگر ان میں کوئی خطیب موجود ہو اور پانچ آدمی ہوں تو جمعہ کی نماز دو رکعت پڑھو باقی ۲ رکعت کی جگہ ۲ خطبے ہونگے۔

حدیث ۹۴۲۵ امام علیؑ نے فرمایا۔ جمعہ نہیں ہوتا مگر اس شہر میں جہاں حدود جاری ہوں۔

امام رضاؑ سے حدیث ۹۴۳۰ میں منقول ہے کہ جمعہ واجب ہے ان پر جو فرسخین کے فاصلے کے اندر رہوں۔

کیونکہ اگر ۲ فرسخ کے فاصلہ پر ہوں تو آنے جانے میں ۴ فرسخ ہو جاتے ہیں اور مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔

حدیث ۹۴۴۶ :۔ ابی العباس نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ نہیں ہوتا بغیر خطبے کے۔ یہ خطبے دو رکعات کی جگہ پر ہیں۔

جمعہ کے دو اجتماعات کے درمیان ۳ میل شرعی سے کم فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس سے کم فاصلے پر دو جمعہ نہیں ہو سکتے۔

علاوہ بریں اس دن کی فضیلت میں پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ اطہارؑ سے کثیر روایات وارد ہوئی ہیں۔

وسائل الشیعہ کا چالیسواں باب تعظیم یوم جمعہ کیلئے مختص ہے حدیث نمبر ۹۶۱۸ میں نقل ہے: امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے ہر چیز میں سے کوئی ایک چیز منتخب کی ہے پس دنوں میں جمعہ کو منتخب کیا ہے۔

حدیث نمبر ۹۶۲۴ میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے: آپ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کو جمعہ کیوں کہتے ہیں تو فرمایا: ''خداوند عالم نے مخلوقات کو اس دن حضرت محمدؐ اور آپؐ کے وصی کے ساتھ نزدیکی و قربت کیلئے جمع کیا ہے' لہٰذا اسے جمعہ کہا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۹۶۲۷ میں امام جعفر صادقؑ نے سورۂ بروج میں شاہد و مشہود کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اسے جمعہ سے تعبیر کیا ہے۔

حدیث نمبر ۹۶۳۵ کے مطابق جمعہ کو یوم ظہور امام زمان قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں نماز جمعہ کو حج مساکین قرار دیا گیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق جمعہ عید مسلمین ہے۔

اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اپنی اہمیت اور فضیلت کی بنا پر جمعہ شعائر اللہ ہے جمعہ دوسرا شعائر زمانی ہے۔ کیونکہ اس دن ندا اور دعوت اجتماع کو ذکر اللہ سے مربوط کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی اجتماعات کا آغاز و انجام ذکر اللہ سے ہونا چاہئے۔ چنانچہ خداوند کریم نے مختلف آیات میں ذکر اللہ کی دعوت دی ہے۔ مثلاً: سورۂ مبارکہ نساء آیت ۱۰۳، سورۂ رعد آیت ۲۸، سورۂ مبارکہ بقرہ آیت ۲۰۳، سورۂ عنکبوت آیت ۴۵۔

اس دن کی اہمیت اور اس کے شعائر اللہ ہونے کا سبب درج ذیل نکات کی طرف متوجہ ہونے سے واضح ہوتا ہے:۔

(۱) اجتماع کے حوالہ سے سوائے مستثنیٰ افراد کے تمام مسلمانوں پر دو فرسخ کے اندر جمع ہونا واجب ہے۔ دو فرسخ سے کم فاصلہ پر جمعہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) جمعہ کے دن ظہر سے پہلے سفر کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے شوم قرار دیا گیا ہے۔

(۳) جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اجتماعِ جمعہ ذکر خدا کیلئے ہے۔ لہٰذا روایات اور فتاوائے علماء کے مطابق جمعہ کے دو خطبات میں جو دو رکعات کی جگہ ہیں 'تقوائے خدا اپنانے' ترک معصیت کرنے مادہ پسندی اور مادہ سے وابستگی کو ترک کرنے کی دعوت دینا چاہئے۔ ان خطبات میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کا ذکر کرنا چاہئے' جن چیزوں کیلئے انھیں آمادہ ہونے کی ضرورت ہے اور جن چیزوں سے خطرہ لاحق ہے ان سے انھیں آگاہ کرنا چاہئے۔

(۴) خطیب کے مرتبہ کا اندازہ یوں لگایئے کہ سورۂ جمعہ میں محور اور مرکزیت نماز جمعہ کو حاصل ہے اور اس سورۂ مبارکہ میں تسبیح و تنزیہہ خدا کے بعد فلسفۂ بعثت انبیاء اور انبیاء کی ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔ اسی لئے آج تک دوسرے خطبہ میں اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں کے ہاں پیغمبرؐ اور آل پیغمبرؐ پر صلوٰۃ و درود بھیجا جاتا ہے اور اسے جزو خطبہ قرار دیا گیا ہے۔ انہی ذوات مقدسہ نے اپنی حیات مبارکہ میں نماز جمعہ کا قیام فرمایا اور آج انکی جگہ پر یہ امام و خطیب جمعہ ہیں۔ یہ ہے جمعہ کے خطیب کا مرتبہ و مقام۔ بہر حال اس سلسلے میں مومنین کی بھی کچھ ذمہ داری ہے۔ جو مومنین نماز جمعہ کی اہمیت سمجھتے ہیں انہیں امام و خطیب کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ اگر وہ اس معاملہ میں مصلحتوں کا شکار ہوئے تو انکا شمار خط اہل بیت سے منحرف انسانوں میں ہوگا کیونکہ اہل بیتؑ کی نظر میں امامت مصلحت ناپذیر ہے۔ جمعہ کے خطبوں میں درج ذیل دو اہم نکات کا ذکر ہونا لازمی ہے :۔

(۱) یاد خدا، یاد قیامت اور دعوت عمل صالح۔

(۲) مصلحت اسلام و مسلمین۔

دور حاضر میں ہمارے یہاں جمعہ کے اجتماعات میں عربی متن کا خطبہ پڑھا جاتا ہے جو ان دونوں نکات سے عاری ہوتا ہے اگر عاری نہ بھی ہو تو سامعین زبان نا آشنا ہونے کے سبب اسکو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ ہیں۔ اگر کہیں کوئی خطبہ ان روایتی خطبوں سے ہٹ کر ہوتا ہے تو وہ جزو منفصل ہے، نظر سیاست روایتی ہے دینی نہیں۔ اگر کہیں وعظ وارشاد کی بات ہوتی بھی ہے تو وہ مصلحت امت سے عاری ہوتی ہے۔

لہذا نماز جمعہ میں بہت سے لوگوں کی شرکت عبادت کی غرض سے کم اور احباب و اعزا سے ملاقات کی غرض سے زیادہ ہوتی ہے۔

مہینہ اور مہینوں کے شعائر :

دنوں اور ہفتوں کے شعائر زمانی کے بعد سال میں موجود مہینے اور مہینوں کے شعائر ہیں۔ مہینوں کے شعائر دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

رمضان شعائر اللہ ہے

آیات و روایات کی رو سے ماہ مبارک رمضان شعائر اللہ زمانی ہے۔ جب بھی اس مہینے کا ذکر آتا ہے تو فوراً ہی یاد خدا اور یاد اسلام آجاتی ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ مبارک بقرہ آیت ۱۸۵ میں اس مہینے کا ذکر آیا ہے۔ چند خصوصیات کی بناء پر یہ مہینہ شعائر اللہ اور شعائر اسلام ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ماہ رمضان کے روزوں کا ذکر آیا ہے اور حدیث قدسی کے مطابق فرمان الٰہی ہے کہ :"روزہ میرے لئے ہے میں ہی اس کا اجر دونگا"۔

(۲) سورۂ مبارکہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵، سورۂ دخان آیت نمبر ۳ اور سورۂ انا انزلنا کے مطابق یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔

(۳) پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ اطہارؑ سے مروی روایات کے تحت اس مہینے کا نام ہی شہر اللہ ہے چنانچہ کتاب میزان الحکمۃ حدیث نمبر ۷۴۴۲ میں اس مہینہ کو تنہا رمضان کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا بلکہ شہر رمضان کہو۔

جب اس مہینہ کا نام ہی اسمائے حسنۂ الٰہی میں سے ہے تو یہ شعائر اسلام کیوں نہ ہو۔ حدیث نمبر ۷۴۴۸ میں وداع رمضان کی دعا میں حضرت امام سجادؑ نے فرمایا: ''اے خدا کے بزرگ مہینے، اے اولیائے خدا کی عید کے دن! آپ پر میرا سلام ہو۔''

حدیث نمبر ۷۴۴۹ میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ''ماہ مبارک رمضان برکت، رحمت اور مغفرت کے ساتھ تمھاری طرف آیا ہے۔ مہینوں میں یہ مہینہ افضل ہے، اسکے دن، دنوں میں افضل ہیں اور اس کے گھنٹے، گھنٹوں میں افضل۔ اس مہینہ میں خدا نے تمھیں اپنی طرف دعوت دی ہے۔ تمھاری ہر سانس تسبیح ہے، تمھارا سونا عبادت ہے اور عمل مستجاب و مقبول ہوتا ہے''۔

حدیث نمبر ۷۴۵۰ میں فرمایا: یہ مہینہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ قدر میں بھی اسکا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۷۴۵۳ میں فرمایا: ''اس مہینہ میں جہنم کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، شیطان پابند سلاسل ہو جاتا ہے۔''

حدیث نمبر ۷۴۵۷ میں فرماتے ہیں: ''وہ انسان شقی ہے جو اس مہینے میں اپنی مغفرت نہ کرا سکے''۔

حدیث نمبر ۷۴۶۱ میں ہے: ''جس شخص کی بخشش ماہ رمضان میں نہ ہوئی وہ آئندہ رمضان تک مغفرت کیلئے انتظار کرے یا پھر خود کو عرفہ کے دن میدان عرفات میں پہونچادے۔ یہ مہینہ عبادت دعاؤں اور تلاوت قرآن کریم کے حوالہ سے تمام مہینوں میں عظیم ترین شعائر اللہ ہے۔

آیات و روایات کے حوالہ سے اس مہینہ کا تیسرا عشرہ لیالئی متبرکہ ہے۔ اسمیں توجہ بخدا کی زیادہ تلقین اور ہدایت کی گئی ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہمارے دین کی مہار ایسے افراد کے ہاتھوں میں آگئی ہے جن کی مثال یوں ہے کہ شہر کے راستوں، سڑکوں اور گلیوں سے آشنا شخص کی سواری کی لجام ایک ناواقف انسان پکڑ لے اور اس شخص دانا کو اپنی مرضی سے گھماتا پھرے۔

مساجد کی انتظامیہ اور بعض مومنین اس رات امام مسجد سے جو انکے نزدیک عالم دین ہے، دین شناس ہے، جبراً (۱۰۰) سو رکعات نماز ہائے قضاء عمری پڑھواتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض کی مساجد میں صرف شب قدر ہی کو قضائے عمری کی رات سمجھا جاتا ہے۔

اگر چہ اس رات میں نمازیں پڑھنا ایک عبادت ہے لیکن صرف نماز ہی تو عبادت نہیں ہے۔ یہ رات توجہ بخدا کی رات ہے۔ لہٰذا ہونا یہ چاہئے کہ کسی مسجد میں تفسیر قرآن کے دروس ہوں، کہیں دعاؤں کا سلسلہ معہ ترجمہ ہو، کہیں مقابلۂ حسنِ قرأت ہو۔ گویا ہر گروہ کے ذوقِ عبادت کے مطابق اجتماعات عبادی منعقد ہونے چاہیں۔

سورۂ قدر کی تفسیر میں واردہ روایت جو کہ درمنثور میں نقل ہے۔ معصوم نے فرمایا کہ: یہ رات حکومت کی رات ہے یعنی اسلامی ملک میں احکام و حدود الٰہی کے اجراء و نفاذ کے بارے میں سوچنے کی رات ہے۔

''یہ کجا اور وہ حرکت ظلم کجا''۔

جس شخص نے ساٹھ سال کی عمر، یعنی حد ریٹائرمنٹ تک نماز ہی نہ پڑھی ہو، اپنے نوبالغ معصوم نمازی بچے کو مسجد میں قضائے عمری پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی طرح برادران اہل سنت کے ہاں اس رات مساجد میں نمازوں میں لمبی لمبی سورتوں کی

تلاوت پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہمارا یہ عمل نسل نوجوان کو اس مہینے اور اس دن کی اہمیت و فضیلت درک کرنے سے مایوس کرنے کے علاوہ کوئی اور کردار نہیں ادا کرتا ہے۔ تاہم مجموعی طور پر خدا کے فضل و کرم سے ہمارے وطن اسلامی میں ابھی تک اس مہینے کو شعائر اللہ کا احترام حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں احترام کی پابندی کرنے والوں کی قدردانی کرنی چاہئے۔ ہمارے وطن اسلامی پاکستان میں ماہ رمضان اس مشفق و مہربان سرپرست کی مانند ہے جو اپنے وطن میں اپنے عزیزوں کے درمیان چھٹی پر آیا ہو، ہر ایک کے لئے تحفے تحائف اور محبتوں سے لبریز ہو اور سب کیلئے پیار و محبت کے جذبات اور غلطیوں سے عفوو درگزر کا پیغام لیکر آیا ہو اس کی آمد سے انہیں خوشی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے اندر آزادی، استقلال اور خود مختاری کے جذبات محسوس کرتے ہیں۔ مگر جونہی وہ واپس جاتا ہے، جس دن اس کی چھٹی ختم ہو جاتی ہے انہیں ناگواری کا احساس ہوتا ہے جسطرح آمد کے دن اظہارِ خوشی اور استقبال کیا تھا جانے والے روز افسوس ہوتا ہے۔۔ رمضان کی آمد پاکستان میں لوگوں کیلئے خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ بات اسلامی شعائر کی تعظیم اور احترام کا مظہر ہے۔

دنیا کے بہت سے اسلامی ملکوں کے مقابلے میں یہ ملک قابل ستائش ہے۔ یہاں ماہ رمضان کی آمد سے مومنین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑتی نظر آتی ہے الحمد اللہ اس ملک میں اسلام کے محافظ موجود ہیں۔ لیکن عید کی آمد کے ساتھ ہی اہل اسلام مسلمانوں کو مارنا اور زخمی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عید کی رات سے ہی ٹی وی پر اور بازاروں میں فلم، گانے، فحاشی عریانی اور بے حجابی عام ہو جاتی ہے۔ کل تک پی۔ ٹی۔ وی۔ شعائر اسلامی کا مظہر تھا کیونکہ اس سے تلاوت قرآن پاک نشر ہو رہی تھی لیکن عید کی رات سے ہی یہ شعائر اسلامی سے دور ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عید روزہ داروں کیلئے اجتماعی نماز اور ملنے ملانے کے حوالے سے باعث خوشی ہوتی ہے لیکن اسلام پر عید کے نام سے جو ضربت لگتی ہے وہ قابل افسوس ہے۔ اس دن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدانخواستہ یہ ملک اندلس میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ایک نہ ایک دن اس ملک کے اسلام دان معتقدین شعائر اس بات کو محسوس کریں گے اور ان شعائر کا لحاظ رکھیں گے۔

رویئت ہلال :۔

چاند تقویم اسلامی اور زمان سازی میں دوسری حقیقت ہے کیوں کہ چاند کے غیاب کے بعد دوبارہ پہلی بار نظر آنے کو مہینے کا آغاز قرار دیا گیا ہے۔ رویئت ہلال کے سلسلے میں ہمیں چند زاویوں سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے :۔

ا۔ پہلا زاویہ خالص نظام فلکی سے متعلق ہے۔ چاند کی رویئت کے بارے میں پہلے مرحلہ میں تین مسلمہ صورت حال ہیں :۔

(i) اس روئے زمین پر رہنے والے کسی بھی فرد کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ چاند کو بصرِ عادی یا بصرِ ٹیکنالوجی اسوقت دیکھ سکے جب وہ بااصطلاح علمِ نجوم محاق میں ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ وقت ہے جب چاند تحت شعاع میں ہوتا ہے یعنی اس دوران اس پر سورج کی شعائیں نہیں پڑتیں کیونکہ زمین بیچ میں حائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اسوقت

کسی کے لئے چاند دیکھنا ممکن نہیں۔

(ii) دوسری صورت حال یہ ہے کہ چاند زمین کے ایک خطےّ یا چند علاقوں میں نظر آتا ہے اور دوسرے خطوّں میں نظر نہیں آتا۔ یہ نظر نہ آنے کا سبب کبھی عارضی ہوتا جیسے بادل چھائے ہوئے ہوں اور کبھی طبیعی جیسے پہاڑ یا فاصلے حائل ہوں لہٰذا یہ محاق سے نکلنے کے باوجود بھی نہیں آتا۔ یہ افق کا مسئلہ نہیں ہے۔ علماء ہیئت کے بقول اگر ایک ہموار میدان کو دور سے دیکھا جائے تو جہاں انسان کی آخری نظر پڑتی ہے وہاں آسمان اور زمین متصل نظر آتے ہیں اسی کا نام افق ہے۔ دنیا میں موجود انسانوں کے حوالے سے افق چند حصوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ملیارڈ انسانوں کیلئے بلیون افق ہونگے۔ افق کبھی ایک محلّہ تک محدود ہوتا ہے اور کبھی بہت بڑا علاقہ کسی ایک افق کے زیر اثر ہوتا ہے اس مقام پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ آیا ہر افق کے علاقہ والے کسی بھی افق میں چاند نظر آنے کے بعد مہینے کی پہلی کریں گے یا ہر افق میں الگ الگ چاند نظر آنا ضروری ہے ۔البتہ افق کے مقیاس ،یعنی اس کے ناپنے کیلئے فقہاء کے پاس کوئی واضح کسوٹی نہیں ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کے بیان کو علم فلکیات کے ماہرین پر چھوڑا ہے۔

(iii) تیسرا تصور رویئت یہ ہے کہ چاند محاق سے نکلنے کے دو تین دن گزرنے کے بعد روئے زمین کے تمام انسانوں کیلئے نظر آتا ہے اسوقت سب چاند دیکھ سکتے ہیں سوائے موانع عارضی کے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ فقہی ہے۔ فقہی حوالے سے شریعت اسلام میں تمام معاملات دنیوی یعنی اجتماعیات ' سیاسیات ' اقتصادیات اور بالخصوص عبادات چاند کی رویئت سے مربوط ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں فقہاء اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ عبادات مثلاًروزہ ' حج وغیرہ کا انجام اسی افق سے تعلق رکھتا ہے جس افق میں چاند نظر آیا ہو ' یا نظر آنا سب کیلئے میسر ہو یا ممکن ہو اگر چہ نظر نہ آئے۔ یہ وہ فقہاء ہیں جنہوں نے رویئت کو افق سے مربوط کیا ہے۔ فقہاء کے دوسرے گروہ جس کی قیادت آیت اللہ العظمٰی خوئی مرحوم کو حاصل تھی ' کے نزدیک افق شرط نہیں ہے کسی بھی خطہّ میں چاند نظر آنے کے بعد دوسروں کیلئے مہینہ ثابت ہوگا اور اس پر عمل ہوگا۔

دوسرا نکتہ اس مسئلہ فقہی میں چاند کی رویئت پر عمل کرنے سے متعلق ہے۔ احکام فقہی میں روزے کا افطار واجب ہونے اور حرام ہونے کے درمیان تزاحم ہے یعنی اگر چاند ثابت نہیں ہے تو روزہ کھولنا حرام اور اگر ثابت ہوگیا تو رکھنا حرام ہے۔ چاند کے ثبوت کے بارے میں ایک عرصے سے ہمارے فقہاء و مجتہدین عظام کے فتاوٰی اور عمل دونوں لحاظ سے دو طریقے چلے آرہے ہیں۔ جو لوگ مرجع وقت اور ولایت فقیہہ کے علاقے میں رہتے ہیں ان کیلئے مسئلہ آسان ہے مجتہد چاہے یہ فرمائیں کہ چاند ہمارے لئے ثابت ہوگیا ہے یا یہ فرمائیں کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ عید کریں۔ عمل آسان ہے۔ لیکن مرجع اور فقیہہ کے علاقے سے دور رہنے والوں کیلئے یہ بات ہمیشہ غیر واضح رہی ہے کہ آیا مجتہد نے حکم دیا ہے یا ثبوت ہونے کے بعد بتایا ہے۔ اگر حکم دیا ہے تو یہ بات مشتبہ ہے کہ یہ حکم محض اسی علاقے سے متعلق ہے یا ہمارا علاقہ

بھی اس حکم میں شامل ہے۔

تیسرا مسئلہ سیاسی اور اجتماعی ہے چاند کے بارے میں تیسرا اہم نکتہ اجتماعی اور سیاسی ہے۔ سیاسی اس لئے ہے کہ قدیم زمانے میں جسطرح اسلامی حکومت کے دور میں خلفائے اسلام عید کا اعلان کرتے تھے، آج سیکولر حکمران عید کے فیصلے کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر اپنی صوابدید پر اس کا اعلان کرتے ہیں۔ ان کے اعلان کے بعد رعیت کیلئے مزاحمت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اجتماعی حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ جہاں شیعوں کی اکثریت ہے جیسے ایران اور بعض دیگر مناطق وہاں اگر روزہ کھول لیں یا نہ کھولیں کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا۔ لیکن جہاں برادران اہلسنت کے ساتھ مخلوط اجتماع ہے وہاں عید میں اختلاف مسلمانوں کے درمیان نفرت اور کدورت پھیلنے کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں علماء اور دانشمنداوں کو چاہئے کہ اپنے مجتہدین کرام اور فقہائے عظام سے کسب تکلیف کریں کہ جہاں شیعہ حضرات برادران اہلسنت کے اجتماع میں اور انتہائی قلیل تعداد میں ہوں وہاں اختلاف ہونے کی صورت میں ان کے لئے عید کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے۔

شعائر زمانی کے بھی چند مصداق ہیں۔ مثلاً :

(۱) بعض زمان انسان کو یاد خدا دلاتے ہیں۔ جیسے رمضان شہر اللہ ہے۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵ :۔ "شھر رمضان الذی انذل فیه القران۔" "ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۱۷ :۔ " یسئلونك عن الشھر الحرام قتال فیه۔" "پیغمبر یہ آپ سے محترم مہینوں کے جہاد کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔"

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ :۔ " الشھر الحرام بالشھر الحرام ۔" "شہر حرام کا جواب شہر حرام ہے۔"

سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲ :۔ "یایھا الذین امنو لا تحلوا شعٰئِر الله ولا الشھر الحرام۔" "ایمان والو! خبردار خدا کی نشانیوں کی حرمت کو ضایع نہ کرنا اور نہ محترم مہینے۔"

سورۂ مائدہ آیت نمبر ۹۷ :۔ " جعل الله الکعبة البیت الحرام قیما للناس والشھر الحرام والھدی والقلٰئِد۔"

"اللہ نے کعبہ کو جو بیت حرام ہے اور محترم مہینے کو اور قربانی کے عام جانوروں کو اور جن جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈال دیا گیا ہے سب کو لوگوں کے قیام وصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے۔"

سورۂ القدر آیت نمبر ۳ :۔ " لیلة القدر خیر من الف شھر۔" "شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔"

سورۂ التوبہ آیت نمبر ۳۶ :۔ " اربعه حرم" "چار مہینے محترم ہیں۔"

سورۂ البقرہ آیت نمبر ۱۹۷ :۔ " الحج اشھر معلومت۔" "حج چند مقررہ مہینوں میں ہوتا ہے۔"

سورۂ التوبہ آیت نمبر ۵ :۔ " فاذا انسلخ الا شھر الحرم۔" "پھر جب یہ محترم مہینے گذر جائیں۔"

اَشھرِ حرُم

سال میں چند مہینے اشھر حرُم کہے جاتے ہیں، اشھر جمع ہے

حرم بھی جمع ہے' یہ چند مہینے جو محترم کہے جاتے ہیں 'ان کے احترام کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۲ میں کیا گیا ہے۔ لیکن اشہر حرم کی تفسیر و توضیح کے سلسلہ میں چند نکات توجہ اور وقت طلب ہیں :۔

(۱) یہ جو چند مہینے اشہر حرم ہیں انکی تعداد کیا ہے ؟اس سلسلہ میں سورۂ مبارکہ توبہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا کہ وہ چار مہینے ہیں۔

(۲) یہ چار مہینے قمری ہیں شمسی نہیں ہیں۔ ان کو قمری سے شمسی میں تبدیل کرنا حرام ہے' کفر ہے۔ان مہینوں میں کسی قسم کی تغیرو تبدیلی حرام ہے۔

(۳) یہ مہینے اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد معروف مہینے ہیں چنانچہ سورۂ مبارکہ مائدہ آیت نمبر ۳ اور دیگر آیات میں جہاں اس کا ذکر ہے' شہر اور حرم دونوں پر الف لام کا اضافہ کیا گیا ہے (الشھر الحرم) یہ الف لام معرفت کی دلیل ہے۔ وہ دوسری آیت سورۂ مبارکہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۴ ہے۔

(۴) اسلام سے پہلے ان مہینوں میں جنگ و غارتگری کے ممنوع ہونے کیوجہ سے انہیں اشہر حرم قرار دیا گیا تھا۔ جنگ کے ممنوع ہونے کے حوالہ سے ہی یہ مہینے ''معروف'' ہیں۔ لیکن سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷ میں فرمایا کہ حج کے مہینے ''معلوم'' ہیں۔ جس طرح جنگ کے ممنوع ہونے کے چند مہینے ہیں' اسی طرح حج کے بھی چند مہینے ہیں۔

(۵) آیا جنگ و غارتگری کے لئے ممنوعہ مہینے اور حج کے مہینے دونوں الگ الگ ہیں یا متداخل ہیں کیا یہ ' دونوں ایک ہی ہیں اور دوزاویوں سے دونام دئے گئے ہیں ؟

(۶) کیا جنگ کے ممنوع ہونے کی وجہ سے حج کو ان مہینوں میں قرار دیا ہے یعنی پہلے اشہر حرم ہے اور حج کو اس مہینے میں قرار دیا ہے ؟ یا پہلے حج ہے اور حج کی وجہ سے یہ مہینے اشہر حرم قرار پائے ہیں ؟۔ یہ دو نقطۂ نگاہ انتہائی توضیح اور تفسیر طلب ہیں۔ انکی تفسیر سے ایک معمہ حل ہو جائے گا جو یہ ہے۔

(۷) مفسرین اور اہالیان روایات دونوں نے اشہر حرم کے تین متصل مہینے قرار دیئے ہیں یعنی ذیقعد' ذی الحجہ اور محرم اور ایک مہینہ جداگانہ بیان کیا ہے وہ رجب المرجب ہے جسے زمانہ جاہلیت میں رجب مضیرہ کہتے تھے۔

(۸) اس ایک مہینے رجب کو اشہر حرم سے الگ شمار کرنا اس بات کی تائید ہے کہ اشہر حرم کا حج سے تعلق نہیں بلکہ یہ بذات خود ہی فضیلت کے حامل ہیں۔

(۹) دوسری طرف علماء و فقہاء فرماتے ہیں کہ ماہ شوال اشہر حج میں سے ہے۔ ان دونوں کو جوڑنے سے پتہ چلتا ہے اشہر حج اور اشہر حرم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

(۱۰) محرم الحرام میں حج کے اعمال بجالانا صحیح نہیں کیونکہ ماہ ذی الحجہ کے اختتام پر حج تمام ہو جاتا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اشہر حرم اشہر حج سے مختلف ہیں۔

(۱۱) اگر اشہر حج اور اشہر حرم دونوں کو معنی اور مقصدیت کے حوالہ سے ایک ہی گردانا چاہیں گے تو شوال یا رجب دونوں میں سے کسی ایک سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا۔

(۴) شعائر سنوی :۔

مہینے اور مہینوں کے شعائر کے بعد چوتھا شعار زمانی' شعائر

سنوی ہے۔ سال بھر میں کچھ ایام ایسے ہوتے ہیں جنہیں کسی نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور ایک خاص طریقے سے انہیں زندہ رکھا جاتا ہے۔ اگر وہ دن اس قوم کی تاریخ میں خوشی کا دن گزرا ہوتا ہے تو اس روز خوشی منائی جاتی ہے اور اگر نقصان و مصیبت کا دن گزار ہوتا ہے تو اس دن اس مصیبت کی یاد کے طور پر سوگ منایا جاتا ہے۔ اسے سیاسی اصطلاح میں ''یوم سیاہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لوگ اسے یوم سوگ بھی کہتے ہیں۔ ایسے ایام ملل واقوام میں منانے کی رسم قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ قومیں اس دن ملنے والی خوشی وسرور اور دکھ ومصیبت کی مقدار اور موازنے کے حساب سے اسے اہمیت دیتی ہیں۔ کبھی اس دن جلسے کرنے اور جلوس نکالنے پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی چھٹی کر کے خوشی یا مصیبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر واقعہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہو تو اس کو آغاز سال قرار دیتے ہیں۔ یہ سنت انسانی اور عقلائی طریقہ کار ہے۔ اسلام سے پہلے اہل مکہ کیلئے خانہ کعبہ پر ابرہہ کا حملہ نہ بھولنے والا دن تھا لہٰذا انہوں نے اس دن کو آغاز سال قرار دیا تھا۔ یہ دن ان کیلئے مصیبت کا دن تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے بعد مسلمانوں نے اس دن کو چھوڑا اور بعثت سے سال کا حساب کرنے لگے۔ ہجرت پیغمبرؐ کے بعد بعثت کو بھی چھوڑا کیونکہ ہجرت کا دن مسلمانوں کے استقلال کا دن تھا۔ چنانچہ ہجرت کو اسلام کا آغاز سال قرار دیا جو آج تک جاری ہے۔

اسلام میں ایسے بہت سے ایام ہیں جن کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ روایات میں ان ایام کو اہمیت دی گئی ہے لیکن ان دنوں کو منانے کے حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر دیگر اقوام وملل سے مختلف ہے۔ غیر اسلامی قومیں ایسے دنوں کو ضرر رساطریقوں سے مثلاً دوسروں کو نقصان پہنچا کر یا توڑ پھوڑ کر کے یا پھر بیکار بیٹھ کر گزارتی ہیں یا اگر خوشی کا روز ہو تو نئے کپڑے پہننے، لذیذ کھانا کھانے اور سیر و سیاحت کے ذریعے خوشی مناتی ہیں۔ لیکن اسلام اس تصور سے اتفاق نہیں کرتا۔ اگرچہ دور حاضر کے مسلمان ومؤمنین بھی آجکل اس حوالے سے غیروں کی اسی روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔

لیکن صاحبان عقل کو چاہئے کہ اسلام کو قرآن و سنت اور سیرت معصومینؑ سے اخذ کریں، اسے عام مسلمانوں کے عمل سے نہ لیں۔ مکتب تشیع میں جن ایام کو منانے کی ہدایت کی گئی ہے (وسائل شیعہ حدیث نمبر ۱۵۵۳۲ اور ۱۵۵۳۳ میں) ان کا ذکر کرتے ہوئے امام جعفر صادقؑ، موسیٰ ابن جعفرؑ اور امام رضاؑ نے فرمایا ہے: ان دنوں میں ہمارے امر کو زندہ کرو یعنی ان کے امر (درحقیقت) نیم مردہ ہیں۔ ان دنوں میں مومنین کا جمع ہونا دراصل ان دنوں کو زندہ کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے جن دنوں کو منانے کی ہدایت ہے ان کا تفصیلی ذکر ہم نے ''اسلامی تقویم'' کے مضمون میں کیا ہے۔ درج ذیل اہم ایام اسلامی سال میں ایک مرتبہ آتے ہیں:-

۱۔ قرآن کریم میں یوم اللہ اکبر کا ذکر ہے۔ علماء و مفسرین نے یوم اللہ اکبر روز عرفہ اور عید الضحیٰ کے دن کو قرار دیا ہے۔ یعنی نویں اور دسویں ذی الحج۔

۲۔ عید فطر سعید۔

۳۔ روز وفات رسول اللہ۔

۴۔ روزہائے شہادت ائمہ اطہار علیہم السلام۔

۵۔ روز ولادت رسول اللہ۔

۶۔ روزہائے ولادت ائمہ اطہار علیہم السلام۔

۷۔ روز ہجرت رسول اللہ۔

۸۔ ہمارے خطے کیلئے اسلامی تشخص اور اسلامی معاشرے کے قیام کے اعلان کی تاریخ یعنی ۲۷ر مضان المبارک۔ یہ ہماری تاریخ کا وہ دن ہے جس دن پاکستان وجود میں آیا کیا ہی اچھا ہو اگر ہم اپنے اسلامی تشخص کو بر قرار رکھتے ہوئے اپنا یوم آزادی ہر سال ۱۴ر اگست کے بجائے ۲۷ر رمضان المبارک کو منائیں۔

۹۔ تاریخ اسلام کے حوالے سے وہ دن جس دن ایران اسلامی میں تاریخ ہجری قمری کے حوالے سے حکومت اسلامی کا استقرار ہوا۔

۱۰۔ وہ دن جس دن برائے نام سہی مگر ایک اسلامی حکومت یعنی خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا اور وطن اسلامی پر استعمار کا قبضہ ہوا۔

شعائر زمانی عاشوراء

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ”یکم محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک میرے والد پر حزن و ملال اور غم واندوہ طاری رہتا تھا۔ ان ایام میں کبھی انکو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔“

دوسری حدیث میں امام فرماتے ہیں ماہ محرم کے دو دن یعنی نویں اور دسویں دونوں، ایام حزن و مصیبت ہیں۔ نویں محرم وہ تاریخ ہے کہ جس دن اہل بیت اطہار میدان کربلا میں تیس ہزار کے لشکر کے محاصرہ میں آچکے تھے جس کے بعد اصحاب حسینی کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اس روز اہلبیت حسینی کو اپنی اسیری کا یقین ہو گیا تھا۔ خود حضرت امام حسینؑ کو اپنے اہل بیت کی اسیری کا منظر نظر آرہا تھا۔ یہ وہ دن ہے کہ جب اہل شام، آل الٰی زیاد اور خوارج و نواصب اپنی خبیث، پست اور ذلیل زندگی کی بقا کیلئے، ان پاک و پاکیزہ ذوات مقدسہ کو کہ عرصہ وجود میں جن کی کوئی مثال نہیں، عظمت و سعادت نبوت کو، مجسمئہ رسول و جان رسول اللہ کو قربان کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ یہ وہ دن ہے کہ جب ان ملا عین نے ڈھول ودف کے ساتھ خیام حسینی کو تاراج کرنے کیلئے قدم آگے بڑھایا۔ یہ دن اہل بیت پر بہت ہی گراں گزرا۔ اس دن کو اہل بیت کبھی نہیں بھولے۔ نویں محرم کی مصیبت کا عاشوراؑ کی مصیبت سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

دسویں محرم کا دن وہ دن ہے کہ جس دن شمس امامت افق اجتماع سے، افق قیام بیت نبوت سے، افق مرکب سے نکل کر گودال گاہ (وہ نشیب جہاں امام مظلوم کو شہید کیا گیا) میں غروب ہو گیا۔ اس جہاں پر ہر سو تاریکی چھاگئی۔ عدالت پسند شریعت پسند اور محمدؐ نواز حلقے جب سے آجتک طلوع آفتاب امامت کے انتظار کی گھڑیاں گن رہے ہیں۔

اس ہولناک غم اور عظیم مصیبت کی تعبیر کرتے ہوئے اہل بیت اور علماء نے فرمایا کہ: یہ مصیبت آسمان وزمین پر گراں گزری لہٰذا یہ دو دن وہ ایام ہیں جسمیں کوئی لمحہ ایسا نہیں جسے انسان اپنے لئے خوشی و مسرت کا لمحہ قرار دے سکے۔ یہ دو دن ایسے ہیں کہ جسمیں انسان جینے کی بات نہ کرے۔ ان دو دنوں میں انسان کیلئے بہترین عبادت یہ ہے کہ وہ یالیتنا کنا معك (اے کاش اس روز ہم آپکے ساتھ ہوتے) کہے۔ یہ کلمہ کہتے تو ہم سب ہیں لیکن اس کے معنی شاید درک نہیں کرتے۔ صاحب مراقبات جواد ملکی

تبریزی فرماتے ہیں یالیتنا کنا معك کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے مولا و آقا! یہ تمام مصیبتیں جو آپ پر پڑیں کاش آپ کے بجائے ہم پر پڑتیں۔ کاش میرے اہل و عیال، میری اولاد اور میرے جوان لڑکے آپؑ کے علی اکبرؑ و قاسمؑ کے بدلے زمین کربلا پر گر جاتے کاش جناب زینب و کلثوم و رباب کے بدلے میرے اہل حرم اسیر ہوتے کاش حرملا کا وہ تیر جو علی اصغر کے حلقوم پر لگا میرے بچے کے حلقوم پر لگتا، میرا بچہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور آپکا نازنین بچ جاتا۔ کاش آپکے جگر کے بدلے میرا جگر پیاس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا کاش یہ جراحت و زخم جو آپؑ کے جسد اطہر پر لگے میرے جسم پر لگتے، وہ تیر سہ شعبہ جو آپکے قلب مبارک پر پڑا کاش میرے دل پر لگا ہوتا۔ کاش اس روز میں کربلا میں ہوتا۔

یہ دو دن اہل بیت اطہارؑ کے لئے انتہائی حزن و مصیبت کے دن ہیں۔ دوسری چیز جس کی اہل بیت نے سفارش کی ہے وہ یہ کہ اہل بیت حسینی کی تاسی کرتے ہوئے ان دو دنوں میں کسی قسم کی خرید و فروخت یا کمائی نہ کی جائے ورنہ اس میں برکت نہیں بلکہ شوم ہوگی۔ اہل بیت اطہارؑ اور علماء کرام و مراجع کی سنتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم اپنے یہاں تاسوعہ اور عاشورا کا ملاحظہ کریں تو ان سنتوں کے ساتھ کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ ایک تو آپس میں ملتے ہوئے لوگوں کے چہروں پر حزن و ملال، افسردگی، گریہ و زاری، شکستگی اور صاحب مصیبت ہونے کے آثار کم نظر آتے ہیں۔ خصوصاً خواتین جو کہ تمام تاکید کے باوجود ان دو دنوں میں بھی "آرائش و زیبائش اور مظہر نمائی کرنے سے باز نہیں آتیں۔ دوسرے کسب دنیا جو ان دو دنوں میں ممنوع ہے اس کے باوجود بہت سے لوگ ان ایام میں اس طرح کمائی میں مصروف ہو جاتے ہیں گویا دو دنوں نے ایک مہینے کی صورت اختیار کر لی ہو۔ ان دو دنوں میں یہ لوگ جتنی کمائی کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سال بھر ان ہی دو دنوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

تیرہ (۱۳) محرم الحرام عاشوراء کی عزا کا اسمترار ہے کیونکہ اس وقت تک جسد ہائے مقدسہ دفن نہیں ہوئے تھے۔ صد افسوس کہ جنکے جد (محمدؐ) کی تدفین کیلئے ملاء اعلیٰ آسمان سے آئے ہوں ان کے پاکیزہ و مقدس اہل بیتؑ کا کیا جرم تھا کہ ان میں سے کسی کے جنازے کو راتوں رات چھپا کے دفنایا گیا، کسی کے جنازے پر تیر برسائے گئے اور حد یہ ہے کہ بعض کے جنازے کئی کئی دن تک بغیر دفن میدان میں پڑے رہے۔ حیرت ہے کہ عالم اسلام میں کسی نے اس مسئلہ پر توجہ نہیں دی کہ قاتلان حسینؑ کے لشکر میں قتل ہونے والے تو تکفین و تدفین کے اہل ہوں لیکن نواسۂ رسولؐ کا لاشہ بے گور و کفن کربلا کی تپتی ریت پر پڑا رہے۔ یہاں تک مصیبت کا ادامہ ہے۔

اور اب یہاں سے امام حسینؑ کی عزاداری دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے یعنی نام امام حسین، یاد امام حسینؑ اور مصیبت امام حسینؑ کو ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھا جائے۔ اس کے لئے کوئی وقت کوئی زمانہ محدود نہیں ہے، نہ رات، نہ دن، نہ ہفتہ، نہ مہینہ۔ ہر مصیبت کا اختتام مصیبت حسینؑ سے ہے۔ لہٰذا یہ تعبیر کتنی اچھی تعبیر ہے کہ "ہر دن یوم عاشورا ہے اور ہر زمین ارض کربلا"۔ یہ دوالفاظ، اتنے چھوٹے کلمات اپنے اندر غیر محدود معنی سموئے ہوئے ہیں۔

بر صغیر پاک و ہند میں مومنین سلسلہ عزاداری کو مسلسل

دو مہینہ اور آٹھ دن جاری رکھتے ہیں۔ اتنے طویل عرصے تک لوگوں کے لئے زندگی کو، روزگار کو تنگ کرنے یا بند رکھنے کی کوئی عقلی اور شرعی منطق نظر نہیں آتی۔ خیال رہے کہ یہ سنتِ زیادتی صرف ہمارے خطے کا طرۂ امتیاز ہے ورنہ وہ خطے جو دنیائے تشیع کے مراکز رہے ہیں جو علماء، فقہا، اور مجتہدین کے مراکز رہے، وہ علماء جن کی کاوشوں کے طفیل اس عزاداری کو فروغ ملا اور مذہب ابھی تک زندہ ہے، خود وہاں ان سختیوں اور بندشوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ان بندشوں اور سختیوں سے جو عرصۂ دراز سے ہمارے خطے میں نافذ ہیں کیا اس سے عزاداری کو فروغ ملا ہے یا یہ انداز عزاداری اپنوں اور غیروں سب کے لئے مشکلات کا سبب بنی ہوئی ہے ؟ صاحبان فکر و نظر کیلئے یہ لمحۂ فکریہ ہے !

عاشوراء بروزن فاعولاء ہے۔ قمری مہینہ محرم کے دسویں دن کو عاشوراء کہتے ہیں۔ عاشورہ ماہ محرم کے دسویں دن کا اسم ہے۔ یہ عشر کی جمع نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں یہودی عاشوراء کی تعظیم کرتے تھے، اس دن عید مناتے تھے اور روزہ رکھتے تھے۔ تاریخ میں اور حضرت پیغمبرؐ کی حیات طیبہ میں، آپکی سیرت میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کسی بھی زاویئے سے یہود کی پیروی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں کو یہود کی پیروی کرتے دیکھ کر پیغمبرؐ کا دل دکھتا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ اپنی عبادت میں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، تابع وحی ہوتے تھے۔ وہ روایات جسمیں کہا گیا ہے کہ چونکہ یہود اس دن روزہ رکھتے تھے تو اس دن ہم (مسلمان) روزہ رکھنے کے زیادہ سزاوار ہیں، یہ نظریہ دو لحاظ سے صحیح نہیں ہے :۔

(۱) ایک تو یہود کے روزہ رکھنے کی بنیاد پر روزہ رکھنے کا حکم دینا اور یہ کہنا کہ ہم انکے یعنی یہود کے مقابلہ میں زیادہ سزاوار ہیں، اس کی کوئی منطق نہیں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ جو فضائل اور واقعات اس دن کیلئے ذکر کئے جاتے ہیں، تخلیق کائنات سے لیکر نجات موسیٰؑ و اسمٰعیلؑ اور غرق فرعون تک، یہ سب کی سب آیات و روایات یہ خوشیاں اور یہ تاریخ قوم یہود کیلئے ہیں۔

تقویم میں سنت یہود :۔

تقویم یہود اور تقویم اسلامی میں کوئی باہمی ربط نہیں ہے۔ اسلام ہر چیز میں اپنا الگ استقلال رکھتا ہے۔ قبلہ میں استقلال ہے، روزہ میں استقلال ہے، حج میں استقلال ہے، شعائر مثلاً اوقات نماز میں، طریقۂ اعلام میں، تمام شعائر اسلام کا اپنا الگ امتیاز ہے۔ اسی طرح تقویم میں بھی اس کا اپنا تشخص ہے۔ پس سنہ ۶۱ ہجری سے پہلے اسلامی حوالہ سے عاشورہ کی کوئی حیثیت نہ تھی اور اس کے معروف ہونے کی وجہ سوائے جاہلیت اور یہودی رسومات کے کوئی نہ تھی۔

عاشوراء یعنی دسویں ماہ محرم کے تین دور ہیں یعنی یہ دن تین قوموں پر مختلف انداز میں گزرا :

(۱) یہود

دور جاہلیت میں یہود اس دن کو محترم گردانتے تھے، روزہ رکھتے تھے خوشی اور عید مناتے تھے۔ اس دن خوشی منانے کے کیا اسباب و وجوہات تھے یہ امر اپنی جگہ پر تحقیق طلب ہے۔ اگر ہم

تاریخ بشر پر گزرنے والے تمام مناسبات کو زندہ رکھنا چاہیں اور اسمیں اسلامی مناسبات کو بھی جمع کریں تو زندگی صرف مناسبتوں کے زندہ رکھنے کا نام ہو جائے گی۔

(۲)بنی امیہ

بنی امیہ یعنی پہلے عبید اللہ ابن زیاد اور عمر ابن سعد نے اور پھر یزید اور اس کے تابعین نے امام حسین علیہ السلام اور انکے یاران وانصار کی شہادت اور انکے اہل بیت اطہارؑ کی اسارت کو اپنے لئے فتح گردانتے ہوئے عاشوراء کو مبارک دن جانا ہوگا اور اس دن خوشی منائی ہوگی۔ یزیدی کارندوں نے قتل حسین کیلئے مقرر کئے گئے انعامات اور جائزات کو یقینی گردانتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی ہوگی۔ اس کے بعد ان کے ہم فکر اور ہم خیال افراد جنھوں نے دنیاوی زندگی کیلئے آخرت کو فروخت کیا خود کو ان کا ہم فکر گردانتے ہوئے انکو مبارکباد پیش کی ہوگی۔ شاید اب بھی کچھ لوگ، کچھ گروہ دنیا میں ایسے ہوں جو اس دن کو اپنے لئے مبارک گردانتے ہوں کیونکہ وہ شاید امام حسینؑ کے قیام کو صحیح نہیں سمجھتے اور یزید کے فعل وکارکردگی سے راضی ہیں۔

(۳)امت اسلامی

تیسرا گروہ وہ ہے کہ جو حسینؑ ابن علیؑ کو اپنے اس قیام میں حق بجانب سمجھتا رہا ہے، یزید اور آل ابی سفیان و مروان کو قتل امام حسینؑ کے حوالہ سے مجرم گردانتا ہے۔ یہ لوگ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے سبب اس دن کو یوم عزا و یوم مصیبت گردانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عاشوراء سے متعلق آئمہ طاہرین علیھم السلام سے وارد چند روایات ملاحظہ فرمائیں :۔

(کتاب فرہنگ عاشوراء صفحہ ۲۷، نقل از بحار الانوار جلد ۴۵، صفحہ ۹۵۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :۔

”یوم عاشورا وہ دن ہے کہ جس دن حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اعوان واصحاب کے درمیان زمین کربلا پر شہید ہوئے اور خاک وخون میں غلطاں ہوئے۔“

حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ :۔

”عاشوراء یوم مصیبت وگریہ ہے۔“

امامؑ نے فرمایا کہ :

”جو شخص عاشوراء کو یوم مصیبت قرار دے یوم گریہ قرار دے، تو خداوند عالم قیامت کا دن اس کے لئے خوشی وسرور کا دن قرار دے گا۔“

(بحار الانوار جلد ۴۴، صفحہ ۲۸۴، وسائل الشیعہ جلد دہم صفحہ ۳۹۳)

زیارت عاشوراء میں آیا ہے کہ عاشورا وہ دن ہے کہ جس دن بنی امیہ، فرزند جگر خواران نے عید اور خوشی کا دن منایا۔(نقل از کتاب میزان الحکمۃ جلد ششم صفحہ ۳۲۴)

عبداللہ ابن فضیل ہاشمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا ابن رسول اللہ! عاشورا کا دن کیوں یوم مصیبت و یوم حزن وغم اور یوم گریہ و زاری ہو گیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا: جس قدر غم وحزن یوم عاشورا میں ہوا اتنا نہ یوم وفات رسول اللہ میں ہوا نہ یوم وفات زہراؑ نہ شہادت امیر المؤمنینؑ اور نہ ہی یوم

شہادت امام حسنؑ میں۔ امامؑ نے فرمایا امام حسینؑ کی شہادت اس لئے سب سے زیادہ اور عظیم ترین مصیبت ہے چونکہ نزد خدا تمام خلائق میں سب سے مقرب و محترم اصحاب کساء تھے۔ پیغمبرؐ سے لیکر امام حسنؑ تک ان میں سے ہر ایک کی وفات و شہادت کے بعد دوسرے صاحب کساء باقی رہتے تھے جس سے تسلی ہوتی تھی، ماضی کے چہرے کو حاضر کے چہرہ میں دیکھا جاسکتا تھا۔ لیکن امام حسینؑ کی شہادت کے ساتھ گویا سب سے محروم ہوگئے۔ اس طرح یہ دن (یوم عاشورا) تمام اصحاب کساء کی وفات کا دن ہے۔ چنانچہ شب عاشور جناب زینب کبریٰ کے استغاثہ کے یہی جملے تھے کہ: ''آج ہمارے جد ہم سے جدا ہوئے میرے باپ آج مجھ سے جدا ہوئے، آج میری ماں مجھ سے جدا ہوئیں میرا بھائی حسنؑ آج مجھ سے جدا ہوا''۔ (نقل از کتاب وسائل الشیعہ جلد دہم صفحہ ۲۹۳)

امام رضا علیہ السلام سے منسوب ایک روایت ان ہی صفحات پر نقل ہے کہ ''عاشورا کا دن جس کے لئے حزن و گریہ کا دن ہوا قیامت کا دن اسکے لئے خوشی کا دن ہوگا''۔

تیسری حدیث جس میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

''امام حسینؑ جیسی ہستی پر رونے والوں کو رونا چاہیئے ان پر رونا بڑے بڑے گناہوں کو محو کرتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا میرے والد یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو محرم کا چاند نظر آنے کے بعد کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس مہینہ میں حزن و افسردگی ان پر طاری رہتی تھی۔ جب دسواں دن (یوم عاشورہ) آتا تو وہ دن امامؑ کیلئے زیادہ حزن و گریہ اور مصیبت کا دن ہوتا۔ یہی وہ دن ہے کہ جس روز امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تھے''۔

شعائر مکانی:۔

روئے زمین کا چپہ چپہ علامت و نشانی رب ہے۔ لہٰذا قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہیں۔ جہاں دیکھیں خدا نظر آئے گا۔ اسی لئے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ''خداوند عالم نے زمین کو میرے لئے مسجد بنایا ہے''۔ لیکن جس زمین کو خداوند عالم نے اپنے لیئے جائے پرستش و سجدہ بنایا ہے اس کے بعض خطوں پر اس زمین کے باسیوں نے خدا کی عصیان و نافرمانی کی، طغیان و سرکشی کی اور دعویٰ انار بکم الا علی کیا۔ لہٰذا جونہی ایسی سرزمین کا نام آتا ہے۔ فرعون و طاغوت کی یاد ذہن میں آجاتی ہے۔ جونہی اس جگہ پر نظر پڑتی ہے بوئے کفر و طاغوت آتی ہے۔ اس زمین کی علامات و نشانیوں کو اور توحید و خدا پرستی کو اس کے رہنے والوں نے ڈھانپ دیا ہے۔ اس لئے یہ زمین طاغوت کیلئے علامت و نشانی بنی ہوئی ہے۔ اور ان کفر و الحاد کے مقامات پر بندگان خدا کے لئے آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گناہ ہے۔ لیکن اس کے برعکس اسکے بہت سے ایسے خطے ہیں جہاں اس کے باسیوں کی اپنے رب کی پرستش و بندگی اور اس کے تقدس و بزرگی کی وجہ سے اسے ارض مقدسہ کا لقب ملا ہے۔ جیسے کہ فلسطین کی سرزمین اپنے

تاریخی پس منظر کے حوالے سے مرکز بعثت انبیاء' دعوت انبیاء اور محل نزول وحی و عبادات خدا قرار پائی۔ لہٰذا خدا نے اس جگہ کا نام ارض مقدس رکھا اور اپنے نبیؐ کی معراج کے زمینی سفر میں پہلا سفر اس سرزمین مقدس کا کرایا اور اس سرزمین میں موجود جائے عبادت مسجد اقصیٰ دکھلائی اور فرمایا اس مسجد کے اردگرد آیات و نشانی خدا ہیں۔ لہٰذا مسجد اقصیٰ اور اس کے گردونواح کی سرزمین شعائر مکانی ہیں۔

ہر وہ چیز جو عرصہ وجود میں ہے خواہ آسمان و زمین کے درمیان ہو' زمین کی تہہ میں ہو یا زمین سے مافوق سدرۃ المنتہیٰ میں سب اس ذات کیلئے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ حسب آیات قرآنی' مشرق و مغرب میں جہاں بھی نظر ڈالیں گے وہاں خدا نظر آئے گا۔ بنابر این ایک فارسی شعر کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے :۔

"ہر گیاہ جو زمین سے اگتی ہے وہ وحدہ' لاشریک کہتے ہوئے زمین سے روئیدہ ہوتی ہے یعنی وحدہ' لاشریك له کہتی ہوئی زمین سے سر نکالتی ہے"۔

گویا زمین کا چپہ چپہ اس ذات باری تعالیٰ کی نشانی ہے۔ لیکن بعض مقامات کو اسکے تاریخی پس منظر کی بنیاد پر اور اسکے مکینوں کی بت پرستی اور کفر و شرک کے ارتکاب کے سبب کفر والحاد کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ جبکہ اسکے کچھ حصوں کو وہاں کے باسیوں کی پاک طینت اور تقدس و بزرگی کے سبب ارض مقدس کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اپنے قارئین کرام کے لئے چند اہم شعائر مکانی کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں :۔

کعبہ

۱۔ یہ خدا کے بندوں کی عبادت و بندگی کیلئے پہلا گھر ہے۔ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۹۶ :ان اول بیت وضع للناس۔ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا۔

۲۔ اس بیت کے امتیازات دیگر مساجد سے یہ ہیں کہ اس کو خداوند عالم نے طواف کیلئے بنایا ہے۔ اس کے گرد طواف کرنا اس بیت کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔

۳۔ اس گھر کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

۴۔ اس گھر کی طرف ارادہ کر کے آنے والے سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲۰ کے تحت شعار الٰہی میں سے ہیں۔

۵۔ خداوند عالم نے اس گھر کو لوگوں کے قیام و نہضت کیلئے بنایا ہے۔

سورۂ مائدہ آیت نمبر ۹۷ :"جعل الله الكعبه البيت الحرام قيماً للناس۔"

"اللہ نے کعبہ' بیت اللہ الحرام کو لوگوں کے امر کے قیام کا ذریعہ قرار دیا ہے۔"

۶۔ دنیا کی دیگر مساجد سے اس بیت کے ممتاز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ گھر تمام انسانوں کیلئے ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۸۵ میں ہے لیکن اس کے باوجود سورۂ حج آیت ۳۳ کے تحت ہر انسان کی ملکیت سے آزاد ہے۔

۷۔ خداوند عالم نے سورۂ طور کی آیت ۴ کے تحت اس کو بیت المعمور کہا ہے۔ چنانچہ کثیر روایات میں بالخصوص وصیت مولا امیر المومنینؑ میں سفارش کی گئی ہے کہ اس گھر کو نماز و طواف اور قیام سے ہمیشہ معمور و آباد رکھو۔

۸۔ خداوند عالم نے اس گھر کی طرف آنے والوں کی جان و مال کا تحفظ فراہم کیا ہے۔

۹۔ خداوند عالم نے اس گھر کی طرف برے عزائم اور بری نیت رکھنے والوں کو آخرت سے پہلے اسی دنیا میں عذاب و سزا دینے کی وعید دی ہے۔

۱۰۔ ہر انسانِ مستطیع پر عمر میں ایک دفعہ اس گھر کا حج کرنا واجب ہے اور اس میں کوتاہی کو کفر کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

کعبۃ اللہ الحرام

ہر وہ سرزمین کہ عہد تاریخ میں جہاں ہمیشہ عبادت خدا انجام دی جاتی رہی ہو، جس جگہ خلائق نے خالق حقیقی کو سجدہ کیا ہو، اسکی تاریخ ہمیشہ ہمیں یاد خدا دلائے گی۔ اس حوالہ سے جو سرزمین ہمیشہ عبادت گاہ رہی ہو، شعائر مکانی میں جس کو مرکزیت حاصل ہو، جس کو دیکھکر بلا تاخیر یاد خدا آتی ہو، وہ شعائر کعبۃ اللہ الحرام ہے۔ یہ شعائر مکانی میں تمام شعائر کا شعار ہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے متعدد آیات قرآنی میں اس گھر کو اپنا گھر کہا ہے:۔

سورۂ بقرہ آیت ۱۲۵:۔

"وعهدنا الى ابراهيم واسمعيل ان طهر ابيتى للطائفين والعكفين والركع السجود"

"ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو حکم دیا کہ ہمارے گھر کا طواف کرنے والوں، اعتکاف میں بیٹھنے والوں سجدہ کرنے والوں اور نماز گزاروں کیلئے اسے پاک وپاکیزہ رکھو۔"

سورۂ حج آیت ۲۶:۔

"وطهر بيتى للطائفين والقائمين والركع السجود"

"میرے گھر کو طواف کرنے، قیام، رکوع، سجود کرنے والوں کیلئے پاک کردو"

سورۂ ابراہیم آیت ۳۷ میں الولعزم پیغمبر خلیل خدا، شیخ المرسلین، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا معبود یہ تیرا گھر ہے۔

"ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غيرذى زرع عند بيتك المحرم۔"

اس گھر کے شعار مکانی ہونے کی ایک اور وجہ سورۂ آل عمران آیت ۹۶ میں بیان ہوئی ہے کہ یہ گھر خدا کی عبادت کیلئے بنایا گیا ہے۔ اس کے شعائر مکانی ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ اور انکے فرزند ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ نے (آیات قرآنی کے حوالے سے) فرمایا کہ یہ گھر سب کے لیئے ہے لیکن ملکیت کسی کی نہیں۔ لہٰذا خداوند عالم نے اسے بیت عتیق کہا ہے یعنی یہ آزاد گھر ہے۔ یہ بیت اللہ ہے، لہٰذا بندہ یہاں پہونچنے کے بعد مہمان خدا ہو جاتا ہے۔ یہ گھر اپنے تئیں تنہا شعائر نہیں بلکہ اسکے گردونواح بھی شعائر ہیں جو ستاروں کی مانند ہیں اور یہ گھر (خانۂ کعبہ) تمام شعائر کا شمس یعنی شمس الشعائر ہے۔ اس گھر میں حجر اسود ہے جو کہ بوسہ گاہ انبیاء، اولیاء اللہ، آئمہ طاہرین و عباداللہ الصالحین رہا ہے۔ یہاں حجر اسمٰعیل ہے یعنی رضائے خدا پر راضی ہونے والی اور رضائے خدا میں مشقت ھجراں برداشت کرنے والی شخصیت کا حجرہ ہے۔ یہاں مقام ابراہیم ہے، صفاومروہ ہے عرفات ہے، مشعر ہے، جائے قربانی ہے یہ تمام شعائر ستاروں کے مانند ہیں اور کعبہ ان کا شمس ہے، لہٰذا اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ کعبۃ اللہ تمام شعائر مکانی کا مرکز ہے بالخصوص سرزمین مکہ مکرمۃ میں موجود شعائر کے لئے یہ منظومۂ شمسی کے سورج کا مقام

رکھتا ہے۔

مسجد نبوی :۔

سر زمین مکہ میں منظومۂ شعائر اللہ کے بعد دوسرا شعائر مکانی مسجد نبویؐ ہے جس کے بارے میں سورۂ نور آیت ۳۶ میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"فی بیوت اذن الله ان ترفع ویذکره فیھا"

"یہ روشن چراغ ایسے گھروں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کی دیواریں اونچی کی جائیں تاکہ وہ شیطانوں اور ہوس پرستوں سے امان میں ہو۔"

سورۂ احزاب آیت ۵۳ :۔

"یاایھاالذین امنوا لا تدخلو بیوت النبی الا ان یوذن له"

"اے ایمان والو! نبی کے گھر میں بغیر اذن کے داخل نہ ہو جاؤ"

اس روئے زمین پر خانہ خدا کے مقابل مقام و منزلت والا کوئی دوسرا امکان نہیں ہے جبکہ مسجد نبوی وہ مقدس مقام ہے کہ جو دس سال مسلسل محل نزلِ وحی و ملائکہ رہا اور جائے سجدہ و عبادت رسول اللہ رہا۔ یہ وہ گھر ہے جہاں اسلام کے تمام برنامے طے پاتے تھے۔ عبادت و بندگی خدا اور راز و نیاز اسی مسجد میں ہوتی تھی۔ یہ مسجد محل نیاز مندئ بے نوا بھی رہی اور فقراء و مساکین کی حاجت روائی کا مرکز بھی۔ دشمنان خدا، مشرکین و ملحدین اور اہل کتاب سے نبرد آزما ہونے کے منصوبے بھی اسی مسجد میں بنتے تھے۔ یہ مسجد مومنین کیلئے جائے رحمت اور مشرکین و ملحدین کیلئے غیض و غضب کا مرکز رہی۔ اس مسجد میں ایک رکعت نماز کا ثواب وسائل شیعہ جلد ۵ حدیث ۶۵۴۴، ۶۵۴۵، ۶۵۴۶ کے مطابق ایک ہزار رکعت کے برابر بتایا گیا ہے۔

اسی کتاب کی حدیث نمبر ۶۵۴۹ یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "دوسری مساجد کے مقابلے میں میری مسجد میں ایک رکعت نماز ایک ہزار رکعت کے برابر ہے"۔

حدیث نمبر ۶۵۵۳ میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "میری مسجد میں نماز کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار کے برابر ہے"۔

مسجد اقصیٰ

کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا شعائر مکانی مسجد اقصیٰ ہے جسکے لئے خداوند عالم نے "بارکنا حولھا کہا ہے۔

"سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا ـ"

"پاک و منزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔" (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱)

یہ مسجد حضرت سلیمانؑ پیغمبر کے توسط سے بنائی گئی۔ یہ محلِ بعثت انبیاء ہے۔ ہمارے پیغمبرؐ کی معراج زمینی کی جگہ ہے۔ اسے مسجد اقصیٰ کہنے کی وجہ کعبہ سے دوری ہے۔ اس کی فضیلت میں قرآن نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس مسجد کے گرد و نواح میں برکتیں رکھی ہیں اس مسجد کے شعائر اللہ ہونے کیلئے یہ آیت شاہد

ہے کہ جس میں قرآن نے فرمایا۔ ''ہم اپنے نبی کو اپنی آیتیں اور نشانات بتانے کیلئے یہاں لائے''۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ا)

عرفات

عرفات عرفہ کی جمع ہے کسی چیز کو تفکر اور تدبر سے درک کرنے کو عرفہ کہتے ہیں۔

عرفات ایک مقدس مقام کا نام ہے جو مکہ سے ۲۱ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حج کے مقامات میں یہ وہ جگہ ہے جو حرم سے باہر حل میں واقع ہے۔

قدیم دور سے ادیان سماوی کے ماننے والے وہ تمام لوگ جن پر فریضۂ حج عائد ہوتا تھا یہاں پر وقوف کرتے تھے۔ جاہلیت کے دور میں بھی لوگ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تاسی کرتے ہوئے ایام حج میں یہاں وقوف کرتے تھے لیکن بعض قریش جو مکہ میں سکونت رکھتے تھے انہوں نے اپنے غلط افکار کی بنیاد پر حج میں بعض ترامیم کیں باوجودیکہ وہ یہ اعتراف کرتے تھے کہ عرفات میں وقوف شعائر میں سے ہے اور اعمال حج میں سے ہے۔ لیکن قریش ہی میں سے ایک قبیلہ 'قبیلہ حمس' دین میں متشدد اور انتہا پسند تھا اور اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا تھا۔ وہ لوگ کہتے تھے ''ہم اہل اللہ ہیں اس لئے ہم حرم سے باہر نہیں نکل سکتے'' لہٰذا یہ لوگ عرفات میں وقوف کرنے کے بجائے مزدلفہ میں جمع ہوتے تھے اور وہاں وقوف کرتے تھے۔ یہ وقوف صرف ان کے لئے مختص تھا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ان کے اس عمل کے خلاف آیت ۱۹۹ نازل ہوئی کہ جہاں لوگ وقوف کرتے ہیں وہاں وقوف کرنا چاہئے۔ پیغمبر اکرمؐ اس آیت کے نزول سے پہلے بھی عرفات ہی میں وقوف کیا کرتے تھے۔

تاریخ عرفہ:

اس جگہ کو یہ عظمت کب ملی یا یہاں وقوف کرنے کا آغاز کب ہوا اور اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کی وضاحت کچھ یوں کی جاتی ہے:۔

ا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ صفی اللہ اور ان کی زوجہ کو جب جنت سے نکالا گیا تو ایک عرصہ کے بعد وہ دونوں یہاں ملے اور ایک دوسرے کو پہچانا' اس لئے اس جگہ کو عرفہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ اس وجہ تسمیہ کو اگر مان لیا جائے تو اس کی تاریخ حضرت آدمؑ سے شروع ہوتی ہے۔

۲۔ معاویہ ابن عمار نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ اسے عرفات اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ امین حضرت ابراہیمؑ کو لے کر یہاں آئے اور کہا کہ :''اعترف بذنبك 'یا' اعرف بمناسك''۔ ''اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور مناسک کو سمجھ لیں''۔ اگر اس جگہ کو عرفہ کہنے کی توجیہہ یہ مان لی جائے۔ تو کہنا پڑے گا کہ اس کی تاریخ حضرت ابراہیمؑ سے جا کر ملتی ہے کیوں کہ حج کا آغاز حضرت ابراہیمؑ سے ہوا ہے

۳۔ اس جگہ کو عرفہ کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ یہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

۴۔ اس جگہ کو عرفہ اس لئے کہتے ہیں کہ عرفہ کے روز لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔

۵۔ یہ ایک ایسی مقدس اور عظیم جگہ ہے جس کی عظمت سے سب واقف ہیں اور سب اسے جانتے ہیں' اس لئے اسے عرفہ کہتے ہیں۔

۶۔ بعض نے کہا ہے کہ عرفہ لفظ عرف سے لیا گیا اور عرف کے معنی ہیں صبر کرنا۔

لیکن ان تمام توجیہات میں پہلی اور دوسری توجیہہ سب سے بہتر اور مناسب سمجھی جاتی ہے۔

حدود عرفہ :

"عرفہ کی شکل قوسی ہے اس کے گرد پہاڑ ہیں جو اسے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کے شمال مشرق میں جبل سعد ہے جو سب سے بلند پہاڑ ہے۔ مشرق میں جبل اصغر ہے، جسے جبل ملحہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی بلندی پہلے پہاڑ سے کم ہے۔ جنوب میں چند پہاڑ ہیں جو زیادہ بلند نہیں ہیں اور کالے رنگ کے ہیں ان کو ام رضوم کہتے ہیں۔ مغرب اور شمال مغرب میں وادئی ارنا' ہے۔ یہ سب قریش کے قبضہ میں تھے۔ عرفات میں جہاں وقوف کرتے ہیں وہاں ایک پہاڑ ہے جہاں حاجی جاکر دعا کرتے ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہیں۔ تاریخ اور روایات میں اس پہاڑ کے مختلف نام وارد ہوئے ہیں" مثلاً :

۱۔ جبل رحمت۔

۲۔ قرین۔

۳۔ الام۔

۴۔ نابت۔

حج، مقامات حج اور ایام حج سب شعائر اللہ ہیں روایات میں فرماتے ہیں کہ عرفہ ہی حج ہے۔ اس دن یہاں کے وقوف کو قرآن کریم نے حج اکبر کہا ہے۔ لہٰذا عرفہ اور وقوف عرفہ عظیم ترین شعائر اسلامی میں سے ہیں۔

مشعر الحرام :۔

مشعر الحرام بھی شعائر اللہ ہے۔ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک یہاں وقوف کرنا ارکان حج میں سے ہے۔

عرفات اور مشعر' ان دونوں مقامات کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۱۹۸ میں ہے۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۹۸: "فاذا افضتم من عرفت فاذکرالله عند المشعرالحرام"۔ "پھر جب عرفات سے کوچ کرو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر خدا کرو"۔

صفاومروہ

شعائر مکانی میں سے ایک صفاومروہ ہے۔

"ان الصفا والمروة من شعائر الله"

"صفاو مروہ خدا کے شعائر اور نشانیوں میں سے ہیں"۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۸)

مسجد قباء

دنیا بھر میں موجود مساجد فضیلت اور شعائر اللہ ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کافی فرق رکھتی ہیں۔ احکام کے لحاظ سے اور اجر و ثواب کے لحاظ سے بھی مختلف شعائر مختلف امتیازات و خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ اولین مسجد جو اسلام میں رسول اکرمؐ کی ہدایت پر تعمیر ہوئی وہ مسجد قبا ہے جس کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۸ میں ہے۔ یہ مسجد پیغمبر اکرمؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت مدینہ سے باہر جہاں آپ نے توقف فرمایا تھا تعمیر کی۔ مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کے بعد قرآن میں جس مسجد کا ذکر ہے وہ یہی مسجد قبا ہے۔ اس مسجد کا ذکر قرآن کریم میں خصوصیت کے ساتھ آنے کی وجہ اسکے شان نزول سے عیاں ہے

جو دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے درس عبرت اور سبق آموز ہے۔

مسجد اور ضدِ مسجد :۔

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام نے اپنی تاریخ میں دو قسم کے فریق سے سخت ضربت کھائی ہے۔ ایک دشمنان اسلام کے ہاتھوں کہ جب بھی موقع ملا انہوں نے مسلمانوں کی عبادت گاہوں اور جائے اجتماع کو نابود کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مسلمانوں کو ان عبادت گاہوں میں جانے سے ہمیشہ روکتے اور منع کرتے رہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مشرکین و ملحدین کا پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو مساجد میں جانے سے روکنے کا ذکر ہے۔ ایسے فریق و گروہ سے مقابلہ غیرت مند مسلمانوں کیلئے ہمت و جرأت کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا اسلام کے درد مند افراد کو ہمیشہ یہ تمنا کرتے ہوئے سنا ہے کہ کاش ہمارا دشمن ہماری آنکھوں میں دشمن ہی نظر آتا ہو۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو دین و مذہب کے نام سے مذہب پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ مذہب کے نام سے مذہب کو مسخ کرنے اور کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سلسلہ خود پیغمبرؐ گرامی قدر کے دور سے شروع ہوا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی قرآنی محاورے اور اصطلاح کے تحت مسجد ضرار کی تاسیس ہے۔ ہوا یوں کہ سنہ ۹ ہجری میں طائفہ بنی غنم بن عوف نے اپنے قبیلے بنی عمرو بن عوف کے لئے مسجد قبا کے مقابل میں ایک اور مسجد اس کے قرب و جوار مٰیں تاسیس کی جسکے لئے انہوں نے بہانہ بنایا کہ چونکہ مسجد قباء انکے علاقے سے دور ہے اس لئے بوڑھے اور معذور افراد کیلئے وہاں پہنچنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا ہم نے اپنے علاقہ میں ایک اور مسجد بنائی ہے اور پیغمبرؐ سے اس کے افتتاح کی درخواست کی۔ چونکہ پیغمبرؐ اس وقت جنگ تبوک کے لئے روانہ ہو رہے تھے لہٰذا فرمایا میں جنگ سے واپسی پر دیکھوں گا۔ لیکن جب پیغمبر اکرمؐ جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۰۷ :۔

”والذین اتخذوا مسجداًضراراً و کفراً و تفریقاًبین المؤمنین وارصاداً لمنن حارب الله ورسوله من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ والله یشهدانهم لکذبون۔“

”وہ لوگ ہیں جنہوں نے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے، کفر (کو تقویت دینے) کیلئے اور مومنین میں تفرقہ ڈالنے کی خاطر، ایسے افراد کیلئے کمین گاہ مہیا کرنے کیلئے جنہوں نے پہلے ہی اللہ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ جنگ کی ہے، مسجد بنائی ہے، وہ قسم کھاتے ہیں کہ ان کا مقصد سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔“

سورۂ توبہ آیت ۱۰۸ :۔

”لا تقم فیه ابداً لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین۔“

”اس میں ہرگز قیام نہ کرنا۔ وہ مسجد جو روز اول سے تقویٰ کی بنیاد پر بنی ہے زیادہ حق رکھتی ہے کہ تم اس میں قیام کرو۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پاک و پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست

رکھتاہے۔"

اس آیت کریمہ میں مسجد سے متعلق چند خصوصیات بیان ہوئی ہیں :۔

۱۔ اس مسجد کو "ضرار" کہاہے یعنی نقصان پہنچانے والی۔ چونکہ مسجد ایک مادہ ہے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ نقصان تو دراصل اسلام اور مسلمین کو پہنچے گا۔

۲۔ خدانے فرمایاکہ جس مسجد کی بنیاد ایمان باللہ پر نہیں بلکہ کفر باللہ پر ہواس میں اسلام کے خلاف سازش ہو گی۔

۳۔ یہ مسجد "ضرار" ہے۔ مومنین کے درمیان افتراق وانتشار پیداکرنے کیلئے بنائی گئی ہے۔

۴۔ یہ مسجد درحقیقت مسجد نہیں بلکہ خدااور رسولؐ کے خلاف جنگ کرنے کیلئے ایک میٹنگ گاہ ہے۔

۵۔ اس آیت کریمہ میں ایک عجیب کلمہ موجود ہے جو ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کو آنکھ کھول کر دقت کرنے کی دعوت دیتاہے کہ یہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے تو یہ مسجد صرف حُسن نیت پر بنائی ہے۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے فوراًبعد پیغمبر اکرمؐ نے حکم دیاکہ اس مسجد کو اور اس کے ساتھ ملے ہوئے گھروں کو آگ لگادو اور انھیں ڈھادو۔ اس طرح وہ مسجد جو بظاہر مبارک اور برکت کے عنوان سے تعمیر کی گئی تھی ہمیشہ کیلئے نامبارک بن گئی اور تاریخ میں ہمیشہ ایک نامبارک جگہ کے طور پر زندہ رہے گی۔ یہاں سے معلوم ہواکہ ایک مسجد مبارک ہے اور ایک مسجد نامبارک۔ اس واقعہ کی روشنی میں ہم تاریخ میں موجود بعض مسجد بنانے والوں کے سیاہ چہروں کو ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جہاں بھی کوئی مسجد نظر آئے' فوراًبلاسوچے سمجھے نہ مسجد کی تعریف کرناچاہئے اور نہ ہی مسجد بنانے والوں کی حوصلہ افزائی کرناچاہئے کیونکہ مساجد اور بانیان مساجد ہمیشہ تاریخ میں دوقسم کے ہوئے ہیں۔

ایک قسم کی مساجد وہ ہیں جو سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۸ کے تحت توجہ بہ خدا کیلئے ہیں' تقویٰ کیلئے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو متحد و متفق رکھنے کیلئے ہیں۔ یہ مساجد دشمنان خدا کے خلاف نبرد آزمائی کیلئے ہیں۔ ایسی مساجد کے بارے میں کتاب وسائل الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۴۷۸ میں خداکا فرمان درج ہے کہ :"زمین میں میرا گھر مساجد ہیں' جو بھی زمین میں نام خدابلند کرنے کیلئے کوئی مسجد بنائے گا خداوند عالم جنت میں اس کیلئے ایک گھر بنائے گا۔" (کتاب سیماء مسجد جلداول صفحہ ۱۴۴)

دوسری قسم کی مسجد نامبارک ہے۔ ایسی مسجد کو قرآن کریم نے "ضرار" کہاہے۔ اس کی آغاز وابتداء دور پیغمبرؐ ہی سے مدینہ میں ہوئی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ سیمائی مسجد جلد اول صفحہ ۱۴۴ میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ کوفہ میں چار ایسی مساجد بنائی گئی تھیں جنہیں (وسائل شیعہ جلد سوم صفحہ ۵۱۹) "مساجدِ ملعونہ" کا لقب ملا۔ چنانچہ امیر المومنین علیؑ ان مساجد میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے کیونکہ یہ مساجد جناب امیر المومنینؑ کے پیچھے اجتماع کو کم کرنے' آپ کے خلاف سازش کرنے اور آپکی حکومت کو کمزور کرنے کیلئے بنائی گئی تھیں۔ چنانچہ امام حسینؑ کی شہادت کے موقع پر ان لوگوں نے ان مساجد مین نماز شکرانہ ادا کی۔ ان مساجد کے نام یہ ہیں :۔

مسجد اشعث ابن قیس

مسجد جریر ابن عبداللہ بجلی

مسجد سماک

مسجد شبث ابن ربعی

آج بھی اگر آپ دقت اور تحقیق سے ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ چند فرلانگ یا چند میٹر کے فاصلوں پر تعمیر ہونے والی مساجد اور امام بارگاہیں اجتماع مسلمین و مومنین کو کمزر کرنے اور قومیت و نیشنلزم کو زندہ رکھنے کیلئے بنائی جاتی ہیں۔ عجب نہیں کہ یہ سب بھی اسی مسجد ضرار کے احکام میں شامل ہوں۔

مساجد عمومی

شعائر مکانی میں وہ مکان جنہیں دیکھکر انسان کو یاد خدا آتی ہے اور جسے دیکھنے کا شرف تمام مسلمانوں کو حاصل ہے' دنیا کے گوشہ و کنار میں موجود مساجد عمومی ہیں۔ چنانچہ :

سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۹ :واقیمو وجوھکم عند کل مسجد۔ اور ہر مسجد میں اپنی توجہ اس کی طرف رکھو۔

سوراہ اعراف آیت نمبر ۳۱ :یبنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد: اے اولاد آدم مسجد میں جاتے وقت اپنی زینت اپنے ساتھ لے جاؤ۔

سورۂ کہف آیت نمبر ۲۱ :قال الذین غلبو علی امرھم لنتخذن علیھم مسجداً۔ انہوں نے کہا ہم ان کے مدفن کے پاس ایک مسجد بنائیں گے۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۱۴ :ومن اظلم ممن منع مسجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو مساجد میں خدا کا نام لینے سے روکتا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۷ :وانتم عٰکفون فی المسجد۔ اور جب تم مساجد میں اعتکاف کیلئے بیٹھو۔

سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۷ :ان یعمر وامسجد اللہ۔ اللہ کی مسجدوں کو آباد کرو۔

سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۸ :انما یعمرمسجداللہ۔ اللہ کی مساجد کو صرف وہی شخص آباد کرتا ہے۔

سورۂ حج آیت نمبر ۴۰ :ومسٰجدیذکرفیھااسم اللہ کثیراً۔ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔

سورۂ جن آیت نمبر ۱۸ :وان المسجد للہ۔ اور یہ کہ مساجد اللہ ہی کیلئے ہیں۔

سورۂ مبارکہ اعراف آیت ۲۹ :۔

"واقیموو جوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین۔"

"اور ہر مسجد میں (اوقات عبادت میں) اپنی توجہ اس طرف رکھو' اسے پکارو اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کردو۔"

سورۂ اعراف آیت ۳۱ :۔

"یابنی آدم خذوازینتکم عند کل مسجد وکلوا وشربوولا تسرفوا۔"

"اے اولاد آدم مسجد میں جاتے وقت اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو۔ کھاؤ پیؤ اسراف نہ کرو۔"

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱ :۔

"سبحن الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد

الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔"

"پاک و منزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کیطرف لے گئی۔"

سورۂ توبہ آیت ۱۰۷ :۔

"والذین اتخذوا مسجدا ضرارو کفراو تفریقا بین المومنین ۔"

"وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہونچانے 'کفر کو تقویت دینے اور مومنین میں تفرقہ ڈالنے کی خاطر مسجد بنائی۔"

سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۷ :۔

"ماکان للمشرکین ان یعمرو مسجدالله شھدین"

"مشرکین یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔"

سورۂ توبہ آیت ۱۸ :۔

"انما یعمرو امسٰجدالله من امن بالله والیوم الاخر

"اللہ کی مسجد کو صرف وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا۔"

سورۂ کہف آیت ۲۱ :۔

"قال الذین غلبوا علی امرهم لنتخذن علیهم مسجدا۔"

"وہ لوگوں کو بھی کہتے تھے کہ ان کا رب انکی کیفیت سے بہتر آگاہ ہے لیکن جو اس واقعہ کو قیامت و معاد کی دلیل سمجھتے تھے انہوں نے کہا ہم انکے مدفن کے پاس ایک مسجد بنائیں گے۔"

سورۂ بقرہ آیت ۱۱۴ :۔

"ومن اظلم ممن منع مسجدا لله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها۔"

"اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو مساجد میں خدا کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی ویرانی اور بربادی میں کوشاں ہے۔"

سورۂ مبارکہ حج آیت ۴۰ :۔

"وبیع وصلوات ومسٰجد یذکروفیها اسم الله کثیرا۔"

"اور عبادت خانے مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔"

سورۂ جن آیت ۱۸ :۔

"اور یہ مساجد اللہ ہی کیلئے ہیں ان مسجدوں میں اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو۔"

افسوس کہ کچھ مسلمان قوم و قبیلہ کی بنیاد پر اور کبھی کسی مسجد میں ہونے والے جمعہ و جماعت کے اجتماع کو کم کرنے اور تقسیم کرنے کی غرض سے مساجد تعمیر کرتے ہیں۔ایسی مسجدیں خدا اور رسول کے نزدیک بیت اللہ کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ جیسا کہ بیان ہوا قرآن نے ایسی ایک مسجد کا نام مسجد ضرار رکھا ہے جو مسجد قبا کے مقابلے میں تعمیر کی گئی تھی۔ پیغمبر اکرمؐ نے جنگ سے واپسی پر بحکم وحی اس مسجد کو مسمار کیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجد بناتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں وہ مسجد جو وہ بنا رہے ہیں مسجد ضرار کے شمار میں نہ آجائے۔

ہمارا مقصد کسی خاص مسجد پر تنقید کرنا نہیں ہے لیکن ملک

بھر میں تعمیر ہونے والی مساجد کیلئے یہ نظریہ رمزی اور غیر ملموس طور پر صادق آتا ہے۔ چونکہ مساجد جویوں تو ایک دوسرے سے فاصلے پر نظر آتی ہیں لیکن بہت سے مقامات پر نماز جمعہ کیلئے جو فاصلہ درکار ہے اس سے کم پر بھی جمعہ منعقد ہوتا نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ نمازِ جمعہ کو جسکا بنیادی فلسفہ اور جسکی غرض وغایت وحکمت ہی مسلمانوں کو ایک جگہ اور ایک صف میں جمع کرنا ہے، بعض نادان افراد مسجد ہی کے نام سے اور جمعہ ہی کے نام سے اس اجتماع کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ خداوند عالم سے دعا کریں کہ وہ ہمیں ایسی بری خصلت سے اور دین ہی کے نام سے دین کو برباد کرنے اور اپنے مفادات کی آمیزش سے پاک رکھے۔

دنیا بھر میں موجود مساجد اپنے علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کیلئے شعائر مکانی ہیں۔ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں مساجد کے خاص احکام بیان کئے ہیں۔ مثلاً مسجد کیلئے ضروری ہے کہ اس کے قبلے کی سمت کعبۃ اللہ کی طرف ہو ورنہ وہ نہ مسجد شمار ہوگی اور نہ ہی شعائر مکانی کے زمرے میں آئے گی۔ پس معلوم ہوا کہ کوئی چیز یا جگہ ہمارے کہنے سے شعار نہیں بنتی بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اصل شعار سے متصل اور مربوط ہو۔ دنیا بھر کی مساجد اپنے محلّہ والوں کیلئے شعار ہیں اور ان تمام مساجد کا شعار بیت اللہ الحرام ہے۔ صرف ایک اسی بات سے ہم اس کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ روئے زمین میں اگر کوئی جگہ شعار الٰہی ہے، جو اذہان کو متوجہ بخدا کرتا ہے تو وہ یہ بیت اللہ ہے۔ اس کی شعاریت دوسرے شعاروں سے کئی لحاظ سے مختلف ہے۔

بارگاہ ومشاہد آئمہ اطہار۔

آئمہ علیھم السلام کے مدفن بھی شعائر اللہ ہیں کیونکہ پیغمبر اکرمؐ ودیگر آئمہ اطہار کی طرف سے وارد روایات کے تحت آئمہ علیھم السلام کی حیات وممات دونوں میں انکی زیارت کی سفارش کی گئی ہے۔ لیکن زیارت کرتے وقت زائرین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اِن ذواتِ مقدسہ کے صفات وکمالات ونورانیت کے تصور میں اس درجہ محو نہ ہو جائیں کہ شعائر میں غرق ہو کر اصل شعار ہی سے روگردانی ہو جائے اور وسیلے میں غرق ہو کر ھدف ہی کو ہمیشہ کیلئے فراموش کر بیٹھیں۔ لہٰذا علمائے اعلام نے ضریح مبارک کو دیکھتے ہی تسبیح پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ یعنی چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمدللہ تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ یا سو مرتبہ اللہ اکبر کہیں۔

تاریخ بت پرستی میں بتایا جاتا ہے (خصوصاً جن بتوں کا ذکر سورۂ نوح میں آیا ہے) کہ بعض بندگان صالحین کے تقدس اور انکی خداپرستی کی بنیاد پر لوگ ان سے اسقدر محبت کرتے تھے کہ انکی وفات کے بعد انکے فراق میں اتنے پریشان ہو گئے کہ اپنی تشفی کیلئے انکی تصاویر کو اپنے سامنے رکھنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہی تصویریں جو یادگار رب تھیں، یادگار معبود تھیں، لوگ اِن تصویروں ہی کو معبود سمجھنے لگے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی تاریخ میں ملتا ہے۔ علمائے اعلام ومفسرین صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص اساف اور ایک عورت نائلہ نے خانہ کعبہ میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا اپنے اس وعدہ کے تحت کہ ''جو بھی اس گھر کی اہانت کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے''، خداوند عالم نے ان دونوں کو وہیں پر مسخ کیا اور پتھر بنا دیا۔

کعبہ کے منتظمین نے بعد میں اسے صفا اور مروہ کی پہاڑی پر رکھ دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں اور ان سے نفرت کریں۔ لیکن ہوا یوں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اسکا احترام کرنا اور بوسہ لینا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب رسولؐ خدا عمرۂ قضا کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپ نے حکم دیا کہ ان بتوں کو وہاں سے ہٹادیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے آئمہ اطہار علیھم السلام کی بارگا ہیں، خود انہی کی ہدایات اور بزرگ و بلند مقام، عارفِ شریعت علماء و مراجعین کی نگرانی کی برکت سے ابھی تک رمزِ توحید پرستی اور نالہ و دعا کا محور و مرکز بنی ہوئی ہیں۔

شعائر قولی :۔

انسان اپنے مافی الضمیر خواہشات و مطالبات اور اپنے افعال و اعمال کی ترجمانی و توجیہ خود اپنی زبان سے کرتا ہے۔ زبان اسکے عقل و شعور و ادراک، اس کے وجود کی قدر و قیمت، غرض ہر چیز کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ انسان اپنے مقاصد اور ارمان کا اظہار عمل سے زیادہ کرتا ہے یا قول سے یا برابر، برابر۔ تاہم ہمارے آئمہؑ نے قرآن و سنت کی رو سے زیادہ تر اہمیت فعل و عملَ کو دی ہے۔ اگرچہ زبان سے اظہار بھی انسانی زندگی میں ایک ناگزیر حقیقت ہے اور انسان کے لئے ایک نعمت بھی۔ چنانچہ قرآن میں اللہ نے اپنے اس احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے انسان کو قوت بیان عطا کی۔ ان بیانات میں سے ایک قسم کا بیان شعائر سے معروف ہوا ہے جسے شعائرِ قولی کہتے ہیں۔

انسان کسی اجتماع کے مقابلے میں اپنے اظہار وجود کیلئے یا اپنے افراد کو جمع رکھنے کیلئے یا اپنے مخالفین کے سامنے اپنا تعارف کرانے کیلئے جو کلمات ادا کرتا ہے یا مجلّات میں نثر کی صورت میں یا شعر کی صورت میں پیش کرتا ہے اسے لغت عرب میں شعائر کہتے ہیں۔ لہذا حالت جنگ و جدال میں اور مقابلہ دشمن کے موقع پر انسان بہترین کلمات میں اپنی ترجمانی کرتا ہے۔ شعائرِ قولی کی پانچ اقسام ہیں :۔

(ا) شعائرِ اجتماعی

اجتماعی شعائر وہ شعائر قولی ہیں جو پوری قوم یا جماعت کی نمائندگی کرتے ہوں۔ پوری قوم کسی اجتماعی شعار کے ذریعہ یک زبان ہو کر دشمن پر اپنی ہیبت بٹھاتی ہے۔ یہ شعائر پیش کرتے وقت چند چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ دشمن کی حیثیت کو غیر اہم اور نا اہل ثابت کر کے، ان سے مرعوب نہ ہونے کا اظہار کیا جاتا ہے۔

دوسرے خود جو قدرت رکھتے ہیں، اسکا اظہار بیان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اپنا خاندانی پس منظر، اپنے اسلاف کی تاریخ انکے پیچھے کون ہے، ان کو کن پر ناز ہے، یہ سب بیان کیا جاتا ہے۔

سوم یہ کہ وہ اس اجتماع کے توسط، حرکت و مظاہرے سے جو مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اسکا اظہار کیا جاتا ہے۔

ان تین اہداف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شعائر معین کئے جاتے ہیں۔

لہذا یہ شعائر، زمان کے حوالے سے، مکان کے حوالے سے، دشمن کے حوالے سے، وقت کے تقاضوں کے حوالے سے اور اپنے مقاصد و اہداف کے حوالے سے متعین و متغیّر ہونا چاہیے

یعنی یہ کہ ایک ہی شعار ہر جگہ پر' ہر زمانے میں اور ہر دشمن کے مقابلے میں نہیں استعمال ہو سکتا۔

چونکہ یہ شعار اجتماع کی ترجمانی کرتا ہے اس لئے اسے قیادت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جسکی منظوری کے بغیر اس کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔ یہ شعار کسی قوم کی حیثیت کا اعلان ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح پرچم ہر کس و ناکس کو نہیں دیا جاسکتا اسی طرح اس شعار کے استعمال کی بھی ہر کسی کو اجازت نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ذمہ داری صالح ترین اور مناسب ترین فرد کو ملنی چاہئے جو ایک جانی پہچانی شخصیت ہو۔

شعار قوم کے جائز حقوق کی ترجمانی کرتا ہے۔ جماعت کے فضائل و کمالات' اسکے اخلاق اور اسکے حسن و جمال کا ترجمان ہوتا ہے۔ شعار کے توسط سے دشمن کو رائے عامہ میں مردود اور خود کو حق بجانب ثابت کیا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ ان کو مقصد میں ناکام بنانے کیلئے دشمن اپنے ایجنٹ ان کی صفوں میں داخل کر کے ان شعائر کو بدل دے۔ اس خطرہ سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ شعار کا استعمال آزادانہ نہ ہو۔ ہر شخص اس بات کا مجاز نہ ہو کہ شعار بیان کرے۔

(۲) شعار زبانی

شعار زبانی کی اپنی اہمیت ہے۔ رسالہ ثقلین عدد ۲۲ صفحہ ۲۶ میں رئیس مجلس عراق باقر الحکیم نے امام باقرؑ سے یہ روایت نقل کی ہے :۔

اسلامی جنگوں میں سے ہر جنگ میں ایک خاص شعار بلند کیا جاتا تھا مثلاً :۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کا شعار یا محمد یامحمد یا نصر اللہ۔اقترب اقترب تھا۔

جنگ احد میں بھی یہی شعار تھا۔

جنگ بنو نظیر میں۔یا روح القدس ارخ ارخ تھا۔

حدیبیہ کے موقع پر۔علیٰ لعنت اللہ علی الظالمین تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر۔نحن عباد اللہ حق حقا تھا۔

تبوک کے موقع پر۔یا احد یا صمد تھا۔

حنین کے موقع پر۔ یا نصر اللہ تھا۔

اور امام زمانہؑ کا شعار ہوگا۔ یا ثارت الحسینؑ۔

عید فطر اور عید الضحیٰ کے مواقع پر مسلمانوں کا شعار۔

لا الہ الا اللہ --- حق حقا تعبدا و رقاہے۔

انقلاب اسلامی ایران میں بنیادی شعار۔ خدا قرآن اور خمینیؒ تھا۔ یعنی حکومت خدا کی' دستور قرآن کا اور رہبر خمینیؒ۔

تاریخ اسلام خصوصاً تاریخ درخشان مذہب تشیع کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان چند سالوں میں ہم ہر چیز میں حرج و مرج سے گزرے ہیں جن کو یاد کر کے رونا آتا ہے اور جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں جو مختلف النوع اجتماعات منعقد ہوتے آئے ہیں چاہے وہ ہفتہ وحدت کا اجتماع ہو جس میں اتحاد بین المسلمین کی دعوت دی جاتی ہے' یا یوم القدس کا جلسہ ہو جو عالم اسلام کو اسرائیل کے خلاف متحد کرنے کی غرض سے منایا جاتا ہے' یا اس ملک میں اپنے حقوق و مطالبات منوانے کی غرض سے منعقد ہونے والے اجتماعات ہوں یا مجلس ترحیم شہداء کے جلسے ہوں' غرض ان تمام جلسوں میں اور تمام باتیں تو دکھائی

دین یعنی جذبہ حرارت بھی تھا اور اجتماع بھی لیکن دو چیزیں قابل افسوس گزری ہیں :۔

(۱) بلند کئے جانے والے نعروں میں سنہ ۱۷ء سے لیکر اب تک کوئی نیا نعرہ وجود میں نہیں آیا۔ وہی سنہ ۱۷ء میں لگائے جانے والے نعرے ہر موقعہ پر بلند کئے جاتے ہیں۔ان نعروں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی گویا یہ خدا اور رسول یا امام کا حکم ہو' یا وحی الٰہی ہو یا پھر ہم وہ انسان ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

(۲) دوسری چیز یہ کہ ہمارے یہاں آزادئ شعار ہے۔ یوں تو کسی چیز کی آزادی نہیں لیکن شعار آزاد ہیں۔ کوئی پابندی نہیں 'جو شخص جو بھی نعرہ چاہے لگا سکتا ہے۔ اس کے برعکس مغرب کو دیکھئے جہاں بے لگام آزادی کا نعرہ لگتا ہے لیکن وہاں شعار آزاد نہیں۔

یہ ایک اہم نکتہ ہے جو ہماری قوم کو منزل و ہدف سے دور رکھنے اور پیچھے دھکیلنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

(۳) شعار فردی

افراد میدان جنگ میں اپنے ذاتی تشخص 'اس میدان کارزار میں جس گروہ یا اجتماع کی وہ نمائندگی کرتے ہیں اسکے انتخاب کا سبب یا جس ہستی کے پیچھے وہ ہیں اسکی قدر و منزلت کو اپنی زبان میں پیش کرتے ہیں۔اس سے مرحوم آیت اللہ مطہری نے اپنی کتاب "حماسۂ حسینیؑ" میں ایک باب "شعار ہائے عاشورا" کے نام سے کھولا ہے جسے عربی میں رجز کہتے ہیں۔ عاشوراء حسینیؑ کے موقع پر فوجِ حسینیؑ میں شامل صحابی' یاران امام حسینؑ' اور بنی ہاشم کے نوجوان اپنی اپنی طرف سے ایک رجز پڑھتے تھے 'یہ رجز انکا شعار تھا۔ یہ رجز یا شعار کتب مقاتل میں موجود ہیں جو اس شہید کی عظمت و فضلیت اور ذات حسینیؑ کے ساتھ عقیدت و محبت کا مظہر ہیں۔افسوس کہ ان شعائر کو ہمارے ہاں کوئی ایام عزا میں بیان نہیں کرتا۔اسکے بجائے زیادہ تر جو بیان کیا جاتا ہے وہ مختلف حکایتیں ہوتی ہیں جن میں خرافات اور جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے مقررین سامعین کو رلانے کیلئے نئی نئی کہانیاں اور قصے گڑھتے رہتے ہیں۔انہی خرافات اور جعلیات کی وجہ سے لوگ ان حضرات مقدسہ کی عظمت و بزرگی سے ناآشنا ہوتے جارہے ہیں۔

(۴) اذان۔ شعائر قولی

اذان کے کلمے شعائر قولی ہیں۔اذان "اذُن" سے مشتق ہے۔اذن بدن انسان کے ایک عضو کا نام ہے۔یہاں یہ استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے اس چیز کیلئے جس کی زیادہ سماعت ہوتی ہو۔اگر اذن کہیں تو اس کا مطلب ہے سن لو۔اسی لئے موذن اس انسان کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے بارے میں آگاہی دیتا ہے۔

سورۂ یوسف آیت ۷۰ :ثم اذن موذن ایھا العیر انکم لسرقون۔" اس کے بعد کسی نے آواز بلند کی کہ اے قافلہ والو! تم چور ہو"

سورۂ اعراف آیت نمبر ۴۴ :فاذن موذن بینھم ان لعنة الله علی الظلمین۔"اسی دوران میں ایک ندا کرنے والا ان کے درمیان یہ ندا کرے گا کہ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر۔"

سورۂ حج آیت نمبر ۲۷ :واذن فی الناس با لحج۔"لوگوں کو حج کی دعوت عام دو۔"

سورۂ توبہ آیت نمبر ۳ :"و اذان من الله و رسولہ

الی الناس یوم الحج الا کبر"۔"اور یہ آگاہی ہے اللہ اور اس کے پیغمبرؐ کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن۔"

نماز کے وقت دعوت نماز کیلئے ہونے والے اعلامئے کو اذان کہتے ہیں۔اس کی ضرورت سنہ ۱ ہجری میں اس وقت پیش آئی جب مدینہ منورہ میں مسجد وجود میں آئی اور مسلمانوں کو اجتماعی طور پر آزادانہ نماز باجماعت ادا کرنے کا موقع فراہم ہوا تو خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو وقت نماز سے آگاہ کرنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں صلاح و مشورے ہوئے کسی نے نصاریٰ کی دعوت عبادت کے طریقے کو استعمال کرنے کا مشورہ دیا تو پیغمبرؐ نے اسے رد کر دیا۔کیونکہ پیغمبرؐ بذات خود افضل انبیاء ہیں اور دین پیغمبرؐ اکمل دین ہے لہذا مناسب نہیں سمجھا کہ ایک دین کامل، دین ناقص کی وہ بھی تحریف شدہ دین کی پیروی کرے۔یہ اور بات ہے کہ آج کا مسلمان مغرب سے وابستگی کو اپنے لیئے باعث فخر محسوس کرتا ہے اور مغربی لباس اور رسم ورواج اسے اچھا لگتا ہے۔ جبکہ پیغمبرؐ کو یہ مشورہ اچھا نہیں لگا۔

آپ حکم خدا کے منتظر تھے کہ اتنے میں جبرئیل وحی لیکر نازل ہوئے کہ آپ دعوت نماز ان الفاظ میں دیں۔چنانچہ قرآن کریم میں لوگوں کو دعوت نماز دینے کے سلسلے میں دو آیتیں ہیں

سورۂ مائدہ آیت نمبر ۵۸ : واذا نا دیتم الی الصلوۃ اتخذو ھا ھزوا ولعباً۔

نماز کیلئے پکارتے ہو تو وہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے کھیل تماشا سمجھتے ہیں۔

سورۂ جمعہ آیت نمبر ۹ :اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعہ فاسعو الی ذکر اللہ

جب جمعہ کے دن نماز کیلئے پکارا جائے تو ذکر خدا کی طرف جلدی کرو۔

اذان در حقیقت لوگوں کو نماز کا وقت ہونے کی آگاہی کا نام ہے۔

لوگوں کو اجتماع میں شرکت کی دعوت دینے کا نام ہے۔

لوگوں کو خلق خدا چھوڑ کر خدا کی طرف آنے کی دعوت دینے کا نام ہے۔

لوگوں کو انفرادیت چھوڑ کر اجتماع کی طرف آنے کی دعوت دینے کا نام ہے۔

لوگوں کو سفرۂ مادی سے سفرۂ الٰہی کی طرف دعوت دینے کا نام ہے

لوگوں کو نیاز مندوں کے حضور میں رہنے کی بجائے ذات بے نیاز کے حضور میں آنے کی دعوت کا نام ہے۔

ہمارے مسائل و حاجات سے نا آشنا لوگوں کو چھوڑ کر آگاہ مطلق کے حضور میں آنے کی دعوت کا نام ہے۔

ناتوان و عاجز کے حضور کو چھوڑ کر قادر مطلق کے حضور میں آنے کی دعوت کا نام ہے۔

پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا "اذان نور ہے' اذان دینے والے قیامت کے دن انبیاؑ کے ساتھ محشور ہونگے"۔امام رضاؑ نے فرمایا "اذان دینے والے کے دائیں بائیں اور پیچھے ملائکہ کی صفیں نماز پڑھتی ہیں"۔

کتاب اسرار الصلوۃ صفحہ ۱۷۸ میں پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ "اذان دینے والے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ محشور ہونگے"۔

پیغمبرؐ نے فرمایا "تین گروہ قیامت کے ہولناک خطرات سے محفوظ رہیں گے :۔

۱۔ قرأت قرآن کرنے والے۔

۲۔ ارزاق زندگی میں پریشانی ہوتے ہوئے بھی آخرت میں مصروف رہنے والے۔

۳۔ اذان دینے والے"۔

اذان سننے والے تمام جن وانس قیامت کے دن موذّن کے حق میں گواہی دیں گے۔ کہتے ہیں دست خدا موذن کے سر پر ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ آیت جس میں فرمایا ہے "کون بہتر بولنے والا ہے" موذن کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پیغمبرؐ جب پریشان ہوتے تھے تو فرماتے تھے "بلال ہمارے لئے راحت کا سامان فراہم کرو"۔ موذن کو فصیح ہونا چاہیے۔ اذان جتنا ہو سکے بلند آواز میں دی جائے۔ نو مولود بچوں کے کان میں اذان دینے کا حکم ہے۔ موذن نماز گزاروں کی نماز کے اجر میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ موذن کے ساتھ ساتھ اذان سننے والے کو اذان کے الفاظ دہرانا چاہئیں۔ پیغمبرؐ کی حدیث ہے "آخر الزمان میں لوگ اذان کو حقیر اور پست لوگوں پر چھوڑیں گے"۔ اذان شیطان کو دور کرتی ہے۔ اذان آسمان میں رہنے والوں کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ اذان عزت وافتخار اور استقلال مسلمین ہے۔ اذان مسلمانوں کے پانچ وقت بلند ہونے والے شعار میں سے ہے۔ اذان میں بہتری تعظیم شعار میں شامل ہے۔ اذان اٹھارہ جملوں پر مشتمل ہے، یہ مختصر کلمات ہیں لیکن بد قسمتی سے ہم ان کے معانی سے بھی آگاہی نہیں رکھتے۔ اگر معنی جانتے ہیں تو اس پر توجہ نہیں کرتے۔ اگر مسلمان ان کلمات پر توجہ کرتا تو آج استحصال کرنے والوں کے پنجوں میں اسیر نہ ہوتا، ان سے خوف زدہ نہ ہوتا۔ یہ اذان اپنے اختصار کے ساتھ مہد سے لحد تک سننے اور بولا جانے والا شعار ہے۔

خوش قسمت ہے وہ انسان کہ اوقات نماز میں جس کی صدائے اذان سے فضا گونجتی ہے۔ علمائے اعلام کی دقیق و عمیق فہم و فراستِ شریعت اسلامی کے نتیجے میں الحمد اللہ دنیا کی مختلف زبان بولنے والے ملکوں میں اذان عربی ہی میں ہوتی ہے۔ ان مختلف زبان بولنے والے معاشروں میں عربی زبان میں اذان دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانان عالم دنیا بھر میں ایک وجود واحد پر جمع ہونے کی آمادگی رکھتے ہیں۔ اذان رمز وحدت ہے، رمز آمادگی ہے۔ اذان مشرکین و کافرین سے بیزاری کا شعار ہے۔

کتاب معانی الاخبار صفحہ ۳۸ میں امام حسینؑ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں موذّن نے اذان دینا شروع کی اللہ اکبر، اللہ اکبر جیسے ہی یہ صدا بلند ہوئی تو پدر بزرگوار علیؑ رونے لگے، ہمیں بھی رونا آگیا۔ جب موذن اذان سے فارغ ہوا تو حضرت نے ہم لوگوں سے پوچھا کہ موذن کیا کہہ رہا تھا؟ ہم نے کہا یہ تو اللہ، اللہ کے رسولؐ اور اس کے وصی بہتر جانتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا "اگر تم لوگ اسکے معنی درک کرتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ"۔ اور پھر اسکے بعد امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے کلماتِ اذان کی تفسیر یوں فرمائی :۔

اللہ اکبر کے بہت سے مفاہیم ہیں مثلاً خدا قدیم ہے ازلی ہے، ابدی ہے، عالم ہے، منبع قوت و قدرت اور حلم و کرم ہے، جود و عطا کا مالک ہے وہ ہر چیز میں کبریائی رکھتا ہے۔

موذن کہتا ہے اللہ اکبر۔ یعنی خدا وہ ہے جس نے امر کیا اور ہر چیز اس کی مشیت سے خلق ہوئی۔ تمام خلائق کی برگشت اسی کی

طرف ہے۔ جب ہر چیز فنا ہو جائے گی وہ باقی رہے گا۔ وہ پوشیدہ بھی ہے اور ہر چیز سے ظاہر بھی مگر حواس اسے درک نہیں کر سکتے ۔وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔ یہ ہے الله اکبر کا ایک مطلب۔

الله اکبر کے دوسرے معنی ہیں' وہ علیم و خبیر ہے ۔ جو گذر گیا اس کا بھی علم ہے' جو کچھ ان کے خلق ہونے سے پہلے تھا اسکا بھی علم رکھتا ہے اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے وہ بھی اسکے علم میں ہے۔

تیسرے معنی ہیں وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' ہر چیز پر قادر ہے' اپنی قدرت میں قوی ہے' اسکی قوت اپنی ذاتی ہے۔ اسکی قوت مافوق قوت ہے' وہ جب کسی چیز کو خلق کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ خلق ہو جاتی ہے۔

الله اکبر کے چوتھے معنی ہیں' خدا بزرگ ہے۔ اس کا حلم و کرم اتنا بزرگ ہے گویا اس نے دیکھا ہی نہیں۔ ہر چیز سے چشم پوشی کرتا ہے' ہر گناہ کو چھپاتا ہے گویا کسی نے کچھ کیا ہی نہیں۔ وہ عتاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا وہ حلیم ہے' کریم ہے۔

پانچواں مطلب ہے' وہ اپنے جود و عطا میں کبیر ہے۔ ہر صفت بیان کرنے والا اپنے انداز سے صفت بیان کرتا ہے جبکہ خدا کسی کے اندازے میں آ ہی نہیں سکتا۔

چھٹا مطلب یہ ہے کہ وہ بلند وبالا ہے۔ ہر بلند سے بے نیاز ہے' وہ کبیر ہے' عمل خلق میں کسی کا محتاج نہیں۔

اشهدان لا اله الا الله

یہ شہادت ہے' گواہی ہے۔ لیکن جب تک انسان اللہ کو دل سے نہیں پہچانتا شہادت و گواہی دنیا صحیح نہیں کہ میں اسے جانتا ہوں۔ لہٰذا گواہی دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دل سے جاننا چاہئے اور پھر یہ گواہی دے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود میں نہیں جانتا' اس کے علاوہ ہر معبود باطل ہے۔ جو میرے دل میں ہے میں صرف اسی کا اپنی زبان سے اقرار کر رہا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے لئے اس کے علاوہ کوئی پناہ گاہ و نجات دہندہ نہیں ہے' ہر شر سے اسکی پناہ مانگتا ہوں۔ دو مرتبہ تکرار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی ہدایت کرنے والا نہیں' اسکی ذات کے علاوہ دین کی طرف بلانے والا کوئی نہیں۔

اشهدان محمد رسول الله:۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندہ ہیں' رسول ہیں' نبی ہیں۔ اس نے اپنے نبی محمدؐ کو خلائق کیلئے ہادی بنا کر دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آسمان و زمین میں موجود تمام انبیاء و مرسلین' ملائکہ' انسان سب گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ سید اولین و آخرین ہیں۔ محمدؐ بشیر و نذیر ہیں۔ محمدؐ خدا کی طرف سے سراج خیر ہیں۔ محمدؐ پر ایمان نہ لانے والا جہنمی ہے۔

حی علی الصلوۃ:۔

آجاؤ بہترین عمل کی طرف۔ جلدی کرو اپنے رب کی دعوت پر۔ جلدی کرو رب کی مغفرت کی طرف۔ جلدی کرو اس آگ کو بجھانے کیلئے جسے تم نے خود روشن کیا ہے۔ جلدی کرو اپنے آپ کو آزاد کرانے کیلئے کیونکہ تم خواہشات کے ہاتھوں غلام بنے ہوئے ہو۔ جلدی کرو اپنے گناہوں کو بخشوانے کیلئے۔ جلدی کرو اپنی برائیوں کو اچھائی سے بدلنے کیلئے۔ مالک کریم اور فضل و کرم کے مالک نے' خدائے مسلمین نے ہمیں اپنے حضور میں داخل

ہونے کی اجازت دی ہے۔ اپنی درگاہ میں حاضری دینے کیلئے جلدی بلانے اور تکرار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جلدی کرو مناجات رب کی طرف، جلدی کرو اس کی طرف کہ اس نے آنے کی اجازت دی ہے۔

حی علی الفلاح:۔

جلدی کرو دوام کیلئے جس کے بعد فنا نہیں۔ جلدی کرو اس حیات کیلئے جس کے بعد ہلاکت نہیں۔ جلدی کرو اس زندگی کیلئے جس کے بعد موت نہیں۔ جلدی کرو اس نعمت کی طرف جو ختم ہونے والی نہیں۔ جلدی کرو اس سلطنت کیلئے جس کا زوال نہیں۔ جلدی کرو اس خوشی کیلئے جس کے بعد حزن نہیں۔ جلدی کرو اس انس کے لئے جس کے بعد وحشت نہیں۔ جلدی کرو اس نور کیلئے جس کے بعد ظلمت نہیں۔ جلدی کرو اس وسعت کیلئے جس کے بعد تنگی نہیں۔ جلدی کرو اس بے نیازی کیلئے جس کے بعد فقر نہیں۔ جلدی کرو اس صحت کیلئے جس کے بعد مرض نہیں۔ جلدی کرو اس عزت کیلئے جس کے بعد ذلت نہیں۔ جلدی کرو اس طاقت کیلئے جس کے بعد ضعف نہیں۔ دوسری مرتبہ تکرار ہے کہ سبقت کرو خدا کی دعوت کی طرف، بلند نعمتوں کی طرف۔

الله اکبر:۔

دوبار اللہ اکبر کی تکرار یعنی خدا بزرگ و برتر ہے۔ جو نعمت وہ اپنے اولیاء کو اور جو سزا اپنے دشمن کو دیتا ہے خود اس سے بالاتر ہے۔

لااله الا الله:۔

خدا کیلئے حجت بالغہ ہے۔ اسکے رسولوں کے توسط سے۔

قدقامت الصلوٰۃ:۔

اب وقت نماز آگیا ہے۔ اب مناجات کا وقت آگیا ہے اب حاجتوں کے روا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اب آرزؤں کو حاصل کرنے کا وقت آگیا ہے۔

دیکھئے یہ کتنا بلند وبالا شعار ہے۔ اگر انسان توجہ دے دن میں پانچ بار یہ کلمات بلند ہوتے ہیں جو اپنے اندر دنیا کے حقائق و معارف لئے ہوئے ہیں۔ ہر شخص کیلئے انکا تکرار کرنا مستحب ہے یعنی مؤذّن کے ساتھ خود بھی پڑھے۔ یہ فضل خدا یہ شعار جو ہماری مساجد کے مناروں سے بلند ہو رہے ہیں، الطاف خدا سے وہ اپنے ثمرات دے رہے ہیں۔ تاہم اگر مسلمان ان کے معنی کی طرف بھی متوجہ ہو جائیں تو ذہنی طور پر کیسا انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ غور کیجئے۔

(نوٹ):۔ اذان کے فقرات اور ان کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام نے دو فقروں کا ذکر نہیں کیا یعنی اشهدان علی ولی الله اور حی علی خیرالعمل۔ درحقیقت یہ دونوں ایک ہی معنی کے دو کلمات ہیں ایک اجمال ہے اور دوسرا اسکی تفسیر۔ شاید مجلس ان فقرات کو بیان کرنے کے لئے سازگار نہ ہو اس وجہ سے امامؑ نے اذان کے ان فقروں کی تفسیر کی طرف اشارہ کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

"السلام علیکم"۔ شعار قولی ہے

دنیا کی تمام اقوام وملل اپنی آئیڈیالوجی، اور ثقافت کی روشنی میں اور اپنے فکر و نظریے کے مطابق ایک دوسرے سے ملاقات کے موقع پر یا کسی اجتماع میں داخل ہوتے وقت کوئی کلمۂ تہنیت بطور تحفہ پیش کرتی ہیں۔ بعض گروہوں کے درمیان یہ اندازِ

تہنیت غلامی کی بنیادوں پر قائم ہے۔

مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں یا کسی کے گھر میں داخل ہوتے ہیں، اس وقت کیلئے قرآن و روایات کی رو سے اسلام نے جو کلمہ بطور تحفہ وضع کیا ہے وہ "السلام علیکم" ہے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ انعام میں مومنین کیلئے سلام کا ذکر ہے۔ یہ کلمۂ سلام تنہا مومنین کا سلام نہیں بلکہ سورۂ اعراف میں ہے کہ اہل جنت کا آپس میں اور جنت میں وارد ہونے والوں کا بھی یہی تہنیت و سلام ہے۔

سورۂ یونس آیت نمبر ۱۰: وتحیتهم فیها سلٰم۔ "اور ان کا تحیہ سلام ہے۔"

سورۂ اعراف آیت نمبر ۴۶: ونا دوااصحب الجنة ان سلم علیکم۔ "وہ بہشت والوں کو آواز دیں گے تم پر سلام ہو۔"

ملائکہ الٰہی انبیاء کے حضور حاضر ہوتے وقت سلام کہتے تھے۔ خدا نے اپنے انبیاء پر سلام بھیجا ہے۔

سورۂ الصٰفٰت آیت ۱۰۹: سلم علی ابراهیم۔ "ابراہیم پر سلام ہو۔"

سورۂ الصٰفٰت آیت ۱۲۰: سلم علی ابراهیم وهرون۔ "موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔"

سورۂ الصٰفت آیت ۱۳۰ میں پیغمبر کی آل پر سلام بھیجا ہے۔ "سلم علی ال یاسین۔" "آل یاسین پر سلام ہو۔"

علی طبرسی (متوفی ۷ ہجری) اپنی کتاب مشکواۃ الانوار میں لکھتے ہیں کہ سلام میں پہل کرنے والے کیلئے ۷۰ حسنات بیان ہوئے ہیں جبکہ جواب دینے والے کیلئے ایک حسنہ ہے۔ مشکواۃ الانوار ہی میں صفحہ ۱۹۹ میں امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے کہ تواضع کی علامت یہ ہے کہ جس سے ملیں سلام کریں۔ کہتے ہیں وہ بخیل ہے جو سلام نہیں کرتا۔

ثقافت اسلامی میں سلام کے لئے بھی اصول مرتب ہیں۔ مثلاً سوار، پیدل کو سلام کرے۔ چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ چھوٹا اجتماع بڑے اجتماع کو سلام کرے۔ خچر سوار گدھا سوار کو سلام کرے۔ گھوڑا سوار خچر سوار کو سلام کرے۔

امیر المؤمنین مولا علی ابن ابی طالبؑ سے مروی ہے کہ مرد عورت کو اور عورت مرد کو سلام کرسکتی ہے لیکن جوان لڑکی کو سلام کرنا کراہت ہے۔ سلام جسطرح ورود میں ہے، وداع میں بھی ہے۔ البتہ پیغمبرؐ نے چار طرح کے افراد کو سلام کرنے سے منع کیا ہے:

۱۔ شراب پی کر نشہ میں رہنے والوں کو۔
۲۔ بت بنانے والے کو۔
۳۔ موسیقار کو۔
۴۔ شطرنج کھیلنے والے کو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا "یہود و نصاریٰ، مجوس، بت پرست، شراب کی مجلس یا گانا گانے والوں کو سلام نہ کرو۔ سود کھانے والے کو سلام نہ کرو۔ جب کوئی شخص رفع حاجت کر رہا ہو اس حالت میں سلام نہ کرو"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

"اہل کتاب اگر تمہیں سلام کریں تو جواب میں صرف "علیکم" کہو یا سلامٌ علی منتبع الهُدیٰ کہیں"

یہ سلام کیا خوب تحفہ ہے۔

قرآن و سنت سے ثابت شدہ وہ تحفہ جو خدا اور انبیاء کے درمیان رائج ہے اور اہل جنت کے درمیان جسکا رواج ہے۔ یہ وہ

تحفہ ہے جو انبیاء اور ملائکہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں، جس کو اہل معاصی اور گناہ گاروں کو دینے سے منع کیا گیا ہے اور جسے اہل خسارہ اور گمراہ افراد کو دینے سے روکا گیا ہے۔یہ خصوصی تحفہ صرف اور صرف مسلمانوں اور مومنین کیلئے ہے جو قرآن و سنت سے ثابت و مسلّم ہے یہ بیش قیمت تحفہ ''السلام وعلیکم'' ہے ۔یہ سلام جس کے کرنے والے کے لئے ۷۰ حسنات ہیں' اس کو ہمارے ہاں بعض لوگوں نے غیر شعوری طور پر چھوڑ رکھا ہے اور اس کی جگہ ''ہیلو'' اور ''ہائے'' کے بے معنی استعمار نواز الفاظ اپنائے ہیں۔

اس کے علاوہ ملک کے بعض علاقوں میں لوگوں نے بعض غیر شیعہ افراد کے ایماء واشارے پر اس تحفۂ خدائی کو چھوڑ کر اس کی جگہ ''یا علی مدد'' کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ اس روش کے لئے انہیں کوئی منطقی دلیل وجواز نہیں ملا تو کہنے لگے کہ یہ شیعوں کی پہچان ہے۔حالانکہ شیعوں کی اصل پہچان تو وہ اعلان ہے جو دنیا کے گوشہ وکنار میں شیعہ بلند کرتے رہتے ہیں یعنی ہر اذان واقامت میں ''علیؑ ولی اللہ ''کا اعلان اور یہی شیعیان علیؑ کا طرۂ امتیاز ہے ۔دینا میں کوئی شیعہ نہ ہوگا جو اذان میں یہ کلمہ ادانہ کرتا ہو۔اسکے وجوب اور سنت کے ثابت نہ ہونے کے باوجود فقہاء' علماء اور ملت کے سب افراد بطور تبرک اسے پڑھتے ہیں۔ تمام فقہانے اس جملے کو جائز اور متبرک عمل قرار دیا ہے۔کوئی شیعہ دنیا میں ایسا نہیں ہوگا جو اذان میں یہ جملہ نہ کہتا ہو جبکہ سلام کی جگہ ''یا علی مدد'' صرف ہمارے خطے کے بعض علاقوں میں رائج ہے وہ بھی شیعوں کی پہچان کے طور پر نہیں کیونکہ اسمٰعیلیوں' بعض اہل سنت حضرات حتیٰ غیر مسلم افراد کو بھی یا علی مدد کہتے سنا گیا ہے۔

کہتے ہیں اسکے پس پردہ ایک ایسے طبقہ کا ہاتھ ہے جو بذریعہ سیاست اور اقتصاد شیعوں میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ شیعوں کا نہ اصول دین میں اور نہ فروع دین میں ان سے کوئی ربط ہے بلکہ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

''شعائر حیوانی''

شعائر حیوانی یعنی وہ حیوان جس پر ایسی نشانی لگی ہو جس سے پتہ چلے کہ وہ انسان کی ملکیت سے خارج ہے۔اس نشانی کے لگنے سے اب وہ خدا' بیتِ خدا یا مہمان خدا سے منسوب ہو گیا اور اب یہ حیوان سرزمین مکہ یا منیٰ میں مہمان خدا کیلئے ذبح ہوگا۔ حجاج کرام چار نیتوں سے حج میں حیوان ذبح کرتے ہیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ان حیوانوں میں سے ایک حیوان ایسا ہے جسے حاجی میقات سے ہی اپنے ساتھ لیکر جاتا ہے وہ جب قربانی کی نیت سے اس پر کوئی نشان لگاتا ہے تو خود محرم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ حیوان بھی اس کی ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے۔اب یہ حیوان کوئی عام جانور نہیں رہا۔اب یہ ایک خصوصی امتیاز رنگ رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حیوان کو کہ جو حاجی اپنے ساتھ حجِ قران میں ساتھ لے کر جاتا ہے شعائر اللہ کہا ہے۔

چنانچہ سورۂ مائدہ آیت ۲ میں ارشاد ہوتا ہے :'' یایها الذین امنو الا تحلو اشعآئر الله ولا الشهر الحرام ولاالهدی ولا القلآئد۔

ایمان والو! خبردار خدا کی نشانیوں کی حرمت کو ضایع نہ کرنا اور نہ محترم مہینے۔ قربانی کے جانور اور جن جانوروں کے گلے میں پٹے باندھ دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح سورۂ الحج آیت ۳۶ میں ارشاد باری تعالیٰ

ہے :"والبدن جعلنها لکم من شعآئر الله۔"
اور ہم نے قربانی کے اونٹوں کو بھی اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔
سورۂ مائدہ کی آیت ۲ میں اسے ہدیہ یا قلائد کہا گیا ہے۔
اور سورۂ حج آیت ۳۶ نے اسے "بُدن" کہا ہے۔
ھدیہ "ھد" سے ہے۔ چونکہ حاجی اس جانور کو بیت اللہ کیلئے ہدیہ کے طور پر لیکر جاتا ہے' یہ ہدیۂ کعبہ ہے جیسا کہ سورۂ نمل آیت ۳۵ میں بیان ہوا ہے۔
"وانی مرسلة الیھم بھدیة"۔"اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیج رہا ہوں۔"
حاجی سرزمین مکہ و منیٰ میں چار مختلف نیتوں سے حیوان ذبح کرتے ہیں :

۱) بطور مستحب : حاجی بطور مستحب تقرب خدا کی نیت سے جانور ہدیہ کرتے ہیں اور وہاں کے فقراء و مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہؐ حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰۰ اونٹ اپنے ساتھ لیکر گئے۔ اس ہدیے کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ البقرہ آیت ۱۹۶ میں اور سورۂ مائدہ آیت ۵ میں آیا ہے۔

سورۂ البقرہ آیت نمبر ۱۹۶ : فمن کان منکم مریضا اوبه اذًی من راسه فدیة من صیام او صد قة او نسك۔
اب جو تم میں سے جو مریض ہے یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہے تو وہ روزہ یا صدقہ یا قربانی دے دے۔
سورۂ مائدہ آیت نمبر ۵ :۔

۲) بطور کفارہ : احرام باندھنے کے بعد خلل یا خلاف ورزی ہونے کی صورت میں اس کا جبران کرنے کیلئے کفارہ کے طور پر جانور ذبح کیا جاتا ہے۔

۳) بطور نذر : حاجی نذر کرتا ہے کہ گوسفند کی مقررہ تعداد سرزمین مکہ و منیٰ میں ذبح کرے گا۔

سورۂ حج آیت نمبر ۲۹ :ولیو فو اند و رھم۔"اور اپنی نذروں کو پورا کرو۔"

۴) بطور واجب :واجب ہے کہ حاجی سرزمین مکہ میں حیوان ذبح کرے۔ یہ وجوب حج کی تین اقسام میں سے دو یعنی حج قران اور حج تمتع میں ہے یعنی حاجی جب تک حیوان ذبح نہ کرے گا حالت احرام سے نہیں نکل سکتا۔

حج کی تیسری قسم میں' جسے حج افراد کہتے ہیں' قربانی نہیں ہے۔ حج تمتع میں قربانی واجب ہے' جانور ساتھ لیکر جانا واجب نہیں' وہاں خرید کے ذبح کیا جا سکتا ہے جبکہ حج قران' حج کی وہ قسم ہے جس میں حاجی کیلئے واجب ہے کہ وہ میقات سے اپنے ساتھ جانور لے کر جائے۔

قربانی کے لئے سب سے زیادہ بہتر حیوان اونٹ ہے۔
سورۂ حج آیت نمبر ۳۶ :والبد ن جعلنها لکم من شعآئر الله۔"اور ہم نے قربانی کے اونٹوں کو بھی اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔"
قربانی بطور ہدیہ ہو یا بطور واجب اسے قرآن نے شعائر اللہ کہا ہے۔
جانور کی قربانی اعمال حج میں شامل ہے اور اس سے پہلے طواف حج نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ ذبح دو طرح کے حج میں لازمی

ہے یعنی حج کا جزو ہے۔

(۱) ایک حج تمتع ہے جس میں واجب ہے کہ شرائط وصلاحیت کا حامل حیوان ذبح کریں۔ اس کے بغیر یا اس سے پہلے طواف بیت صحیح نہیں ہے۔

(۲) دوسرے حج قران ہے۔ اس حج میں بھی قربانی اسی طرح واجب ہے جیسے حج تمتع میں لیکن فرق یہ ہے کہ حج قران میں قربانی کو میقات سے ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ جس طرح میقات پر لبیک کہنے سے انسان محرم ہو جاتا ہے اسی طرح اس حیوان کے گلے میں یا اس کے سر پر حج کی نیت سے کوئی نشانی ڈالنے سے حاجی محرم ہو جاتا ہے یہ نشانی جو حیوان کی گردن میں ڈالتی جاتی ہے اسے قلادہ کہتے ہیں۔

قلادہ کی جمع قلائد ہے۔ قلادہ گردن بند کو کہتے ہیں۔

قربانیاں دو قسم کی ہوتی ہیں :۔

حج تمتع اور حج قران میں قربانی جزو اعمال حج ہے لہٰذا ان میں ہر قسم کے حیوان کی قربانی کافی نہیں فقہائے کرام نے اس قربانی کے حیوان کی ضروری خصوصیات کا ذکر کیا ہے بلکہ خود قرآن کریم سورۂ مبارکہ حج آیت ۳۶ میں آیا ہے :

"والبدن جعلنها لكم من شعائر الله لكم فيها خير

"بدون" اچھے خاصے موٹے تنومند کو کہتے ہیں جبکہ بطور ہدیہ، فدیہ اور کفارہ کے جو حیوان ذبح کئے جاتے ہیں انکے لئے کوئی شرط مقرر نہیں ہے۔

حیوان کے شعائر اللہ ہونے کی توجیہہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جو حیوان حج تمتع یا حج قران کیلئے حاجی اپنے ساتھ لیکر جاتے ہیں خدا نے ان کو اپنے شعائر میں قرار دیا ہے۔ یہ حیوان جو قلادہ پہننے یا نشانی لگنے سے پہلے صفت انعامیت و بہیمیت سے متصف تھا آج شعائر اللہ کیسے قرار دیا گیا۔ اس فلسفے اور رمز کو سمجھنے کیلئے اس سلسلے میں وارد آیات وروایات، تفسیر و توضیحات اور علمائے اعلام کی طرف توجہ کرنے سے جو نکات اس کے شعائر ہونے کے سلسلے میں نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) یہ حیوان جو حاجی سرزمین مکہ و منیٰ لیکر جاتا ہے اس کا ایک تاریخی پس منظر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعائر اللہ کیوں بنا، کوئی دوسرا جانور کیوں نہیں بنا؟ اسکو سمجھنے کیلئے بھی ایک مقدمے کی ضرورت ہے۔

انسان کی توجہ ہمیشہ درج ذیل دو میں سے کسی ایک حالت کی طرف ہوتی ہے :۔

(۱) یا تو اس کی تمامتر توجہ اپنے نفس کی طرف ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ خود بین ہو جاتا ہے، خود خواہی، خود پسندی، خود بقا، خود حیات چاہتا ہے۔ اپنی حیات کے سلسلے میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کو ہی زندگی و ہدف حیات گردانتا ہے۔ اپنی ذات سے ماورا کوئی حقیقت اسے نظر نہیں آتی۔ ایسے انسان کے بارے میں جس نے اپنے نفس کو اپنا مقتدا بنایا ہو اور اپنی خواہشات اور ہوا و ہوس کو زندگی کا مقصد بنایا ہو، قرآن فرماتا ہے یہ حیوان ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر ہیں۔ انکے پاس دل ہے لیکن وہ سمجھتے نہیں، آنکھ ہے مگر دیکھتے نہیں، کان ہے مگر سنتے نہیں، وہ شکل میں انسان ہیں لیکن حقیقت میں حیوان ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں سورۂ اعراف آیت ۱۷۹۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی تمام تر توجہ خدا کی طرف

ہوتی ہے۔وہ اپنے بارے میں سوچتا ہی نہیں۔لیکن یہ توجہ بہ خدا بھی دو قسم کی ہیں۔ایک توجہ بہ خدا کی کیفیت یہ ہے کہ اگر اس کے فلسفے اور حکمت کو تلاش کیا جائے اور اس سے پوچھا جائے کہ وہ کیوں متوجہ بہ خدا ہے' یہ عمل کیوں کر تا ہے' کیا اس فعل کے راز و اسرار کو جانتا ہے ؟ تو وہ اپنے آپ کو فلسفی گردانتے ہوئے جواب دے گا کہ وہ بے مقصد اس عمل کو انجام نہیں دیتا مثلاً جواب ملے گا کہ نماز میں ورزش ہے' روزے میں صحت ہے' خمس میں مال کی برکت و انشورنس (حفاظت) ہے۔دقت سے اگر دیکھا جائے تو یہ توجہ بہ خدا اگر چہ پہلی توجہ (یعنی صرف اپنے بارے میں سوچنے) سے بہتر ہے کیونکہ بہر حال توجہ بخدا کے کم درجے پر تو فائز ہے ہی۔ایسا شخص ممکن ہے کہ خدا کا عاصی نہ ہو لیکن بہر حال وہ اس درجے پر فائز نہیں کہ اسے شعائر اللہ کہا جائے یعنی اسے دیکھ کر یاد خدا آئے۔

توجہ بہ خدا کی دوسری کیفیت یہ ہے کہ وہ احکام خدا کو اس لئے نہیں بجالاتا کہ وہ صحت کے لئے مفید ہیں یا اس سے اسکے مال میں برکت ہوگی بلکہ اسکا عمل صرف اور صرف اطاعت مولا میں ہے۔ اس میں شیطانیت اور غیر خدا نہیں۔یہ خدا کا حکم ہے' رسول کا حکم ہے آئمہؑ نے فرمایا ہے۔یہ بات ثابت ہونے کے بعد خواہ اس کا فلسفہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے بس سر تسلیم خم ہو جاتا ہے۔وہ فرزند دلیل نہیں بن سکتا۔ فرزند دلیل بننا حکمت کی علامت نہیں کیونکہ اب یہ منزل اور مرحلہ بندگی کا ہے۔البتہ اس مرحلہ تک پہونچنا اور اس منزل کا حاصل کرنا ایک مشکل و دشوار کام ہے۔

شاید اسی لئے ابراہیمؑ خلیل اللہ نے بارگاہ خدا میں دعا کی کہ "پروردگارا! ہم دونوں کو مسلمان قرار دے"۔ جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ نہیں جانتے کہ خدا نے ان سے یہ قربانی کیوں طلب کی البتہ اتنا جانتے ہیں کہ یہ جاننے کی بات نہیں' بس امر مولا ہے۔لہٰذا اسکا فلسفہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے باپ بیٹے دونوں حکم خدا کے سامنے تسلیم ہوگئے ۔سورۂ الصافات کی آیت نمبر ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ باپ نے بیٹے کو بہانہ بنا کر خدا کی نافرمانی کی' نہ بیٹے نے باپ کو بہانہ بنا کر اسے ٹالنے کی کوشش کی بلکہ دونوں نے حکم خدا ثابت ہونے کے بعد نفس امارہ کو ذبح کیا اور خود کو اس سے آزاد کر لیا۔اب ان کے پاس سے نفس امارہ جو صفت حیوانی ہے نکل گئی اور یہ صفت رحمانی میں داخل ہوگئے ۔اگر اذن خدا سے حیوان نہ آتا تو ابراہیمؑ بے پسر رہتے اور اسماعیلؑ بے پدر ہو جاتے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو پیش کیا اور حضرت اسماعیلؑ نے خود کو پیش کیا تو خدا نے دونوں کی بقا کو چاہتے ہوئے ذبح عظیم بھیجا۔اب جو حیوان حاجی لیکر جاتا ہے مثالِ اسماعیلؑ ہے جسکو ابراہیمؑ منیٰ لیکر جا رہے ہیں۔ یہ حیوان ہے اسماعیلؑ نہیں لیکن یہ ذبح عظیم کا نمائندہ و مصداق ہے اور جب ذبح عظیم کا مصداق ہے تو کیونکر شعائر اللہ نہ بنے۔

(۲) باب زکوۃ میں حیوانات پر زکوۃ کے بارے میں جن حیوانوں کا نام لیا جاتا ہے ان میں گوسفند' اونٹ' گائے اور بیل کا ذکر ہے چونکہ یہ حیوان یہاں مال کی نمائندگی کرتے ہیں اور

یہاں مال ایک انسان کی ملکیت سے نکل کر دوسرے انسان کی ملکیت میں جارہاہے لہٰذا حیوان کا ذکر اس کا نام لیکر کیا ہے۔ لیکن جو حیوان حاجی لیکر جاتا ہے خدا نے اسکو حیوان نہیں کہا اس کے لئے اچھی اور بہتر نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ اسے "قلائد" کہہ کر پکارا ہے "ہدیہ" کہہ کر پکارا ہے۔ "بدنہ" کہہ کے پکارا ہے یہ تینوں صفت جمیل ہیں۔

ان صفات کے حامل ہونے کے بعد دوسرا نکتہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ ہر چیز جو اس کائنات میں موجود ہے اسکی ملکیت دو قسم کی ہیں ایک ملکیتِ حقیقی ہے جیسا کہ آیت میں ہے :۔

"ولله ملك السموات و لارض"

دوسرے ملکیتِ انسانی ہے۔ یہ ملکیت شرعی بھی ہو سکتی ہے اور غصبی بھی۔ جو حیوان حاجی ساتھ لے کر آیا ہے اسکی گردن یا سینگ پر علامت گزاری کے بعد وہ انسان کی ملکیت اعتباری سے نکل جاتا ہے۔ اب وہ اپنے مالک حقیقی کی ملکیت خاص میں آگیا ہے' اب یہ ملکیت خدا ہے۔ اس پر نشان گزاری اس لئے کی ہے تاکہ کوئی انسان اس کو اپنے قبضے میں نہ لے لے۔ اگر راستہ میں مرجائے تب بھی روایات میں ہے کہ اس قلادے کو ذبح کر کے چھوڑ کر چلے جائیں۔

(۳) یہ حیوان بیت اللہ سے منسوب ہے اور کعبہ کا جب بھی ذکر آتا ہے یاد خدا آتی ہے تو جو چیز کعبہ سے مربوط ہوگی اسے دیکھ کر بھی یاد خدا آئے گی۔ لہٰذا اس حوالے سے بھی اس حیوان کو شعائر اللہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔

(۴) اس حیوان کے انجام کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ یہ ناس کیلئے ہے تاکہ لوگ کھائیں لیکن یہ ہر ناس کیلئے نہیں بلکہ انکے لئے ہے جو مہمان خدا ہیں۔ لہٰذا صدر اسلام میں اس کا گوشت سرزمین منیٰ سے باہر لے جانا منع تھا کیونکہ یہ صرف مہمانان خدا کیلئے ہے' حرم خدا میں رہنے والوں کیلئے ہے۔

(۵) ہر وہ حیوان جو انسان اپنی ملکیت سے نکال کے دے دیتا ہے چاہے وہ وجوب کی نیت سے ہو یا مستحب کے کی نیت سے' وہ مخصوص ہو جاتا ہے کہ اسے فقراء و مساکین کھائیں' اس لئے انسان اس مال میں احساس حقارت محسوس کرتا ہے اور دولت مند لوگ اسے کھانے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس حیوان کے گوشت کے بارے میں جو حاجی لیکر جاتا ہے' فریقین کی روایت ہے کہ اسے یہ خود بھی کھائے اور اپنے عزیزوں کو اور فقراء کو بھی کھلائے۔ یہ بات اس حیوان کے شعائر اللہ ہونے اور اس کی عظمت و بزرگی کی دلیل ہے۔

(۶) آیت کریمہ میں ہے کہ اس حیوان کو جو تم اپنے ساتھ سرزمین مکہ و منیٰ لے جارہے ہو گرچہ تم اسے اپنی ملکیت سے باہر نکالتے ہو اور یہ شعائر اللہ بن جاتا ہے لیکن شعائر اللہ بننے کے بعد بھی اس میں صفت حیوانی موجود ہے۔

صفت حیوانی میں خوبی اور اچھائی اس بات میں ہے کہ وہ انسان کیلئے فائدہ مند ہو۔ لہٰذا شعائر اللہ بننے کے بعد بھی حاجی اس سے شرعی' معقول اور عادلانہ استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ وہ خود بھی شعائر اللہ ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۲ کے آخر میں ہے کیونکہ وہ بھی اپنے مقام و حیثیت سے نکل کر آتا ہے۔ حالت خستگی و ناتوانی میں اس پر سوار

ہونے اور اسکے دودھ سے استفادہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ شریعت اسلام میں حیوان شعائر اللہ ہونے کے بعد بھی بندہ خدا سے بلند و بالا نہیں ہے اور مرتبہ میں فوقیت نہیں رکھتا۔ ایسا نہیں ہے کہ اس حیوان کی اہمیت دین شریعت میں اس شخص سے بھی بڑھ جائے جس کے پیچھے خدا کی عبادت ادا کی جاتی ہو۔

(۷) اس وقت شعار حیوانی کی حکمت کے بارے میں وارد آیات و روایت سے استفادہ مہمل اور بے ہودگی کی صورت حال سے گزر رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہر وہ انسان جو اسلام کیلئے دل سوزی رکھتا ہے' دردمند ہے' عظمت اسلام کو اجاگر کرنا چاہتا ہے اور اسلام پر اسے ناز و فخر بھی ہے وہ اس مسئلے کے آگے شرمندگی سے سر نیچے کئے ہوئے ہے۔ وہ درد دل کے ساتھ اس مسئلے کو اٹھاتا ہے کہ آخر اس کا کیا حل ہونا چاہئے۔ اسی طرح وہ لوگ جو اسلام کے خلاف بولنے کیلئے بہانے کے انتظار میں رہتے ہیں اور اسلام میں کمزوریوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں وہ بھی اس مسئلے کو اسلام کے خلاف مہم چلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ہم نہ اسلام کے خلاف بہانے تلاش کرنے والوں کی زبان کشائی کو غیر متوقع سمجھتے ہیں اور نہ فقہائے عظام' مجتہدین کرام کو اس مسئلے میں تنہا مسئول و ذمہ دار قرار دیتے ہیں بلکہ اس مسئلہ کو امت مسلمہ کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ جہاں تک مجتہدین کرام کا تعلق ہے انکی ذمہ داری فقہ کو قرآن و سنت سے درک کرنے کی حد تک ہے لیکن ان پر عمل درآمد کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ارباب اختیار اور سیاستدانوں کی ذمہ داری بنتی ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو بری الذمہ گردانتے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں مسائل پر تمام پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مجتہدین کرام' علمائے عظام کی نظروں سے یہ مسئلہ او جھل نہیں کیونکہ یہ بہت اہمیت کا حامل ہے بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ یہ مسئلہ انکی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔ حال ہی میں یعنی تقریباً دو سال پہلے حوزۂ علمیہ قم مرکز اجتہاد و فقاہت کی ایک مشہور و آشنا و بیدار شخصیت مجتہد آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مجتہد العصر نے موجودہ صورت حال کے تحت دوسروں سے ہٹ کر فتویٰ صادر کیا ہے اور اس پر بحث و استدلال بھی کی ہے۔ ان سے پہلے ایران اسلامی کے جید و ممتاز' عالم و دانا شخصیت شہید آیت اللہ ڈاکٹر بہشتی نے اپنے خطاب یا اپنی کتاب ''حج در قرآن'' میں اس مسئلے پر انتہائی تشویش کا اظہار کر کے علماء اور سیاستدانوں سے اس طرف متوجہ ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔ آج سے ۲۵ سال پہلے آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادق تہرانی نے اپنی کتاب ''مناسک حج'' میں اس مسئلہ میں مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ اور موجودہ علماء سے ہٹ کر فتویٰ دیا ہے۔ غرض یہ مسئلہ بحث و گفتگو کیلئے کھلا ہوا ہے جو انشاء اللہ جلد فقہاء اور حکمران اسلامی کی کوشش اور توجہ سے حل ہو جائے گا۔

(۸) شعائر حیوانی سے متعلق وارد آیات کے فقروں میں دور جاہلیت کی ایک سنت کی طرف اشارہ ہے جو اسلام سے قبل جاری تھی جبکہ قرآن کریم اس کی صریح مخالفت کرتا ہے۔ وہ سنت یہ تھی کہ دور جاہلیت میں مشرکین اپنی قربانی کے

حیوان کو ذبح کر کے بت کو مارتے تھے یا اسکا خون اور گوشت کعبہ کی دیوار سے مس کرتے تھے چنانچہ قرآن نے فرمایا یہ قربانی کا حیوان ہے۔ کعبہ کی دیوار سے مس کرنے سے اسکا گوشت یا خون خدا تک نہیں پہنچتا۔ جو چیز خدا تک پہنچتی ہے وہ حاجی کی نیت اور اخلاص ہے۔ اسکے حکم پر عمل کرنے کی صفت تقویٰ ہے جو خدا کو پسند ہے۔ یہ گوشت کعبہ یا خدا کیلئے نہیں ہے گرچہ اس سے منسوب ہے بلکہ انسانوں کیلئے ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے باوجود بعض مسلمان اپنی مساجد' امام بارگاہوں اور گھروں کی تعمیر کے وقت اس کی بنیاد میں حیوان ذبح کر کے اسکا خون گرا دیتے ہیں' نذر کرتے وقت مختلف رنگوں کے حیوان کو انسان کے اوپر گھماتے ہیں' یا کوئی چیز یا پیسہ دیتے وقت ہاتھ مس کر کے دیتے ہیں۔ گویا خدا اور رسول کو کہیں اشتباہ نہ ہو جائے اور یہ کسی دوسرے کے نام پر نہ ہو جائے۔

اس سے بھی زیادہ افسوسناک حالت اس دور جدید میں نظر آرہی ہے جب قوم ۲۱ ویں صدی میں داخل ہونے والی ہے ہمارے ملک کے سب سے ترقی یافتہ شہر کراچی میں ایام عزاء میں دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض افراد حیوان ذبح کر کے اسکا خون چہرے پر ملتے ہیں تا کہ ان کی حوائج بر آوردہ ہو جائیں۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک و خطرناک بات یہ ہے کہ بعض علماء کی نظر میں ایسی خرافات سے مذہب کو فروغ ملتا ہے۔ اگر مذہب کو خرافات ہی سے فروغ ملتا ہے تو اس کے بارے میں کیا کہیں گے کہ انبیاء اور آئمہ ہمیشہ حق و حقیقت کی بات کرتے تھے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذباللہ وہ مذہب کے فروغ میں مانع تھے۔ اسی طرح علماء و مجتہدین اور محققین جو ہر مسئلے میں بحث و تحقیق کرتے ہیں تو کیا اسطرح وہ مذہب کے فروغ میں حائل ہیں یا رکاوٹ بن رہے ہیں ؟۔

(۴) شعائر انسانی :۔

بعض انسان انتخاب الٰہی کی وجہ سے یا اپنی صلاحیت و اہلیت اور اپنے آپکو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی وجہ سے یا اسلام میں ڈوب جانے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کو یاد خدا اور یاد شریعت دلانے کا سبب بن جاتے ہیں۔ ایسے افراد کو شعائر انسانی کہتے ہیں۔

خداوند متعال نے سورۂ حج آیت نمبر ۳۰ - ۳۲ میں ان شعائر کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے دلوں میں تقویٰ اور ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شعائر کے تمام مصادیق واضح اور روشن ہوں تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اشتباہ کے سبب غلطی سے کسی غیر اسلامی شعائر کی تعظیم کرنے لگیں۔

شعائر علمائی

''شعائر'' جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' اعلام و نشانی کو کہتے ہیں اور نشانی منزل تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔ صحیح نشانی' منزل سے نزدیک جبکہ غلط نشانی منزل سے دور کرتی ہے۔ شیاطین جن وانس' طواغیت اور فراعین دوراں نے انسانی معاشرے میں جو انحرافات برپا کر رکھے ہیں اس کی وجہ سے خدا تک پہونچنے کے راستے کم نظر آتے ہیں۔ لہٰذا خدائے بزرگ و برتر کی رحمت اور عنایت کا تقاضہ ہے کہ اپنی مخلوق کے درمیان ایسی نشانیاں نصب کرے جو منزل کی جانب اسکی رہنمائی کریں اور یقیناً اس رب کریم نے ایسی نشانیاں نصب کی ہیں۔ یہ علامتیں اور نشانیاں مختلف ہیں'

ان کے الگ الگ مدارج ہیں۔ ہر زاویہ‘ ہر نقطہ نگاہ اور ہر پہلو سے ایک الگ نشانی معین فرمائی ہے۔ بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے ۔خدا کو پہچاننے کیلئے عام مومنین بھی ایک نشانی ہیں لیکن ان سے زیادہ واضح ‘روشن و نمایاں نشانی علماء ہیں۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ فاطر آیت نمبر ۲۸ میں خداوند عالم نے فرمایا: ’’بہ تحقیق خدا سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔‘‘

حُسن تعبیرِ الٰہی ملاحظہ فرمائیے کہ وہ تو فرماتا ہے کہ ’’علماء خدا سے ڈرتے ہیں‘‘ جبکہ بعض افراد علماء کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں (نعوذ بااللہ) ’’خدا علماء سے ڈرتا ہے‘‘۔ لہٰذا اس آیۂ مبارکہ کے مطابق وہی علماء خدا کی نشانی قرار پائیں گے جو خوف خدار کھتے ہوں۔

چونکہ علماء اللہ کی نشانی ہیں اسی لئے کثیر احادیث میں‘ علماء کے مقام و منزلت کو انبیاء سے قریب بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ علماء مثلِ انبیاء ہیں‘ وارثِ انبیاء ہیں‘ علماء سے اہل آسمان محبت کرتے ہیں‘ علماء اہل زمین کا چراغ ہیں‘ علماء خلفاء کے جانشین ہیں‘ علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون کے مانند ہے۔ علماء نشانئ رب ہیں اور توجہ بہ رب افضل ترین‘ اشرف ترین عبادات میں سے ہے بلکہ خلقتِ انسانی کی غرض و غایت ہی توجہ بہ رب ہے‘ معرفت رب ہے۔ علماء کا چہرہ نشانئ رب ہے شعائر رب ہے۔ لہٰذا احادیث میں عالم کے چہرے کو دیکھنا اور اس کی مجلس میں حضوری کو بھی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ بنابریں عالم چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اسکی تحقیر نہیں کرنی چاہئے۔ عالم کو دیکھئے تو اسکی خدمت کیجئے۔ عالم کی‘ تعظیم‘ تعظیمِ رب ہے۔ استقبالِ عالم‘ استقبالِ رب ہے۔ حضور مجلس علماء‘ رب کے حضور میں بیٹھنے کی مانند ہے۔

آپ نے دیکھا! عالم اللہ کی نشانی ہے۔ لہٰذا وہ گروہ جو خلق خدا کو خدا سے روگرداں کرنے کے عمل میں مصروف و سرگرداں ہے‘ اس کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ان نشانیوں کو مٹادے۔ اگر مٹا نہ سکے تو کم از کم ان کو غلط جہت اور غلط سمت پر لگادے۔ دوسری جانب دیکھیں تو اتنے بلند و بالا مقام و منزلت کا کون خواہش مند نہ ہوگا۔ لہٰذا بہت سے نااہل افراد علماء کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو‘ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟۔ کیا نبوت کے جھوٹے دعویدار نہیں بنے؟ کیا مقام و منصب امامت پر غلط افراد‘ قرب رسول اللہ کو حیلہ بنا کر قابض نہیں ہوئے؟ کیا خداوند عالم نے قرآن کریم میں‘ آیات خدا کو فروخت کرنے والے علماء کے مذموم عمل کی مذمت نہیں کی ہے؟ لہٰذا نشانیوں کی تلاش میں رہنے والوں کو چاہئے کہ صحیح نشانی اور غلط نشانی کے فرق کو اچھی طرح سمجھیں تاکہ دھوکہ میں نہ آجائیں۔

شعائر علمائی کے حوالے سے‘ اسلام و مسلمین کی عظیم مصیبت کے پیش نظر کچھ حقائق پیش کرنا ہم اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کے درمیان ایک نہیں دو گروہ‘ دانستہ یا نا دانستہ طور پر اس نشانی کو بے اثر بنانے بلکہ مٹانے کی مہم چلا رہے ہیں۔

ان دونوں گروہوں کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے ہم ان لوگوں کا طریقہ نہیں اپنائیں گے جو بہ یک جنبش قلم کسی کی تمام باتوں کو بغیر استدلال کلی طور پر مسترد کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس طریقہ کار کو اپنانا نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں بلکہ کسی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم پہلے دونوں گروہوں کے نظریات اور طریقہ کار

پیش کریں گے اس کے بعد انکے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش کریں گے۔

پہلا گروہ

یہ گروہ کھل کر، بر ملا ایک مہم کے تحت علماء کی مذمت کرتا ہے کہ علماء ایسے ہیں، ویسے ہیں علماء پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے، ہمارے ملک میں کیسے کیسے علماء ہیں اللہ اللہ، توبہ توبہ کان پر ہاتھ رکھتے ہیں، خدا مجھے معاف کرے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کہتے ہوئے علماء کی شان میں دشنام طرازی کرتے ہیں۔ ایسے افراد کی خدمت میں ہم بس اتنا کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ :۔

اگر ملک میں تمام ڈاکٹر بے ایمان ہو جائیں، فیس زیادہ لینے لگیں، مریضوں میں دلچسپی نہ لیں اور ان حالات میں ملک میں ہر قسم کی بیماری پھیل جائے، تو کیا ان بیماریوں کا علاج ڈاکٹروں کو برا بھلا کہنے سے ہو جائیگا یا پھر علاج کے لئے ان ہی ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور یقیناً انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر ان کا علاج مہلک ثابت ہو تو عقل کا تقاضہ بھی ہے اور حکم شرع بھی کہ یا خود ڈاکٹر بنیئے یا کسی اور کو جلد از جلد ڈاکٹر بنایئے۔ اصطلاح فقہ میں اسکو واجب کفائی کہتے ہیں۔ اور جب تک یہ ممکن نہ ہو کسی صحیح ڈاکٹر کو باہر سے بلوایئے تاکہ خلق خدا کی جان بچائی جاسکے ورنہ یہ سب و شتم اور بد گوئیاں کسی معمولی بخار یا کھانسی کا بھی علاج نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو بھی شخص اس عمل قبیح کا مرتکب ہو رہا ہے وہ یہ حرکت علماء کی برائی یا دلسوزی میں نہیں کر رہا ہے بلکہ کسی کے اشارے پر اور کسی سازش کے تحت ایسا کر رہا ہے۔ لہٰذا کم از کم متدین فراد کو ایسے لوگوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ صرف علماء سے دوری نہیں پیدا کر رہے بلکہ خدا سے دور کرر رہے ہیں۔

دوسرا گروہ

علماء کے بھی مختلف منازل اور مدارج ہیں جس طرح سے علم کے اور ایمان کے درجات ہیں۔ آیا کوئی عالم خدا کی نشانی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس درجہ پر فائز ہے، کتنی بلندی پر ہے؟ اس کا اندازہ اس کے علم و ایمان سے اور خشیت خدا ہی سے ہو گا۔ یہ دوسرا گروہ نشانی کے اس زاویہ کو مٹانے کی غرض سے بعض علماء کے لئے ایسے القاب استعمال کرتا ہے اور انھیں ایسے مقام و منصب پر دکھانے کی کوشش کرتا ہے جن کے وہ اہل نھیں ہوتے دراصل اس کا مقصد انکے (علماء کے) نام سے اپنی دنیا بنانا ہوتا ہے۔ ایسے علماء کو دیکھ کر بہت سے لوگ خود دین سے بیزار ہو جاتے ہیں ان نام نہاد علماء کے مذموم طور طریقے دیکھ کر بعض افراد کے دلوں میں دین کی حقیقت کے بارے میں شکوک و شبہات جنم لینے لگتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ بے دین ہونے لگتے ہیں دوسری طرف یہ علماء اپنے مقام و منصب کی بقاء کیلئے دین کی غلط تفسیر کی مہم شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی امیہ و بنی عباس کے خلفاء جو منصب رسول پر ناجائز طور پر قابض تھے، خود کو خلیفۃ اللہ کہلواتے تھے اور اپنی حکومت "خلافت" کے نام سے قائم رکھتے تھے، انکی حرکتوں کو دیکھ کر جب لوگ بیزار ہو جاتے تو وہ اپنے آپ کو صحیح اور برحق دکھانے کیلئے عقائد میں جبر خدا، خطائے انبیاء، عمل کی ضرورت سے انکار اور جابر و ظالم حکام کے خلاف آواز اٹھانے کی حرمت کے فتوے جاری کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی بعض لوگ روحانیت کی حفاظت کے نام سے مہم چلاتے ہیں مگر روح کے مسخ ہونے پر آواز

نہیں اٹھاتے' مسلمانوں کی بات کرتے ہیں مگر اسلام کی بے بسی پر کسی کو رونا نہیں آتا' شیعوں کی حفاظت کے لئے تو فکر مند ہوتے ہیں لیکن تشیع کے بارے میں فکر نہیں ہوتی۔

ان دونوں گروہوں کے غیر سالم نظریات افراط و تفریط' شمال وجنوب' مغرب و مشرق پر قائم اور وسط (اعتدال) سے منحرف ہیں۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ کیا معیار و محک اور کسوٹی ہو سکتی ہے جسکی روشنی میں ان علماء کو پہچانا جا سکے جو شعائر اللہ' نشانی خدا' امین انبیاء اور نمائندہ ائمہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں :۔

(۱) وہ علوم و حقائق اور آیات حق کو ذاتی مفاد یا وقتی مصلحت کے نام سے چھپانے والے نہ ہوں۔ مصلحت کے نام سے حق کو چھپانا دراصل ان علماء کے کردار کی پیروی ہے جو یہود و نصاریٰ کے علماء زمان فترت میں کرتے تھے۔ ایسے علماء پر قرآن کریم نے لعنت کی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۴۔۱۵۹۔

پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علیؑ نے ایسے علماء کو ملعون قرار دیا ہے۔ قیامت کے دن انکے منہ میں آگ کی لگام لگا کر جہنم میں لے جایا جائے گا۔ (میزان الحکمت حدیث ۱۳۵۰۹' ۱۳۵۱۰' ۱۲۱۱' ۱۳۰۱۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حق کو چھپانے والے علماء کی گندگی اور بدبو سے عاجز آکر اہل محشر انپر لعنت بھیجیں گے' ایسے علماء مینار حق نہیں ہیں۔ (حدیث نمبر ۱۳۵۱۳)

(۲) وہ دین کو ذریعہ معاش بنانے والے' وقت کے حکمرانوں کیلئے دین کو فروخت کرنے والے نہ ہوں۔

کتاب میزان الحکمت میں حدیث نمبر ۱۳۵۲۸' ۱۳۵۲۹' ۱۳۵۳۳۔ ۱۳۵۳۵ میں دین و علم کو ذریعہ معاش بنانے والوں پر نفرت و لعنت کی گئی ہے۔ انکے لئے وعدہ جہنم ہے۔

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علماء کو قلی یا خاکروب سے بھی کمتر اور خس وخاشاک سمجھا جائے۔ بہر حال دیگر انسانوں کی مانند انکی بھی ضروریات ہیں۔ خداوند عالم قرآن عظیم میں فرماتا ہے' ہم نے ایک بھی ایسا جسد نہیں بنایا جسے غذا کی ضرورت نہ ہو۔ دین کی خدمت وترویج کرنے والے عالم کی بھی ضروریات زندگی ہیں' اہل وعیال ہیں جنھیں رہائش چاہئے' چند وقت کا کھانا چاہئے۔ ان جائز ضروریات کو یا بیت المال مسلمین سے پورا کیا جائے یا امام یا مرجع وقت اسکا اہتمام کریں یا پھر مومنین اس ذمہ داری کو سنبھالیں۔

بعض افراد کا کہنا ہے کہ علماء کو اپنی ضروریات زندگی پورا کرنے کیلئے کسب وتجارت کرنا چاہئے۔ انکی یہ منطق صحیح نہیں کیونکہ علماء کا علم' علم انبیاء سے مختلف ہے۔ علم انبیاء وائمہ موہوبی ہوتا ہے جبکہ علماء کا علم کسبی ہے۔ علماء کے پاس علم حضوری نہیں بلکہ ان کا علم حصولی ہے۔ ان کو خلق خدا کی ہدایت کیلئے مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے اور مطالعہ کے لئے وقت اور وسائل درکار ہوتے ہیں۔ بہر کیف دین وعلم کو ذریعہ معاش نہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ معاش ہی کو ہدف و مقصود و مطلوب نہ بنایا جائے۔

(۳) تواضع : یعنی علماء حضرات جہلا کو علم سکھانے کیلئے آگے بڑھیں کیونکہ ممکن ہے جاہل کو یہ احساس بھی نہ ہو کہ اسے کچھ سیکھنا ہے۔ اصول فطرت بھی یہی ہے کہ میوہ دار

درخت اپنے پھل کو نیچے بھیجتے ہیں تاکہ خلق خدا اس سے استفادہ کرے جبکہ بے ثمر درخت کے تنے آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مزید وضاحت کے لئے میزان الحکمت حدیث ۱۳۵۰۷ اور ۱۳۵۰۸ میں حضرت علیؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات ملاحظہ کیجئے۔

(۴) آثار خشیت خدا ان میں نمایاں ہونے چاہیں۔

(۵) بہترین علماء وہ ہیں جن کے دروازوں پر حکام واغنیاء خود آتے ہوں اور بدترین علماء وہ ہیں جو حکام و اغنیاء کی دہلیز کو چومتے ہوں۔

اس سلسلہ میں اور بھی لاتعداد آیات اور روایات موجود ہیں ان سب کو یہاں نقل کرنا مشکل ہے۔

ائمہؑ ہمارے لئے پیغمبرؐ کے بعد شعار ہیں۔ لیکن آئمہ بھی اپنے شعاروں میں ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں۔ تمام آئمہ وانبیاء جانشین ووصی محمدؐ ہیں لیکن آئمہ نے اس وصایت وجانشینی کا شعار علیؑ کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا تمام ائمہ فضائلِ علیؑ کا ذکرؑ کرتے تھے تاکہ خلافت وامامت علیؑ ثابت ہو۔ اگر خلافت وامامتِ علیؑ بلا فصل مسلم ہوتی تو روئے زمین پر امت اسلامیہ میں بنو امیہ' بنو عباس' خلفائے عثمانی' خلفائے برطانیہ اور خلفائے امریکائی' کی نوبت نہ آتی۔ اہلبیت نے اپنے دور کے مشکل وحالات اور گھٹے ہوئے ماحول میں بھی مکتب کی حفاظت کی تاہم اس مکتب کو فروغ دینے کا شعار امام جعفر صادقؑ کو حاصل ہے۔ اسی لئے ہم اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں۔

تاریخ بشریت میں مختلف باطل حکومتوں کے نمونے بھی اپنے استدلال میں ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر قباحت وبرائی میں خلفائے بنو امیہ میں باطل کا شعار یزید بنا۔ سلسلہ آئمہ اور انبیاء میں ایک ایسی حکومت جو تاریخ بشیریت کو بطور شعار اور بطور نمونہ عدل پیش کی جاسکے وہ امام زمانہ کی حکومت ہوگی۔ اسی لئے آئمہؑ نے مہدیؑ کے انتظار کی بہت تاکید کی ہے۔ ظلم وجور وا استبداد کے خلاف اور احیاء دین کے لئے تمام بے سروسامانی کے باوجود ہر قسم کی رکاوٹوں کو چیر کر کلمہ حق (قل......برھانکم) کی آواز بلند کرنے اور حق کے بغیر جینے سے انکار کا نعرہ بلند کرنے کا شعار بننے کی سعادت امام حسینؑ کو حاصل ہے۔ ایام عزا شعار حسینیؑ کی حدود' خصوصیات اور امتیازات زبان وقلم سے بیان کرنے کا بہترین موقع فراہم کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اس شعار کو ہم نے کتنا پہچانا' کہاں پہنچایا اور اس سے کتنا فائدہ حاصل کیا۔ ہر شخص کو اپنی قابلیت وصلاحیت کے مطابق اس شعار کو بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

شعائر مسلمانی :۔

اس دنیا میں جہاں انواع واقسام اور مختلف مکاتب فکر کے انسان ہیں وہاں ایک مسلمان جو ایمان بخدا رکھتا ہو' سلسلۂ انبیاء پر ایمان رکھتا ہو' آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور یہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس کا دین سب سے اشرف وافضل ہے ایک مکمل نظام حیات ہے' انسان کیلئے سعادت کی راہ دکھاتا اور سمت معین کرتا ہے' ایسے انسان کے ہزاروں انسانوں کے درمیان اس دعوی کی شناخت و پہچان اسکے کردار کے ذریعے ہی ممکن ہوگی اور اس مرد مسلمان کی شخصیت اور اعمال ہی دراصل شعار مسلمانی کہلائیں گے۔ مسلمانوں کے شعار کے بارے میں مسلمہ روایات کے تحت آیا ہے کہ مسلمان وہ ہے

جسکی زبان اور عمل سے مسلمانوں کی یا عام انسانوں کی جان و مال اور ناموس کو تحفظ ملے۔ ہمارے مجتہدین کرام ان مسلمانوں کو جو کفر و شرک کے معاشرے میں رہتے ہیں اور جہاں وہ اقسام و انواع کی دھاندلی اور مکروفریب کے ذریعے دشمنان اسلام اور دنیائے یہودیت و نصرانیت اور کفر والحاد کو نقصان پہنچا سکتے ہیں انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس سے شعائر اسلامی ختم ہو جاتے ہیں۔ روایات و فرمودات کے تحت مسلمان جہاں بھی ہو اس کا کردار و گفتار اسلام کا شعار ہونا چاہئے اور یہی اسلام کا دستور ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے سے محفوظ نہیں ہیں۔ ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذہب کو نقصان پہنچانا جائز اور بعض موقعوں پر مستحب گردانتے ہیں، حکومت کے مال و دولت کو ہڑپ کرنا اور لوٹ مار کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اسی لیئے اسلام اور مسلمان دونوں کا بغور مطالعہ کرنے والے غیر مسلم تبصرہ نگار کہتے ہیں کہ اسلام اور چیز ہے اور مسلمان اور چیز۔

شعار شیعی :۔

شیعہ خواہ کسی معاشرے میں بھی رہتے ہوں یعنی وہ کفر و الحاد کا معاشرہ ہو یا مسلمانوں کا معاشرہ ان کی شناخت و پہچان لوگوں کیلئے اور حکومتی سطح پر کیا ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں شیعوں کے پاس دو طریقے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو پہچنوا سکتے ہیں :۔

پہلا طریقہ۔۔۔۔۔ شیعہ تاریخ سے استفادہ

یعنی آج کے شیعہ سابقہ شیعوں کی سیرت اور سنت کو اپناتے ہوئے اپنا تشخص قائم کریں۔ اگر موجودہ دور کا شیعہ اپنے آپ کو گزشتہ دور کے تشیع کے تشخص کی مثال بن کر پہچنوانا چاہئے تو اسکے لئے مشکلات ہیں کیونکہ تاریخ تشیع میں شیعوں کی کوئی جامع پہچان نہیں ہے بلکہ کافی اختلاف رہا ہے۔ جس کی بنا پر شیعہ اپنی پہچان میں آپس میں اختلاف نظر رکھتے تھے۔ اب بھی کوئی ایسا نظریہ قائم نہیں کیا جا سکتا جس کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شیعوں کا نظریہ ہے۔ شعیوں کے نظریات مختلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تاریخ مختلف ہے۔ ہر ایک نے ایک الگ گروہ کو اپنا آئیڈیل یا ماڈل بنایا ہوا ہے۔ ماضی میں اختلاف ہونے کی چند وجوہات یہ ہیں :۔

(i) ظلم سے نفرت و بیزاری اور عدالت پسندی فکر تشیع کی بنیاد اور اساس ہے۔ اسی وجہ سے اس فرقے کو عدلیہ کہتے ہیں۔ ان کی فکر میں عدالت پسندی کی مثال یہ ہے کہ ان کی نظروں میں علیؑ کی بے مثال حکومتِ عدل اور حسین ابن علیؑ کی قربانیاں ہیں اور وہ مستقبل میں دنیا کو عدل و انصاف سے پر کرنے کے سلسلے میں اپنی تمام آرزوئیں امام زمانؑ سے وابستہ کئے ہوئے ان کے انتظار میں ہیں۔

(ii) حکومتوں کی طرف سے ظلم و تشدد کا ہدف اور ظالمین کے ظلم کا نشانہ بننے کی وجہ سے بے اختیار ان مظالم کے خلاف جہاد کرنا، مبارزہ کرنا، اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔ اسطرح ان کی ایک پہچان ظالم اور ستمرو حکمرانوں کے ساتھ نبرد آزما رہنا اور ان سے مقابلہ کرنا ہے۔

(iii) دین کے مسائل میں شیعوں کو زیادہ جذباتی ہونے اور میدان عمل میں ہر وقت ظالموں سے نبرد آزما رہنے سے روکنے کیلئے تقیہ اختیار کرنے کا حکم ہوا۔ ہوتا یہ تھا کہ مفاد پرست افراد شیعوں کے نام سے اور آئمہ اطہار کی حمایت

کے نام سے معاشرے میں مسائل پیدا کرتے تھے جس کے نتیجے میں فائدہ خود حاصل کرتے اور تمام تر نقصان شیعہ اور اہل بیت اٹھاتے تھے۔ شیعوں کو بدنام کرنے کی ایک اور سازش کو یوں کارگر بنانے کی کوشش کی گئی کہ وہ برملا کہتے تھے کہ شیعہ ملک دشمن ہیں اسلام دشمن ہیں' کافر ہیں' ملحد ہیں حالانکہ ان کے تمام اصول و فرع میں نہ تو اسلام کے اصل سے انکار ہے اور نہ فرع سے لیکن اس کے باوجود اختلاف نظر رکھنے کو انکار کا درجہ دے دیا گیا۔ اور آج بھی یہی صورتحال ہے کہ کسی سے اختلاف نظر رکھیں تو منکر کہنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ان تمام باتوں سے بچنے کیلئے آئمہ اطہار نے شیعوں کو ہر قسم کے اور معاشرے سے الگ تھلگ اور کٹ کر رہنے کے بجائے تقیہ کا حکم دیا۔ اس حکم تقیہ نے اس وقت سے اب تک دو قسم کے اثرات شیعوں کیلئے قائم کئے :۔

(الف) مثبت اثرات :

ناجائز ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر شیعوں کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے کی مذموم کوشش ناکام ہو گئیں۔ اسی وجہ سے الحمد للہ آج بھی دنیا بھر میں شیعہ اگرچہ قلیل تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں' دیگر مسلمانوں کے دوش بدوش جی رہے ہیں اور اسلام کے ایک مسلمہ فرقے کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ شیعہ پانچواں فرقہ یا فقہ نہیں بلکہ ایک مذہب ہے۔ آج بھی شیعہ اپنے آپ کو اسلام کے صحیح ترجمان کی حیثیت سے پہچنواتے ہیں۔

(ب) منفی اثرات :

تقیہ کے تصور نے بعض شیعوں کو نہ صرف مسئولیت اور ذمہ داری سے دور رکھا بلکہ امامت اور حکومت جو اسلامی سیاست کا دوسرا نام ہے سے بھی انکار کا جواز فراہم کیا۔ اس فکر کے حامل بہت سے نام نہاد دانشور و اسکالر آج بھی موجود ہیں جو اپنے لئے ایک مقام کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ مخالفین تشیع انہیں سے استفادہ کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک آئمہ کا مقام بس علم ہے۔ صرف علم کے حوالے سے وہ آئمہ کو پہچانتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک امام علیؑ اور امام جعفر صادقؑ اور دوسرے آئمہ علیھم السلام' ارسطو' فارابی اور آنسٹائن سے تھوڑے سے بڑے ہیں۔ معنویت اور روحانیت کے حوالے سے اور معجزات و کرامات کے صدور کے حوالے سے وہ انہیں صوفیائے کرام سے تھوڑا سا بلند سمجھتے ہیں۔ ائمہ کی سب سے بڑی صفت ان کے نزدیک یہ ہے کہ انہیں سمجھا نہیں جا سکتا اور وہ دائرہ ادراک سے باہر ہیں۔ حالانکہ ایک عرصہ تک یہ ذوات مقدسہ امت کے نشیب و فراز' دکھ' مصیبت اور فقر و فاقے میں ان کے ساتھ رہیں اور خدا نے ان کو نہ پہچاننے والوں کیلئے عتاب نازل کیا کیونکہ انہیں اس نے لوگوں کے درمیان سے بنایا تھا مگر لوگوں نے ان کو مثال عنقا بنا کر رکھا یعنی ایک ایسا وجود جسے دیکھا ہی نہ جا سکے۔ غرض ان کا خیال تھا کہ ہر لحاظ سے زندگی اور حیات میں وہ آزاد ہیں' آئمہ کی طرف سے ان کے لئے کوئی دستور نہیں ہے' اگر ہے بھی تو وہ ان کے لئے اس لئے قابل قبول نہیں کہ وہ تو ان کی تاسی ہی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ ایک انوکھی مخلوق ہیں۔ ایسے شیعوں کے نزدیک مذہب کا تصور بس عزاداری یا اس کی چند رسومات کی حد تک ہی ہے۔ جسطرح بعض برادران اہل سنت کے وہاں دن کا آغاز و انجام نماز پر ہوتا ہے' ان کے نزدیک نماز پڑھنے کے بعد کوئی جرم و گناہ اشکال نہیں رکھتا۔

اور ہر جرم و گناہ کرنے کے باوجود نماز پڑھنے سے وہ امیر المومنین بن جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعوں کے ہاں تمام جرم و جنایت کے ارتکاب بعد عزاداری کرنے سے وہ شیعہ اور مومن برقرار رہتے ہیں :۔

اس طرح شیعوں کی یہ تین صورتحال سامنے آتی ہیں :۔

(i) عدالت پسند شیعہ یعنی علیؑ اور حسینؑ : جیسی شخصیات کی حکمرانی چاہنے والے مومنین۔

(ii) ہر قسم کے حکمرانوں سے مبارزہ کیلئے اٹھنے والے شیعہ اگر چہ اس میں خود انہی کی بربادی ہی کیوں نہ ہو اور فائدہ دوسروں کو ہی کیوں نہ پہنچتا ہو۔ ایسے شیعوں کے پاس اپنا کوئی ہدف نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسروں کے لئے استعمال ہوتے ہیں جسطرح الرضابی آل محمد کے نام سے حکومت بنی عباس قائم ہوئی۔ تاریخ میں اور بہت سے لوگوں نے شیعوں کو استعمال کر کے حکومت حاصل کی جس سے خود شیعوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

(iii) تقیہ کرنے والے شیعہ۔ اس کی وجہ سے جو مثبت اور منفی اثرات مرتب ہوئے اسکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

دوسرا طریقہ ۔۔۔۔۔ سیرت ائمہ کی پیروی

دوسرا طریقہ خود ات ائمہ طاہرین کی پیروی ہے۔ اگر ائمہ کی زندگیوں کو نمونہ بنائیں تو ان کی حیات میں دو نکتے ملتے ہیں :۔

(i) آئمہ نے اپنی زندگیوں میں تین قسم کی اسلامی حکومتیں دیکھیں۔ ایک خلفائے راشدین کی حکومت کا دور، اس دور سے امیر المومنینؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ گزرے اور اس سلسلے میں ان حضراتِ معصومین کے فرمودات ملتے ہیں کہ انہوں نے اسلام و مسلمین کے مفاد کی خاطر اس دور کو برداشت کیا۔

دوسرا دور، دورِ بنی امیہ ہے۔ یہ دور ائمہ اور شیعوں کیلئے تاریک ترین دور تھا جس میں شیعوں نے ہر قسم کے ظلم و تشدد کو برداشت کیا اور کوئی ایسی مظلومیت و محرومیت نہیں تھی جو انہوں نے نہ دیکھی ہو۔

تیسرا دورِ بنی عباس ہے، جس کے بارے میں آئمہ سے منقول ہے کہ بنی عباس نے جو ظلم ہمارے اوپر ڈھائے ہیں وہ بنی امیہ کے مظالم سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

یہ دو ادوار بدتر یکے از دیگر تھے مگر اس کے باوجود خود ائمہ کی طرف سے یا انکے یاران باوفا کی طرف سے کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جیسی آج کے سیاستدانوں نے اپنائی ہوئی ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں سیاسی پناہ لے لیتے ہیں یا پناہ لینے کیلئے ہدایات جاری کرتے ہیں۔

شیعوں کے شعار

امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے ادوار میں آئمہ اطہارؑ کے پیروکاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے مکتب تشیع اور آئمہؑ کیلئے دو مشکلات پیدا کیں :۔

ا۔ آئمہ اور حقیقی شیعوں کو شیعہ واقعی اور شیعہ اسمی میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ جو لوگ برائے نام شیعہ بنے ہوئے تھے وہ مختلف طریقوں سے حقیقی شیعوں کے چہرے کو مسخ کرنے کا سبب تھے یوں دوسروں کو شیعیت سے بدظن کئے ہوئے تھے۔ آئمہؑ علیھم السلام اس گروہ سے بہت پریشان رہتے تھے۔ اس بات کا مشاہدہ آج بھی ہمارے معاشرے

میں عام ہے کہ جہاں شیعوں کی اکثریت ہے وہاں کے لوگوں کی حرکتوں کو دیکھ کر شیعوں کے نام پر غلط پروپیگنڈے ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال شیعوں کیلئے ایک المیہ اور شیعہ مذہب کے مسخ ہونے کا اعلان پر خطر تھا۔ لہٰذا امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے صحیح شیعہ اور جعلی شیعہ کی پہچان کیلئے کسوٹی وضع کی۔ یہ کسوٹی کتب روائی میں موجود ہے۔ ان سینکڑوں کسوٹیوں میں سے چند کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :۔

شیعوں کے دو شعار ہیں ایک وہ جو کہ شیعۂ واقعی اور صحیح کو، ہزاروں انسانوں کے درمیان پہچاننے کے لئے آئمہ اطہارؑ نے وضع کیا ہے جسکا ذکر ہم آگے جا کر کریں گے۔ شیعوں کا دوسرا شعار وہ ہے جسے مختلف حالات واسباب کی بنا پر مجبور ہو کر انہوں نے اپنے لئے شناخت کے طور پر اپنایا۔ اس دوسرے شعار کی چند قسمیں ہیں :۔

۱۔ ہمارے آئمہؑ کے علم وفضل وکمال نے لوگوں کے دلوں میں مقام اور محبوبیت پیدا کی۔ اس وجہ سے ہر شخص اپنے کو شیعہ گرداننے میں اعزاز وافتخار محسوس کرتا تھا جبکہ ان میں وہ صفات وخصوصیات نہیں ہوتی تھیں جو آئمہؑ اپنے پیروکاروں میں دیکھنا چاہتے تھے۔ غرض ایک بڑے گروہ نے شیعت سے انتساب کو باعث افتخار محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو شیعہ گردانا۔ یہ صورت حال آئمہؑ کیلئے ایک مسئلہ بن گئی کیونکہ یہ افراد کسی برے کام سے پرہیز نہیں کرتے تھے لیکن اسکے باوجود اپنے آپ کو آئمہؑ سے منسوب کرتے اور خود کو شیعوں کی صفوں میں شامل کرتے تھے۔

اسی طرح آج بھی بہت سے شیعہ ایام عزا میں سیاہ کپڑے پہننے اور آپس میں ملاقات کے وقت السلام علیکم کے بجائے یا علیؑ مدد کہنے کو ہی شیعہ شعار گردانتے ہیں۔

۲۔ وہ افراد جن کو ہوسِ اقتدار تھی لیکن معاشرے میں کوئی مقام وحیثیت نہ رکھتے تھے اور معاشرہ بھی انہیں قیادت ورہبری کیلئے تسلیم نہ کرتا تھا، انہوں نے لوگوں کے دلوں میں محبوبیت پیدا کرنے اور معاشرے میں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے وقت کے حکمرانوں کے خلاف آئمہؑ سے منسوب تحریکیں چلائیں جس کی وجہ سے حکومت کی مخالفت شیعوں کی پہچان بنی۔ چنانچہ آج بھی ہمارے بعض نوجوان شیعت کو حکومت کی مخالفت میں گردانتے ہیں۔ کسی حکومت کو تسلیم نہ کرنا اور اسکی پالیسیوں سے اختلاف کرنا اور بات ہے اور ہمیشہ حکومت کی مخالفت کرنا اور بات۔ شیعت کی پہچان اس میں نہیں ہے کہ ہمیشہ ہر حکومت میں علمِ بغاوت اٹھایا جائے۔

۳۔ بعض شیعہ دشمن عناصر نے آئمہ اطہارؑ کی نقل وحرکت پر نزدیک سے نظر رکھنے یا مخلصین شیعہ کی شناخت اور پہچان کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو حد سے زیادہ جذبات و احساسات سے شعلہ ور دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ مذموم سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

۴۔ اہلبیتؑ اور پیروکاران اہلبیتؑ نے وقت کے حکمرانوں کے غیض وغضب سے اپنی جان ومال اور ناموس کے تحفظ کیلئے راہ تقیہ کو اپنایا۔ اس تقیہ کو آج لوگوں نے ہر قسم کی مسئولیت وذمہ داری سے سبکدوشی کا بہانہ بنالیا ہے اور اسے

نظریہ امامت سے انکار کا راستہ جان لیا ہے۔ حالانکہ آج ہمارے ملک میں الحمدللہ ایسی کوئی صورت حال نہیں ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض افراد اپنے مذموم عزائم کے تحت حکمرانوں کو شیعوں سے بدگمان رکھنے کیلئے اور شیعوں میں خوف وہراس پھیلانے کے لئے مختلف افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ حرکت خود شیعوں کے خلاف ہو تاکہ حکمران ہمیشہ شیعوں سے بدگمان رہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت وقت کے حکمرانوں کے خلاف ہو تاکہ شیعوں کو ہمیشہ حکومت کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔ یہ شیعوں پر گزرنے والے نشیب وفراز اور مدوجزر ہیں جو بعض علاقوں میں ضرورت کے تحت یا سازش کے تحت شیعوں کی پہچان بن گئے ہیں۔

اصلاً شیعوں کا شعار وہی ہے جو امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور دیگر آئمہؑ سے صفات شیعہ سے متعلق وارد روایتوں میں ذکر ہوا ہے۔ لیکن ہم ان روایات سے پہلے تاریخ میں شیعت پر گزرنے والے حالات کی روشنی میں وہ شعار جو مخلص شیعوں نے اپنائے اور جنکی سند آئمہؑ کی زندگی اور روایات میں ملتی ہیں انکو پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عدالت پسندی: امام علیؑ کی حکومت تاریخ اسلام میں عدل وانصاف پر مبنی ایک بے مثال حکومت تھی۔ اس حکومت کے بارے میں کسی کو ذرا سا شائبہ بھی نہیں۔ تاریخ میں ایسے جملے تو ملتے ہیں کہ علیؑ کو سیاست نہیں آتی تھی یا حکومت نہیں چلا سکتے تھے لیکن ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ علیؑ کی حکومت میں کسی کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہو۔

۲۔ اہل بیتؑ اطہار نے خلفائے راشدین کے دور خلافت میں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر تصادم سے گریز کرتے ہوئے ہمیشہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم کے باوجود آئمہؑ نے کبھی بھی ان کی حکومتوں کے مقابلہ میں ایک کافر و لادین حکومت کی حمایت نہیں کی۔ وہ اپنے اور اپنے پیروکاروں کے لئے کفر کے مقابلہ میں ایسی حکومت کے سائے میں زندگی گزارنے کو بہتر گردانتے تھے۔ البتہ یہ ذوات مقدسہ ہمیشہ ایک صالح اسلامی حکومت کی خواہاں رہیں۔

۳۔ آئمہؑ امت اسلامی کے تمام ہم وغم، دکھ اور مصیبت میں اپنے آپ کو برابر کا شریک قرار دیتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بلا تفریق، آپس میں برادری اور دوستی اپنانے کی دعوت دیتے تھے۔ امام سجادؑ سے منسوب معروف "رسالۂ حقوق" اور دوسری بہت سی دوسری روایات جو شعار شیعی سے متعلق آئمہ اطہارؑ سے مروی ہیں، ہماری اس بات کی تائید کرتی ہیں۔

آیئے اب ہم اس کسوٹی کا جائزہ لیں جسے ائمہ علیہم السلام خصوصاً امام محمد باقرؑ نے اپنے شیعوں کی پہچان کے لئے وضع کیا تاکہ :۔

۱۔ شیعوں کے لئے صحیح شیعوں کی پہچان آسان ہو سکے۔
۲۔ سازشی عناصر کی غلط حرکتیں جو وہ شیعیت کے نام سے کرتے ہیں، شیعوں کے کھاتے میں نہ آئیں۔
۳۔ امت، آئمہ کی حقانیت، ان کی سیرت اور سلوک کو دیکھ کر ان کی طرف رغبت کرے۔ یہ بذات خود شعار ہے،

علامت ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام نے شیعوں کیلئے جو علامتیں اور نشانیاں وضع کی ہیں انہیں کتاب میزان الحکمت جلد پنجم حدیث نمبر ۹۹۳۱ اور اس کے بعد آنے والی حدیثوں میں امام صادقؑ سے روایت کرتے ہوئے یوں بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ شیعہ اہلِ ورع و اجتہاد، یعنی حرمت سے پرہیز کرنے میں جدّیت رکھنے والے ہیں۔

۲۔ اہل وفا اور وامانت دار ہیں۔

۳۔ اہل زہد و عبادت ہیں۔

۴۔ شیعہ وہ ہے جو خدا کا تقویٰ اختیار کرے اور اس کی اطاعت کرے۔

۵۔ خلق خدا سے تواضع کرے۔

۶۔ خضوع اور خشوع کرے۔

۷۔ یاد خدا زیادہ کرے۔

۸۔ ہمارے شیعوں کی پہچان نماز کے اوقات کی محافظت میں ہے۔

۹۔ اپنے برادران کے ساتھ کس طریقے سے مؤاسات کرتے ہیں۔

۱۰۔ ہمارے شیعہ ہماری ولایت میں مال و جان فدا کرنے والے ہیں۔

۱۱۔ لوگوں سے محبت ہماری مودت کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

۱۲۔ ہمارے امر کے احیاء میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔

۱۳۔ کسی پر اگر غصہ آجائے تو زیادتی نہیں کرتے، کسی سے راضی ہو جائیں تو اسراف نہیں کرتے۔

۱۴۔ ہمارے شیعہ اپنے ہمسایوں کیلئے باعث برکت و رحمت ہیں۔

۱۵۔ یہ اوامر کی اطاعت کرنے والے اور اہل فضائل ہیں۔ بات سچ کرتے ہیں، کھانے پینے میں قناعت کرتے ہیں۔ چلنے میں تواضع اور فروتنی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۱۶۔ ہمارے شیعوں کی چار آنکھیں ہوتی ہیں۔ دو آنکھیں سر پر اور دو دل میں ہوتی ہیں۔ یہ آنکھیں ہوتی تو سب کی ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ شیعوں کی کھلی اور دوسروں کی بند ہوتی ہیں۔

۱۷۔ ہمارے شیعہ اگر سیدھے راستے پر ہوں تو ملائکہ ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔ خدا کی رحمت کے بادل ان پر سایہ کرتے ہیں، روشن دن ان کو نور بخشتا ہے، آسمان و زمین دونوں سے ان کیلئے رزق اترتا ہے۔ خدا سے یہ جو بھی سوال کرتے ہیں وہ اسے پورا کرتا ہے۔

۱۸۔ ہمارے شیعہ تین قسم کے ہیں۔ بعض ہمارے نام کو اپنے لئے زینت بناتے ہیں۔ بعض ہمارے نام سے کھاتے ہیں۔ تیسرا گروہ وہ ہے کہ ہم ان کیلئے اور وہ ہمارے لئے زینت ہیں۔

۱۹۔ اے شیعو! تمھاری نسبت ہماری طرف ہے تم ہمارے لئے باعث زینت بنو باعثِ نفرت نہ بنو۔

۲۰۔ ہمارے شیعوں کے تین گروہ ہیں۔ بعض صرف ظاہری طور پر ہم سے محبت کرتے ہیں دل سے نہیں۔ دوسرے خلوت میں ہم سے محبت کرتے ہیں اعلانیہ نہیں۔ تیسرا گروہ وہ

ہے جو اعلانیہ اور خلوت دونوں حالتوں میں ہم سے محبت کرتا ہے۔

۲۱۔ ہمارے شیعوں کی خصلت یہ ہے کہ وہ توحید کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور علم توحید کو بلند کرتے ہیں۔

۲۲۔ وہ ہمارے شیعہ نہیں جو ہمارے لئے ایسی بات کرتے ہیں جو ہم اپنے لئے نہیں کرتے۔

۲۳۔ خدا اس بندے پر رحم کرے جو ہمیں دوسروں کی نظروں میں محبوب کرے اور ہمیں لوگوں کی نظروں سے نہ گرائے۔

۲۴۔ خدا کی قسم! اگر لوگ ہمارے اچھے کلام کو سنتے تو ان کیلئے بہت پسندیدہ ہوتا اور کوئی بھی ان کے خلاف کچھ نہ کر سکتا۔ اے شیعو! ہمارے لئے باعثِ زینت بنو باعث دشمنی نہ بنو۔ لوگوں کیلئے اچھی بات کرو اور اپنی زبان بچا کر رکھو، فضول کلام اور قبیح قول سے بچ کر رہو۔ لوگوں کی محبتوں کو ہماری طرف کھینچو، ہر برائی کو ہم سے دفع کرو۔

دعائے امام حسینؑ

دعامادہ (د'ع'و) سے ہے اور یہ دعیٰ یدعو کا مصدر ہے 'لغت میں دعا کے معنی پکار 'طلب 'چاہ 'دعوت اور استغاثہ کے ہیں۔ اصطلاح میں دعا خدا کو ایک خاص انداز سے پکارنے 'اس سے گفتگو کرنے 'درددل بیان کرنے اور کسی چیز کے متعلق اس سے مدد ونصرت طلب کرنے کو کہا جاتا ہے۔

دعا کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں فرق :

بنیادی فرق یہ ہے کہ لغوی معنی میں مدعو (جس سے دعا مانگی جاتی ہے) خدا یا خالق اور مخلوق وبندہ دونوں ہوسکتے ہیں 'لیکن اصطلاح میں مدعو صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اگر مدعو کوئی مخلوق ہو تو اسکو دعوت کہتے ہیں۔ گویا لغوی اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہم اسکو دو اقسام میں بانٹ سکتے ہیں۔

(۱) دعا (۲) دعوت

جہاں امام حسینؑ اپنے قیامِ مقدس کے دوران بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے نظر آتے ہیں وہیں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بندگان خدا کو بھی اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں ساتھ دینے کی دعوت دیتے رہے۔ اس مضمون میں ہم دعا اور دعوت کے مفہوم اور اس کی اہمیت کو آیات قرآن اور احادیث وروایات کی روشنی میں واضح کرنے کے بعد مختلف مواقع پر امام حسینؑ کی دعا اور دعوت کے کلمات آپ تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

(۱) دعا :۔

جب بندہ اپنے انفرادی یا اجتماعی 'سیاسی 'روحی یا جسمی مصائب ومشکلات اور دکھ درد کو سمیٹ کر اپنے خالق اکبر یعنی ایسی ہستی وذات کے حضور میں حاضر ومشرف ہو جائے جو ہر لحاظ سے اس کے لائق وقابل ہو کہ اس کے سامنے اپنے دل کی بات اور دکھ کو تضرع وزاری سے بیان کرسکے اور ان کے حل وفضل اور نصرت ومدد کے لئے اس ہستی کو دعوت دے تو یہ عمل "دعا" کہلاتا ہے۔

دعا قرآن واحادیث کی نگاہ میں :۔

الف : وہ قرآنی آیات اور احادیث جو اس کی اہمیت 'عظمت اور اس کے انجام دینے کی تاکید وترغیب دیتی ہیں 'یہ ہیں۔

۱۔ خود خدا نے قبول کرنے کی ضمانت دی۔

"ادعونی استجب لکم "۔ (سورۂ مومن ۶۰)

"تم مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔"

۲۔ دعا کرنے والے سے خدا قریب ہوتا ہے اور بندہ بھی خدا

سے قریب۔

"واذا سئلك عبادی عنی فبأنی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلهم یرشدون"۔(سورۂ البقرہ ۱۸۶)

"اور اے پیغمبر اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں۔ پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان واعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہ راست پر آجائیں۔"

۳۔ کافروں پر ناگوار گزرتی ہے۔

"فادعوالله مخلصین له الدین ولو کره الکافرون"۔

"تم خلوص کے ساتھ خدا کو پکارو چاہے کافرین کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔"(سورۂ غافر ۱۴)

۴۔ خدا کے نزدیک سب سے عزیز و پسندیدہ عمل ہے۔

قال رسول؟ الله صلی الله علیه واله وسلم :

"مامن شیٔ احب الی الله من ان یسال "

"خدا اس سوال کرنے کو ہر چیز سے زیادہ عزیز و دوست رکھتا ہے۔"(میزان الحکمہ ج ۳ ح ۵۵۳۱)

۵۔ تمام عبادتوں کی روح و مغز ہے۔

عن النبیؐ:"الدعا مخ العبادة"۔

"دعا عبادت کی جزو، روح و مغز ہے۔"

(میزان الحکمہ ج ۳ ح ۵۵۲۰)

۶۔ تمام عبادات میں افضل ترین عبادت ہے۔

قلت لابی جعفر علیه السلام :

"ای العبادة افضل؟ فقال مامن شیٔ افضل عندالله عزوجل من ان یسئل ویطلب مماعنده ۔"

"میں نے امام باقرؑ سے پوچھا: کونسی عبادت تمام عبادات سے افضل ہے؟ فرمایا: خدا کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب نہیں کہ دعا کی جائے اور اس سے حاجت طلب کی جائے۔"

(اصول کافی ج ۴ ص ۲۱۰)

۷۔ قرأت قرآن سے بھی افضل ہے۔

سئل ابو جعفر علیه السلام:

"ان کثرة اقراة افضل او کثرة الدعا؟ قال:الدعا

"حضرت علیؑ سے سوال کیا گیا کہ کثرت قرأت افضل ہے یا کثرت دعا حضرت نے فرمایا: "دعا۔"

(میزان الحکمہ ج ۳ ح ۵۵۱۷)

۸۔ امام حسینؑ کے آخری لحظات میں آخری وصیت وسفارش دعا ہی کی تاکید تھی۔

وعن زین العابدین علیه السلام قال:

"ضمنی والدیؑ الی صدره یوم قتل والدماء تغلی وهویقول: یا بنی احفظ عنی دعاء۔"

"امام سجادؑ فرماتے ہیں جس روز میرے باباؑ شہید ہوئے انہوں نے مجھے اپنے سینہ سے اس حالت میں لگایا کہ خون ان کے بدن سے جاری ورواں تھا اور فرمایا میرے بیٹے اس دعا کو مجھ سے سیکھو اور یاد رکھو جسے......"

(موسوعہ کلمات الامام الحسینؑ ص ۷۸۴)

ب: وہ قرآنی آیات واحادیث جو اس کو حقیر اور بے اہمیت سمجھنے کی مذمت کرتی ہیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ دعا نہ کرنے والا متکبر و مغرور ہے۔

۲۔ ذلت وخواری کے ساتھ جہنم میں داخل ہوگا۔

"ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین" (سورۂ غافر ۶۰)

"یقیناً جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وعنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔"

علامہ طباطبائی اس آیۂ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس میں موجود لفظ عبادتی سے مراد دعا ہے۔ (آیئن نیایش ص ۳۹)

۳۔ خدا توجہ تک نہیں کرتا۔

"پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمھاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمھاری پرواہ بھی نہ کرتا۔" (سورۂ الفرقان ۷۸)

۴۔ سب سے زیادہ قابل نفرت وبغض فرد ہے۔

"وماا حد بعض الی الله عزوجل ممن یستکبر عن عبادته ولا یسئل ماعنده۔"

امام باقرؑ نے فرمایا:

"خدا کے نزدیک اس فرد سے زیادہ قابل نفرت وبغض کوئی نہیں جو دعا کرنے سے تکبر اور اس کی نعمتوں سے کوئی چیز طلب نہ کرتا ہو۔" (اصول کافی ج ۴ ص ۲۱۰)

۵۔ فقیر ومحتاج مند ہوگا۔

عن ابی عبداللهؑ:

"من لم یسئل الله عزوجل من فضله افتقر"

امام صادقؑ نے فرمایا:

"جو شخص خدا کے فضل وکرم سے سوال نہ کرے وہ فقیر ومحتاج مند ہوگا۔"

۶۔ سب سے عاجز وناتواں انسان ہے۔

قال علیه السلام:

"اعجز الناس من عجز عن الدعا۔"

امام حسینؑ نے فرمایا:

"لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز وناتواں فرد وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز وناتواں ہو۔"

(۲) دعوت

جب بندہ اپنی انفرادی یا اجتماعی وسیاسی یا روحی وجسمی مصائب اور دکھ درد کے حل وفضل اور نصرت ومدد کے لئے خلق الله کو پکارے تو یہ عمل "دعوت" کہلاتا ہے۔

دعوت لغت میں پکار، ترغیب، تحریک اور بلانے کے معنی میں ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ: "الدعا الی الشئ"۔ کے معنی کسی چیز کے قصد کرنے پر رغبت دلانے اور اکسانے کے ہیں

قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیه

یوسفؑ نے کہا پروردگار یہ قید مجھے اس کام سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ لوگ دعوت دے رہے ہیں۔ (یوسف ۳۳)

دعوت اصطلاح میں:

دعوت، مخاطب کے اندر انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور مذہبی امور کے بارے میں صحیح اسلامی فکر کو منتقل کرنے (پہنچانے) اور ان کی راہ میں موجود مشکلات وموانع کو برطرف

کرنے کی طرف راغب و متحرک کرنے کو کہا جاتا ہے۔دعوت شرعی اصطلاح میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو کہتے ہیں۔

دعوت قرآن واحادیث کی نگاہ میں۔

الف :وہ قرآنی آیات اور احادیث جو اس کی اہمیت و عظمت اور اس کے انجام دینے پر تاکید و ترغیب دیتی ہیں۔

۱۔ مقام نبوت کی بنیادی ذمہ داری :

"ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجدلهم بالتی هی احسن "۔(سورۂ نحل ۱۲۵)

"آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دیں اور ان سے اس طریقہ سے بحث کریں جو بہترین طریقہ ہو۔"

۲۔ ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کی بہترین راہ اور خدا کے سامنے معذور ہونے کی مضبوط دلیل :

"واذقالت امة منهم لم تعظون قوما الله مهلکهم اومعذبهم عذابا شدیدا قالوا معذرة الی ربکم ولعلهم یتقون"۔(سورۂ اعراف ۱۶۴)

"اور جب ان میں سے ایک جماعت نے مصلحین (وہ جماعت جو ہفتہ کے دن حیلہ گری سے شکار کرنے کو منع کرتے تھے اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے) سے کہا کہ تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا اس پر شدید عذاب کرنے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم پروردگار کی بارگاہ میں عذر چاہتے ہیں اور شاید یہ لوگ متقی بن جائیں"۔

۳۔ بہترین قوم :

"کنتم خیرا مه اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر"۔

"بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔"(سورۂ آل عمران ۱۱۰)

۴۔ کامیاب اور نجات یافتہ لوگ :

"ولتکن منکم امه یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولئك هم المفلحون"۔(سورۂ آل عمران ۱۰۴)

"اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے ،نیکیوں کا حکم دے برائیوں سے منع کر اور یہی لوگ نجات یافتہ ہیں"۔

۵۔ اللہ ،رسول اللہؐ اور کتاب کا خلیفہ :

"قال رسول اللهؐ من امربالمعروف ونهی عن المنکر فهوخلیفة الله فی ارضه وخلیفة رسول الله وخلیفة کتابه "۔

"جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے وہ زمین پر خدا کا جانشین رسول اللہ کا نائب اور کتاب اللہ کا خلیفہ ہے"۔(امر بالمعروف و نہی عن المنکر آیت اللہ حسین نوری ص ۱۴)

۶۔ انبیاء و صالحین کی روش و طریق ،تمام فرائض وواجبات کی پناہ گاہ و محافظ :

قال الامام الصادقؑ :"ان الامربالمعروف والنهی

عن المنکر سبیل الانبیاء و منهاج الصلحاء فریضة عظیمة ٬بهاتقام الفرائض ٬وتامن المذاهب ٬وتحل المکاسب وترد المظالم و تعمرالارض وینتصف من الاعداء یستقیم الامر"۔

امام صادقؑ نے فرمایا: "امر بہ معروف و نھی از منکر ٬انبیاء وصالحین کی روش وطریق اور دو بہت عظیم الٰہی فریضے ہیں کہ جن کے توسط سے دیگر تمام فرائض وواجبات برپا و قائم ہوتے ہیں اور جن کے سایہ میں راستے میں امن وامان ٬لوگوں کا کسب معاش حلال ٬ان کے حقوق ادا اور زمین آباد و شاداب ہوتی ہے اور دشمنوں سے انصاف وانتقام لیاجاسکے گا اور دیگر تمام کام وکاج انجام پائیں گے"۔(امر بہ معروف و نہی از منکر آیت اللہ حسین نوری ص ۲۲)

۷۔ دعوت کے مقابل دیگر نیکیوں اور اعمال خیر کی حیثیت :

"وما اعمال البر کلها والجهاد فی سبیل الله عندالامر بالمعروف والنهی عن المنکر الا کنفثة فی بحر لجی"۔

"نیکی کے تمامتر اعمال اور جہاد فی سبیل اللہ ٬ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سامنے اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے جتنی گہرے سمندر میں تھوک کے چھینٹے کی ہوتی ہے"۔(نہج البلاغہ حکمت ۳۷۴)

۸۔ امام حسینؑ کے قیام و تحریک کا بنیادی مقصد :

"ارید ان امربالمعروف وانهی عن المنکر"

"میں امر بالمعروف و نہی از منکر کرنا چاہتا ہوں"۔

(محمد حنفیہ کے نام امام کا وصیت نامہ موسوعہ کلمات امام حسینؑ ۲۹۱)

ب : وہ قرآنی آیات واحادیث جو اسے حقیر و سبک اور بے اہمیت سمجھنے کی مذمت کرتی ہیں۔

۱۔ پوری انسانیت اور انسانی زندگی خسارے اور گھاٹے میں :

"والعصر ان الانسان لفی خسر ـ الاالذین امنوا وعملو الصلحت وتواصوبالحق وتواصوبالصبر"

"قسم ہے عصر کی ٬بیشک انسان خسارہ میں ہے ٬علاوہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت و نصیحت کی"۔(سورہ العصر)

۲۔ سخت ترین عذاب میں گرفتار :

"فلما نسوا ما ذکروا به انجینا الذین ینهون عن السوٓء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئس بما کانوا یفسقون"۔

"اس کے بعد جب انہوں نے یاد دہانی کو فراموش کردیا تو ہم نے برائیوں سے روکنے والوں کو بچالیا اور ظالموں کو ان کے فسق اور بد کرداری کی بنا پر سخت ترین عذاب کی گرفت میں لے لیا"۔(سورۂ اعراف ۱۶۵)

۳۔ مسیحی دانشوروں اور یہودی علماء کی شدید مذمت :

"لولا ینها هم الربانیون ولاحبارعن حولهم الاثم واکلهم السحت لبئس ماکانوا یصنعون"

"آخر اللہ والے اور علماء ان کے جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے۔ یہ یقیناً

بہت بُرا کر رہے ہیں"۔(سورۂ مائدہ ۶۳)

۱۔ خدا کی نظر میں دشمن وعدو :

"ان اللہ عزوجل لیبغض المومن الضعیف الذی لادین لہ فقتل وما المومن الضعیف الذی لادین لہ ؟ قال الذی لاینھی عن المنکر"۔

"خدا ایسے ضعیف مومن سے دشمنی وبغض رکھتا ہے جو دین نہ رکھتا ہو۔ آنحضرت سے کسی شخص نے سوال کیا ایسا بے دین مومن کون ہے ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا جو نہی از منکر نہ کرے"۔(امر بہ معروف و نہی از منکر آیت اللہ حسین نوری ۶۷)

۲۔ آج ظالموں کا ظلم اور باطل کی حکومت تم پر نہ ہوتی :

"ایھاالناس لولم تتخاذ لو اعن نصر الحق ولم تھنؤ اعن توھین الباطل لم یطمع فیکم من لیس مثلکم ولم یثومن قوی علیکم"۔

"اے لوگو! اگر تم حق کی نصرت سے جان نہ چراتے اور باطل (معاویہ) کو شکست دینے میں کمزوری نہ دکھاتے تو جو تمہارا ہمسر بھی نہ تھا وہ کبھی تم پر حملہ کی جرأت نہ کرتا اور جس نے تم پر قابو پالیا ہے قابو نہ پاتا"۔(نہج البلاغہ خطبہ ۱۶۵)

۳۔ دعائیں قبول نہ ہونگی :

"من وصیة لہ علیہ السلام للحسن والحسین علیھما السلام لما ضربہ ابن املجم لعنة اللہ لا تترکوا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فیولی علیکم شرارکم ثم تدعون فلا یستجاب لکم"۔

"حضرت امام حسن اور حسین علیھما السلام کو آپؑ کی وصیت (جب ابن ملجم ملعون نے آپ کو ضربت لگائی) امر بالمعروف اور نھی از منکر کو ترک نہ کرنا ورنہ بدکردار تم پر مسلط کردئے جائیں گے پھر دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہ ہونگی"۔(نہج البلاغہ مکتوب ۴۶)

حسینؑ ھدایت کے چراغ اور کشتی نجات ہیں۔

گزشتہ دور کی مانند آج بھی انسانیت اور عالم اسلام تاریکی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے،لیکن آج اس تاریکی و ظلمت کو زیادہ محسوس کیا جارہاہے۔ عصر حاضر میں تمامتر پیشرفت وترقی کے باوجود انسان زیادہ غمگین و پریشان اور سرگرداں نظر آتا ہے اور سب سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ خود مسلمان بھی نالان وگریان ہیں۔

ہم ایک موحد کی حیثیت سے ہر فرد مسلمان سے پوچھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے ؟ کب سے یہ بدبختیاں ہمارے در پر آنے لگیں ؟ کب تک ان مصائب و آلام میں گرفتار رہنا ہوگا ؟ کیا ذلت وخواری کے بند سے آزاد ہونے کی کوئی راہ نہیں ؟ کیا کتاب ھدایت ونجات ہمارے درمیان موجود نہیں ؟ کیا خدا اور سول اللہ کی محبوب وعزیز اور ھدایت یافتہ ہستیاں ہمارے درمیان موجود نہیں ؟ کیا حسین بن علیؑ جیسی ہستی وشخصیت ہمارے پاس نہیں ؟

کیا عصر عاشورا اور اس عظیم انقلاب حسین کے بعد بھی انسانیت اور عالم اسلام کو ذلت وخواری میں گرفتار ہونا چاہئے ؟ جس کے ہر لحظہ ولمحہ میں انسانیت وموحدین کے لئے ھزاروں دروسِ عبرت ومعرفت پوشیدہ ہیں۔

کیا ہمیں محافل ومجالس عزا کے ثمرات واثرات اور یہ عظیم

قدرت وطاقت میسر نہیں ؟

کیا محافل دعا جیسے عظیم ہتھیار و سلاح ہمارے اختیار میں نہیں ؟

کیا امر بہ معروف اور نہی از منکر جیسا عظیم نظام و فریضہ ہمیں عطا نہیں کیا گیا ؟

اگر ہم دل و جان سے اور تھوڑی دقت و سنجیدگی سے اس مصیبت و پریشانی کے اسباب و علل 'اور ان سوالوں کے جوابات کو تلاش کریں تو ان کے اسباب اور جوابات کو دو کلمہ میں بیان کر سکیں گے 'ایک افراط اور دوسرا تفریط۔

یعنی افراط و تفریط وہ دو بلاوبیماریاں ہیں جس نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی ہے اور ان مصائب و پریشانیوں میں مبتلا کیا ہے۔ تمام خرابیوں 'آفتوں کی جڑ اور ماں یہ دو قبیح اور قابل مذمت عمل ہیں۔

افراط و تفریط یعنی کسی بھی فعل و قول چاہے وہ زندگی کے کسی بھی حصہ سے تعلق رکھتا ہو مذہبی یا غیر مذہبی 'انفرادی 'اجتماعی' سیاسی' معاشی یا اخلاقی کو 'اسکی وہ اصل شکل و صورت اور مقام و منزلت نہ دی جائے جو کہ عقل و شرع نے دی ہو اور جس کے طفیل و سایہ میں وہ اپنے مثبت و منفی اثرات و ثمرات دے سکے۔ وہ یا تو افراط کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنے حدود و مقام سے زیادہ بڑھ چڑھ کر پیش کیا جاتا ہے یا پھر تفریط و کوتاہی کرتا ہے اور اسے اہمیت و توجہ نہیں دیتا اور پست و حقیر سمجھتا ہے۔

اس فکر و عمل کے دونوں گروہ ہر معاشرہ میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہاں کچھ لوگ قرآن کے حفظ و قرأت میں اس قدر مشغول ہو جاتے ہیں اور اسکے مرید و عاشق بن جاتے ہیں کہ پیغمبر واہل بیتؑ کی ضرورت ہی کو رد کرنے لگتے ہیں۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ اہل بیتؑ سے اس قدر مانوس ہو جاتے ہیں کہ سوچنے لگتے ہیں کہ تنہا اہل بیتؑ سے تمسک رکھنا ہی باعث نجات ہے اور غلو کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ نماز کو سبک اور باعث مشقت و سختی سمجھتے ہیں تو کچھ اسقدر نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ اہل و عیال کیلئے معاش کو کسب کرنا بھی بھول جاتے ہیں اور کوہ و دشت میں زندگی بسر کرنے کو پسند کرتے ہیں۔

کچھ دعا کو بدعت اور بے وقوفی اور نظام کائنات سے متصادم سمجھتے ہیں تو کچھ کا بس دعا کرنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہوتا اور دعا ہی کو تمام مصیبتوں کا علاج سمجھتے ہیں۔ بعض عزاداری میں سینہ اور سر پیٹنے میں اس قدر مگن ہوتے ہیں کہ اھداف عزاداری کو لاحق خطرات و مضرات کے مشاہدہ کرنے کے باوجود خاموش رہتے ہیں تو کچھ اس فکر و خیال میں کہ اھداف عزاداری و مجالس زندہ ہونے چاہئں 'مروجہ مجلس عزا میں شرکت کرنے ہی کو حماقت سمجھتے ہیں۔ کچھ افراد امر بہ معروف و نہی از منکر کے اس قدر حامی و داعی ہوتے ہیں کہ ہر جگہ کسی بھی طریقے سے اور کسی بھی شکل و صورت میں امر بہ معروف اور نہی از منکر کرنا چاہتے ہیں' تو کوئی کہتا ہے : ہر کسی کو اپنی قبر میں جانا ہے ہمیں دوسروں کے کام سے کیا لینا۔

کوتاہی و زیادہ روی وہ بلا و بیماری ہے جو کسی بھی مقدس اور باعظمت و منزلت کام کے اثرات و ثمرات کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ کیونکہ اس کرہ ارضی اور کائنات کا قانون ہے کہ ہر چیز کو اس کے اپنے مقام پر رکھنے ہی سے وہ اثرات و ثمرات بخشتا ہے۔

جو بھی عمل 'قول اور حرکت ان دو بیماریوں اور بلا سے دور ہو گی اسے متبادل متعادل اور صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔

عالم اسلام کو ان دو بلا و بیماری سے محفوظ اور صراط مستقیم پر قائم و دائم رکھنے کے لئے خداوند کریم نے دو عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ ایک قرآن کریم اور دوسرے اہل بیتؑ۔ جیسا کہ خود پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے اس وقت تک تمہیں سعادت و کامیابی نصیب ہو گی اور جیسے ہی ان میں سے ایک سے دور ہو گے بدبختی و گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ افراط و تفریط کے شر و آفت سے محفوظ رہنے کیلئے قرآن و اہل بیتؑ کے دامن پاک سے متمسک ہو جائیں اور ایسی ہستی سے کسب معرفت اور دعا کرنے کی راہ وروش کو سیکھیں جس کے ھادی و رہنما ہونے کی ضمانت اس سے بلند تر ہستی نے دی ہو اور خود بھی مفسر قرآن اور بولتا قرآن ہو۔ وہ شخصیت و ہستی جو اسوقت ہمارے منظور نظر ہے، حسین بن علیؑ ہیں جن کی منزلت و مقام اور عظمت کے بارے میں کسی بھی فرد کو کوئی شک و شبہ نہیں اور پیغمبرؐ سے منقول یہ حدیث کہ حسینؑ ھدایت کے چراغ اور کشتی نجات ہیں، کسی بھی مسلمان سے مخفی و پوشیدہ اور قابل اعتراض نہیں۔ خود امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے نمونہ اور اسوۂ عمل ہوں۔ چنانچہ ہم پہلے اس باعظمت و کرامت ہستی کے رب کریم اور خالق اکبر سے گفتگو و راز و نیاز کرنے کا مشاہدہ کریں گے اور پھر انکے مخلوق خدا کو خدا، قرآن و اسلام کی طرف دعوت کرنے کی شجاعت و شہامت اور ان عظیم پیام و خطبوں کو نکات کی شکل میں بیان کریں گے۔

امام حسینؑ میدان دُعا میں

(i) سنہ ۵۹ ھ کو میدان منیٰ میں علماء و دانشوروں سے خطاب کے بعد آپ نے فرمایا:

"اللهم انك تلعم انه لم يكن ما كان منا تنافسا في سلطان ولا التماسا من ......"

"اے معبود، اے خدا، بیشک تو جانتا ہے جو اقدام ہم نے کیا وہ نہ حکومت و سلطنت کی لالچ میں اور رقابت کی آگ کی خاطر تھا اور نہ ہی تھوڑی دیر زیادہ زندگی اور زندہ رہنے کی خواہش میں اور زیادہ ثروت و مال حاصل کرنے کی غرض سے تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تیرے دین کے درخشاں و نورانی اصول و اقدار کو واضح و نمایاں کریں، تیری زمین شہر میں اصلاح و تبدیلی کریں اور تیرے مظلوم و ستم دیدہ بندوں کو امن و سکون میسّر کریں تاکہ تیرے فرائض و واجبات اور تیری سنت و احکام پر عمل ہو سکے"۔

اس دعا سے استفادہ

۱۔ دعا کے پہلے فقرہ (جو اقدام ہم نے کیا) سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ معاویہ کی حیات میں بھی مختلف مناسبتوں سے تحرک و اقدام کرتے تھے اور خاموش تماشائی نہ تھے۔ امامؑ کا معاویہ کی موت کے بعد قیام کرنا کوئی غیر پیش بینی شدہ یا اتفاقی عمل نہ تھا۔ یہ قیام صرف بیعت سے انکار کی وجہ سے نہ تھا بلکہ امامؑ پہلے ہی سے اس دن و موقع کے انتظار میں تھے۔

۲۔ اگر بعض مفسرینِ عاشورا کی نظر میں امامؑ کا قیام سیاسی یا حکومت کی خاطر ہے تو اس سے ہرگز یہ مراد نہ لینا چاہئے کہ نعوذ باللہ امامؑ کے دل میں حکومت کا لالچ اور مال و ثروت اور منصب و اقتدار کا مرض تھا بلکہ امامؑ کی نظر میں حکومت

اعلیٰ اور مقدس اہداف تک پہنچنے کا ایک وسیلہ وذریعہ تھا۔

۳۔ مجوّزہ حکومتِ حسینؑ بن علیؑ یا اسلامی حکومت کے بنیادی مقاصدوپالیسی :۔

الف : پوری دنیا کی سطح پر اسلامی اقدار واصولوں کو زندہ و نمایاں کرنا

ب : ملک میں موجود بدعتوں ،فسادات اور خرافات کی اصلاح کرنا۔

ج : مظلوم وغریب عوام کی فریادرسی اور زندگی گزارنے کی بنیادی ضرورت امن وسکون کو مہیا (آمادہ) کرنا۔

د : عوام النّاس کے لئے فرائض وواجبات ،الٰہی سنتوں اور احکام پر عمل کرنے کا ماحول وفضا فراہم کرنا۔

۴۔ اسلام اور حکومت حسینؑ بن علیؑ کے سایہ ودامن سے دور رہ کر بھٹکتی ہوئی انسانیت کو کبھی امن وسکون اور فرائض کی انجام دہی کا موقع وامکان میسّر نہ ہوگا۔

(ii) رسول اللہؐ کی قبر پر آپ کی دعا :

"اللهم ان هذا قبر نبيّك محمدؐ وانا ابن بنت نبيك وقد حضرني الامر يا قدعلمت ......"

"خدایا یہ تیرے نبیؐ کی قبر ہے ،میں تیرے نبی کی بیٹی کا فرزند ہوں۔ جو حالات اور کام میرے لئے پیش آئے ہیں تو اس سے آگاہ ہے۔ اے خدا میں معروف کو پسند اور منکر کا انکار کرتا ہوں۔ اے صاحب جلال واکرام میں تجھ سے اس قبر اور اس میں موجود ہستی کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرے لئے ان حالات وحوادث میں وہی امر (راہ) اختیار فرما جس سے تو راضی وخوش ہو"۔

دعا کے چند اہم نکات :

۱۔ خدا بندے کی ہر حالت وحرکت اور عمل سے آگاہ ہوتا ہے۔

۲۔ حسین بن علیؑ معروف کو پسند اور منکر سے نفرت کرتے تھے لہٰذا ہم میں بھی یہ خصوصیت وامتیاز ہونا چاہئے۔

۳۔ مقام ومنزلت رسول اللہؐ اس قدر بلند ہے کہ حسین بن علیؑ جیسی ہستی اپنی دعا کی قبولیت کے لئے ان کو درگاہ الٰہی میں واسطہ قرار دیتے ہیں۔

۴۔ امام حسینؑ نے اپنی دعا میں خدا کی رضا ومرضی کو اپنی رضا ومرضی پر مقدم رکھا ہے۔ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں ان کی تاسی کرنی چاہئے۔

(iii) محمد بن حنفیہؓ کے نام امامؑ کا وصیت نامہ :

"وما توفيقى الاباللہ عليه توكلت واليه انيب"

"امامؑ کی یہ دعا قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ ہے"۔

"وما توفيقى الا باللہ عليه توكلت واليه انيب"

"حضرت شعیب نے فرمایا میری توفیق صرف اللہ سے وابستہ ہے ،اسی پر اعتماد ہے اور اسی کی طرف میں واپس لوٹوں گا"۔ (سورۂ ھود آیت ۸۸)

دعا کے نکات

۱۔ توفیق کی امید صرف ذات خدا سے رکھنی چاہئے ،چاہے کتنی ہی بڑی ہستی کیوں نہ ہو۔

۲۔ غیر خدا پر بھروسہ اور اعتماد کرنا سیرت حسین بن علیؑ اور اولیاء خدا کے برخلاف ہے۔

۳۔ اس دنیا میں کوئی فرد زندہ نہیں رہ سکتا اگر یہ دنیا رہنے کی

جگہ ہوتی تو امامؑ اور پیغمبرؐ اسکے سب سے زیادہ سزاوار تھے۔

(iv) مدینہ سے خارج ہوتے وقت :

امامؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت اس آیت کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت موسیٰ کے مصر سے نکلتے وقت کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

"فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجني من القوم الظلمين"۔

"تو موسیٰ شہر سے خوفزدہ 'اضطراب و پریشانی کے عالم میں نکلے اور کہا کہ پروردگار مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا"۔(سورۂ قصص آیت ۲۱)

پس معلوم ہوا کہ ظالم و ستمکاروں کے ظلم و ستم سے اسوقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک خدا سے مدد و نصرت طلب نہ کی جائے۔

(v) مکہ میں داخل ہوتے وقت :

امامؑ نے دوبارہ اس آیت کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت موسیٰؑ کی کیفیت کو جب انہوں نے مدین کا رخ فرمایا' بیان کیا گیا ہے۔

"ولما توجه تلقاء مدين قال عسىٰ ربی ان يهديني سوآء السبيل"۔(سورۂ قصص آیت ۲۲)

"اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے سیدھے راستہ کی ھدایت کر دے گا"۔

یعنی ھدایت و سعادت کی امید اسلام و خدا کے علاوہ کسی اور سے رکھنا حماقت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ملاقات کے دوران ان کی بات کے جواب میں فرمایا :

وانی استخیرالله۔"میں خدا سے طلب خیر کرتا ہوں"۔

☆ عبداللہ بن جعفر اور عمرو بن سعید کے جواب میں فرمایا :

فنسال الله خانة فی الدنیا توجب لنا امانه یوم القیامة ۔

"ہم اس دنیا میں خوف و خشیت کو خدا سے طلب کرتے ہیں تاکہ ہمیں روز قیامت اس کا امان نصیب ہو"۔

۱۔ دنیا میں زندگی کے تمام امور میں (عبادی 'اجتماعی وسیاسی' انفرادی' اقتصادی اور مذہبی امور میں) خوف الٰہی کی ضرورت ہے۔

۲۔ اپنے امور زندگی میں خوف و ترس اللہ پیدا کرنے کی ایک راہ خود خدا سے اس کے تقویٰ و خوف کیلئے دعا کرنا ہے۔

۳۔ جسے دنیا میں خوف اللہ و مذہب ہو اسے قیامت کے روز ضرور امن خدا نصیب ہوگا بصورت دیگر قیامت میں بے امان ہوگا۔

(vi) مکہ سے کربلا کے راستے میں دعائیں :

☆ **فرزدق کے جواب میں فرمایا :**

"صدقت لله الامر كل يوم هو فی شان ان نزل القضاء بما نحب و نرضی فنحمدالله علی......"۔

"(فرزدق) آپ نے بالکل درست فرمایا تمام مقدرات و امور خدا کے ہاتھ میں ہیں اگر قضاء الٰہی ہماری مراد اور مرضی (مقصد) کے مطابق واقع ہوئی تو ہم ان نعمتوں پر اس کا حمد و شکر کریں گے اور وہی ذات ادائے

شکر میں مددگار وناصر ہے۔ اور اگر حالات و حوادث ہمارے ہدف اور امیدوں کے درمیان حائل ہوئے اور ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے تو جس شخص کی نیت وباطن حق وصاف ہو اور تقویٰ الٰہی اس کے دل پر حکومت کرتی ہو، اس نے کوئی ظلم وستم نہیں کیا ہے"۔

گفتگو اور دعا کے اہم نکات

۱۔ تمام امور کی ابتداء و آخر کا حکم و نتیجہ ذات حق کے ہاتھوں میں ہے۔

۲۔ اس پر ایمان رکھنے کے بعد خدا مقدرات کو معین کرتا ہے اپنی تمام تر کوشش و تلاش کو اپنے اہداف اور امیدوں کی دست یابی کے لئے صرف کرنا چاہئے جبکہ امامؑ نے عملی طور پر یہ ثابت فرمایا۔

۳۔ امام نے ابتدائے قیام ہی سے اپنے قیام کے مقدس ہدف کو مشخص فرمایا تھا۔ آپؑ نے بلاہدف قیام نہیں کیا تھا۔

۴۔ امامؑ نے اپنے قیام کے لئے دو مقدس اہداف قرار دیئے ان میں سے ایک بہت اہم اور نہایت ضروری تھا، جسے حاصل کر لینے کی صورت میں آپؑ خدا کے نہایت ہی شکر گزار ہوتے۔ دوسرا جو اس سے کم درجہ پر تھا وہ بھی ایک مستقل اور مقدس ہدف تھا اور پہلے مقصد میں ناکامی کی صورت میں دوسرے یعنی رضاالٰہی پر صبر فرماتے۔

۵۔ امامؑ نے فرمایا خدا شکر کرنے والے کا مددگار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائے شکر کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر مرحلہ میں زبانی، قلبی اور عملی صورت میں بندہ خدا کی مدد وعنایت کا محتاج اور ضرورتمند ہے۔

☆ اہل کوفہ کے نام دوسرا خط:

"فسالت الله ان يحسن لنا الصنع وان يثيبكم على ذلك اعظم الاجر"۔

"میں خداوند بزرگ وبرتر کے حضور دعاگو ہوں کہ وہ ہمیں نیک توفیق اور تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے"۔

۱۔ زندگی کے پاک ومقدس اہداف تک دست رسی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہونا ہے چنانچہ ہمیں حسین بن علیؑ کے قیام سے یہ درس لینا چاہئے۔

۲۔ کسی مظلوم کی مدد و نصرت کرنا خصوصاً جب مظلوم مومن ہو اور امام وقت بھی، کس قدر عظیم اجر رکھتا ہے، خود امامؑ اس دعا میں اعتراف فرماتے ہیں۔

۳۔ اگر کسی کو اجر عظیم کی خواہش ہے تو اسے چاہئے کہ امام زمانؑ اور امامت و حکومت اسلامی کی سربلندی و نصرت کے لئے کمربستہ ہو جائے۔

☆ قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر ملنے پر فرمایا:

امامؑ سورۂ احزاب کی آیت ۲۳ تلاوت فرماتے ہیں۔

"فمنهم من قضىٰ نحبه ومنهم من ينظرو مابدلو تبديلا"۔

"ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی ہے"۔

اللهم اجعل لنا......اے پروردگار ہمیں اور ہمارے

شیعوں کو اپنے قرب میں ایک باعظمت وباکرامت منزل عطا فرما اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت میں جمع فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(vii) کربلا میں داخل ہونے سے قبل کی دعا۔

"اللھم انا عترۃ نبیك ......"۔

"اے پروردگار ہم تیرے نبی محمدؐ کے خانوادے ہیں ہمیں اپنے جد کے حرم سے نکالا گیا ہے۔بنی امیہ نے ہم پر تعدی و تجاوز کیا۔اے پروردگار ہمارا حق ان سے واپس لے اور ہمیں ظالمین پر نصرت وکامیابی عطا فرما"۔

(vii) کربلا میں داخل ہونے کہ بعد کی دعا :

"اللھم اعوذبك من الکرب والبلاءِ

"اے معبود میں غم واندوہ اور بلا سے تیرے در پر پناہ مانگتا ہوں"۔

(ix) جب مخالف لشکر کی تعداد کربلا میں زیادہ ہوگئی، تو فرمایا :۔

"اللھم احکم بیننا ......"

"اے پروردگار ہمارے اور اس قوم کے درمیان جس نے ہماری مدد کرنے کا وعدہ کیا اور پھر ہمیں قتل کرنے کا فیصلہ کیا، تو خود حکم فرما"۔

(x) نویں محرم الحرام کو دعا فرمائی :

"اللھم انا اھل نبیك وذریته وقرابیه فاقصم من ظلمنا وغضبنا حقنا انك سمیع مجیب"۔

"اے خدا ہم تیرے نبی کے اہل بیت، اولاد اور اقربا ہیں تو اسے جس نے ہم پر ظلم اور ہمارا حق غضب کیا ہے، نیست و نابود فرما۔ بیشک تو سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے"۔

۱۔ جو شخص امام وامامت پر ظلم کرے اور ان کی حق تلفی کرے، امامؑ کی بد دعا اسے نیست و برباد کردے گی۔اب سوال یہ ہے کہ امام معصوم اور امامت کے کیا حقوق ہو سکتے ہیں ؟

۲۔ امامؑ کی اس دعا میں ان آیات کی طرف اشارہ ملتا ہے :

الف : فتقبل منی انك انت السمیع العلیم۔

"اب تو قبول فرمالے کہ تو ہر ایک کی سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے"۔(سورۂ آل عمران ۳۵)

ب :"ان ربی قریب مجیب"

"میرا پروردگار قریب تر اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے"۔(سورۂ ھود ۶۱)

(xi) شب عاشوراء یہ دعا کی :

☆ اللھم انی احمدك علی ان اکرمتنا بالنبوۃ......"

میں مصائب وآسائش میں، رنج ورفاہ میں بہترین حمد و ثناء کرتا ہوں اور خدا کی نعمتوں پر اس کا شکر کرتا ہوں۔اے رب جلیل تمام حمد تیری ذات کے لئے کہ تو نے ہمیں نبوت ورسالت سے نوازا، ہمیں قرآن کی تعلیم دی، دین میں ہمیں فقیہ بنایا، چشم وگوش کی بصیرت عطا فرمائی، حقائق کو درک کرنے کے لئے قلب سلیم عطا کیا، ان نعمتوں کے لئے تو ہمیں شکر گزاروں میں قرار دے اور ہمیں مشرکین میں قرار نہ دے"۔

۱۔ زندگی کے مصائب و مشکلات اور خوشی میں خدا کی نعمتوں اور احسانات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے اور ہر حال میں اس کا شاکر ہونا چاہئے۔

۲۔ مقام امامت یعنی حسین بن علیؑ کو ناز و فخر ہے کہ پیغمبر و نبوت اور قرآن کریم سے متمسک ہیں اور دین کو سمجھنے اور درک کرنے کی بصیرت و بینائی مرحمت کی گئی ہے۔ لہٰذا نظام امامت سے نبوت و پیغمبرؐ، قرآن مجید اور فقہ و فقاہت کو جدا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور ان کے عاشقین و محبین کو بھی جس قدر ممکن ہو پیغمبرؐ، قرآن، دین فہمی و شناسی سے منسلک ہونا چاہئے۔

۳۔ نظام مقدس امامت و ولایت کی بنیاد نبوت، قرآن اور فقہ و فقاہت پر استوار و قائم ہے۔

☆ "اللهم انی لا اعرف اهل بيت ابر۔"

"میں نہیں جانتا کہ میرے نیک سیرت اور باوفا اصحاب جیسے اصحاب کسی اور کو ملے ہوں اور میرے نیک خصلت، ہمدرد مشفق و مہربان اہل بیتؑ جیسے اہل بیت کسی اور کو ملے ہوں۔ خداوند عالم تم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے"۔

۱۔ امامؑ کو اپنے اھداف و مقاصد کو اور مقام امامت سے دنیائے انسانیت کو منور کرنے کے لئے اصحاب و مددگار کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ جس طرح امام و قائد اپنے ھدف میں مخلص اور پختہ و مضبوط ہوتا ہے اسی طرح ان کے اصحاب بھی نیک سیرت، ایثار گر اور مخلص ہونے چاہئیں۔

(xii) صبح عاشوراء یہ دعا کی:

"اللهم انت ثقتی فی کل کرب ورجائی فی کل شدة وانت لی فی کل امر نزل بی......"

"خداوندا! ہر مشکل اور ہر مصیبت میں ہمیشہ میں نے تیری ہی ذات پر بھروسہ کیا، میری تمام امیدیں تیری ہی ذات سے وابستہ ہیں۔ تمام چارہ جوئی ختم ہونے، دوستوں کے ساتھ چھوڑ جانے اور دشمن کے شماتت کرنے پر ہم نے ہمیشہ اپنی مصیبت کو تیرے ہی حضور میں پیش کیا، میں نے اپنی شکایت تیری بارگاہ میں پیش کی، تیری ذات کے علاوہ میں کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکا۔ یہ تو ہی ہے جس نے ہمیشہ میری مشکل کشائی کی اور میری پریشانیوں کو دور کیا۔ ہر نیکی اور ہر نعمت تیری ذات سے ہے ہر کسی کی امیدیں تجھ ہی سے وابستہ ہیں"۔

۱۔ زندگی کی سرشاری و خوشی میں اور رنج و اندوہ میں صرف اللہ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ کرنا چاہئے اور اسی سے امید رکھنی چاہئے۔

۲۔ زندگی کی ہر تلخی و شیرینی، مسرت و مصیبت کو بارگاہ الٰہی میں باربار ذکر کرنا چاہئے اور اپنا احوال دل بیان کرنا چاہئے۔

۳۔ مشکل کشائے حقیقی ذات اللہ ہے وہی صاحب نعمت ہے جس سے امیدیں وابستہ ہیں۔

(xiii) اپنے لشکر کو منظّم کرنے سے قبل فرمایا:

"اللهم احبس عنهم قطر السماء......"

"اے خدا ان کو بارش کے قطرات سے محروم فرما اور

ان کے لئے حضرت یوسفؑ کے زمانہ کی خشک سالی کی مانند قرار دے 'ان پر غلام ثقفی کو مسلط فرما تاکہ انھیں سختی ومشقت کی انتہا میں گرفتار کرے اور ان میں سے کوئی بچے نہیں مگر یہ کہ انھیں کسی انداز سے قتل اور مجروح کرے۔ میرے انصار واعوان اور میرے خاندان وشیعوں کے خون کا انتقام لے ۔بیشک انہوں نے ہمیں دھوکہ دیا'ہم سے جھوٹ بولا اور ہمیں بے یار ومددگار تنہا چھوڑا۔ تو ہمارا رب ہے 'ہم نے تجھ پر توکل کیا ہے' تیری ہی طرف لوٹیں گے اور ہر چیز کی بازگشت تیری ذات کی طرف ہے"۔

(xiv) روز عاشوراء یہ دعا فرمائی :

"اللهم قد منعونی مافیه فاعطنی مافیه......"

"اے پروردگار اس قوم نے مجھے اپنے حق سے محروم کردیا' پس تو مجھے میرا حق عطا فرما۔ اے پروردگار میں ان سے ناراض ہوں اور وہ مجھ پر ناراض وغصہ دار ہیں۔ انہوں نے مجھے ملول وغمگین کیا' میں نے بھی انہیں غمناک کیا۔ اور انھوں نے مجھے ایسی رفتار وکردار پر مجبور کیا ہے جو میرے مزاج وطبیعت میں نہ تھی۔ اے خدا! بہتر انصار واعوان میرے لئے مقدر فرما اور ایک برا حکمران ان پر مسلط فرما' اے پروردگار جس طرح نمک پانی میں حل ہوتا ہے اسی طرح ان کے دلوں سے ایمان زائل کردے "۔(یعنی ان کے دلوں میں ذرا برابر ایمان باقی نہ رہنے دے)

(xv) جب علیؑ بن حسینؑ میدان کی طرف تشریف لے گئے تو فرمایا :

"اللهم فکن انت الشهید......"

"اے پروردگار تو اس قوم پر شاهد وگواہ رہ 'ایسا جوان مقابلہ کے لئے میدان میں گیا ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ تیرے نبیؐ سے شباہت رکھتا ہے"۔

(xvi) علی بن حسینؑ کی شہادت پر :

"اللهم لنعهم برکات الارض......"

"اے پروردگار !زمین کی خیر وبرکات سے انہیں محروم فرما'ان کی جماعت کو متفرق ومنتشر کر'انہیں مختلف راستوں اور سختیوں میں قرار دے اور کبھی بھی حکمرانوں کو ان سے راضی وخوشحال نہ ہونے دے (ہمیشہ حکمران ان پر ظلم وستم کرتے رہیں)۔انہوں نے ہمیں مدد کرنے کیلئے دعوت دی تھی پھر ہم پر حملہ آور ہوئے تاکہ ہمیں قتل کردیں"۔

(xvii) حضرت عبداللہ (امامؑ کے سب سے چھوٹے فرزند یعنی حضرت علی اصغر) کی شہادت پر یہ دعا فرمائی :

"یانفس اصبری واحتسبی فیما اصابك الهی--"

"اے نفس صبر واستقامت کر اور جو تکلیفیں اور سختیاں پہونچی ہیں انہیں خدا کے حساب میں محفوظ سمجھ 'اے خدا جو کچھ بھی ہمارے اوپر واقع ہوا تو دیکھ رہا ہے۔ پس

ان سب کو روز قیامت ہمارا ذخیرہ وپشت وپناہ قرار دے"۔

(xviii) قاسم بن حسنؑ کی شہادت کے وقت کی دعا :

"اللهم انت تعلم انهم دعونا لينصرنا ......"

"اے خدا! تو خود جانتا ہے کہ اس قوم نے ہمیں مدد کرنے کے لئے دعوت دی تھی لیکن ہمیں تنہا وبے یار چھوڑا اور ہمارے دشمنوں کی مدد ونصرت کی۔ اے خدا تو انہیں بارش کے قطرات سے محروم فرما' اور ان سے کبھی بھی خوش وراضی نہ ہو' اے خدا اگر تو نے اس دنیا میں ہماری نصرت ومدد نہیں چاہی ہے تو اس نصرت ومدد کو ہماری آخرت کے لئے ذخیرہ قرار فرما' اور ہمارا انتقام ظالموں سے لے"۔

(xix) عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت کے بعد فرمایا :

"اللهم ان متعتهم الى حين ففرقهم......"

"اے پروردگار! اگر تو انہیں کچھ دیر تک زندہ رکھنا چاہتا ہے تو انہیں متفرق ومنتشر کر' انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم فرما اور ان سے کبھی راضی وخوش نہ ہو"۔

(xx) جب تیر امامؑ کی پیشانی پر صبت ہوا تو فرمایا :

"اللهم انك ترىٰ مانا فيه من عبادك هٰولاءِ العصاة"

"اے خدا جو کچھ میں اس گنہگار قوم کے مقابلہ میں برداشت وتحمل کرتا ہوں تو دیکھ رہا ہے' اے خدا تو انہیں نابود کر اور انہیں انتشار وافتراق سے قتل فرما اور ان میں سے کسی ایک کو بھی زمین پر زندہ نہ رہنے دے اور ان کے گناہوں سے درگزر نہ کر"۔

(xxi) جب امامؑ سواری سے سیدھے رخسار کے بل زمین پر گرے فرمایا :

"بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله "

"خدا کے نام سے اور اس کی یاد سے اور اس کے پیغمبر کی راہ میں"۔

(xxii) جب امامؑ کی طرف تیروں کی بارش شروع ہوگئی' تو آپ نے دعا فرمائی کہ :

"اللهم اطلب بدم ابن ابنت نبيك"

"اے خدا تو اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کے خون کا انتقام لے"۔

۱۔ ایک روز انشاء اللہ ایک ایسی ہستی ظہور کرے گی جس کے ذریعہ امامؑ کی دعا کو خدا اپنے اذن سے اجابت اور عملی فرمائے گا۔

۲۔ انشاء اللہ ایک روز اس دنیا پر حسین بن علیؑ کے فرزند کی حکومت ضرور قائم ہوگی۔

(xxiii) امامؑ کی زندگی کے آخری لمحات میں آخری دعا ومناجات۔

"اللهم! متعالى المكان عظيم الجبروت 'شديد المحال غنى عن الخلائق......"

"اے خدا! تیرا مقام بہت بلند 'تیرا غضب شدید 'تیری قدرت وطاقت ہر قدرت وطاقت سے زیادہ ہے' تو اپنی مخلوقات سے بے نیاز' تیری بزرگی وعظمت

نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیا ہے تو جو چاہے اس پر قادر ہے۔ اپنے بندوں سے قریب' تیرا وعدہ سچا' تیری نعمتیں وسیع ' تیرا امتحان خوبصورت' جو بندے تجھے پکارتے ہیں تو ان سے قریب' جسے تو نے خلق فرمایا ہے اس پر احاطہ رکھتا ہے' جو توبہ کرے اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرے اس پر قادر ہے۔ ہر چیز کے درک وعلم پر توانا' جو تیرا شکر گزار ہوا تو اس کا شکر گزار' جو تجھے یاد کرے تو اسے یاد کرتا ہے میں تجھے پکارتا ہوں درحالانکہ میں تیرا محتاج ہوں۔ تیرے سامنے تضرع وزاری کرتا ہوں درحالانکہ میں فقیر ہوں۔ خوف وہراس میں میری پناہگاہ تو' مصیبت وسختیوں میں تیرے در پر گریہ وزاری کرتا ہوں' حالت ضعف میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں' تیری ذات پر بھروسہ کرنا میرے لئے کافی۔ اے خدا! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان تو حکم فرما' انھوں نے ہمیں دھوکہ دیا' ہمیں تنہا چھوڑا اور ہم سے غداری وبے وفائی کی۔ ہم تیرے نبیؐ کی عترت ہیں' ہم تیرے اس نبی کے فرزند ہیں جسے تو نے رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور اسے اپنا امین وحی قرار دیا۔ پس تو ہمارے امر (حالات وحوادث) میں فرج اور آسانی فرما اے ارحم الراحمین اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے"۔

امامؑ کچھ لمحات خونیں حالت میں زمین پر تھے۔ ان لحظات میں آسمان کی طرف امام کی نگاہ تھی اور فرماتے تھے :

"صبرا علی قضائك یا رب......"

"اے رب اے پالنے والے! تیری قضا پر صابر ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' اے استغاثہ وفریاد کرنے والوں کے فریاد رس! تیرے سوا کوئی میرا پالنے والا نہیں اور تیرے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں۔

اے اس فریاد کرنے والے کے فریاد رس جس کا تیرے علاوہ کوئی نہیں' تیرے حکم پر صبر کرتا ہوں۔ اے وہ ذات جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے' جو مردوں کو زندہ کرتا ہے' اے وہ جو اپنی مخلوق کے تمام تر اعمال وکردار پر آگاہ وشاہد ہے' تو میرے اور اس گروہ کے درمیان حکم فرما کہ تو حکم کرنے والوں میں بہترین حاکم ہے"۔

۱۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مدعو کی صحیح معرفت رکھتا ہو۔

۲۔ مدعو و معبود حقیقی حسین بن علیؑ کی نگاہ میں مندرجہ ذیل خصوصیات وامتیازات کا مالک ہونا چاہئے :۔

☆اس کے سوا کوئی اور معبود نہ ہو۔

☆ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی قدرت رکھتا ہو۔

☆وسیع نعمتوں کا مالک ہو۔

☆ فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سنتا ہو۔

☆ ہر جگہ اور ہر چیز سے زیادہ داعی کے قریب ہو۔

☆ہمیشہ باقی رہنے والی ذات ہو۔

☆ مخلوق سے بے نیاز ہو۔

۳۔ امام حسینؑ معبود کی بعض ایسی صفات کو بیان فرماتے ہیں کہ

جس سے معبود کی اپنے بندوں سے محبت و عنایت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :۔

☆پکارنے والوں سے قریب۔

☆فریاد کرنے والوں کا فریادرس۔

☆توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔

☆اپنے یاد کرنے والوں کو یاد کرتا ہے۔

☆اپنے شکر کرنے والوں کا خود شکر ادا کرتا ہے۔

☆بندوں سے کئے ہوئے وعدوں پر سچا و ثابت رہتا ہے۔

۴۔ امامؑ خود کو خدا کے حضور میں قرار دے کر ان الفاظ میں اپنی بندگی اور فقر و ناتوانی کا اعتراف فرماتے ہیں :۔

☆میں تیرا ضرور تمند محتاج ہوں۔

☆میں فقیر و بے بس ہوں۔

☆خوف و ہراس میں میری پناہگاہ تو ہے۔

☆درد و الم اور مصیبت میں تیرے در پر تضرع و زاری کرتا ہوں۔

☆ تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں۔

☆ تجھ سے مدد و نصرت کا تقاضا کرتا ہوں۔

☆ تیری قضاء و قدر پر صابر ہوں۔

☆ میرا تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

☆ حسین کا رب' پالنے والا تیری ذات ہے۔

۵۔ امامؑ کربلا تک کوفہ والوں کے وعدہ وعید پر اور ان کی دعوت پر آئے تھے لیکن انہوں نے نصرت و مدد سے انکار کیا۔

۶۔ خدا سے امامؑ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے معبود ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما۔

امامؑ میدان دعوت یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں۔

(i) مجلس ولید بن عتبہ میں گفتگو کے اہم نکات :۔

ا۔ بیعت کے مطالبہ پر امامؑ کا صریحاً اور تندی کے ساتھ یہ فرمانا کہ ہم خاندان اہل بیت 'نبوت و معدن نبوت سے تعلق رکھتے ہیں' اس بات کی دلیل ہے کہ قیام امامؑ کا اصل محرک مطالبہ بیعت نہ تھا یعنی مطالبہ بیعت کے علاوہ کوئی اور قوی و عظیم محرک تھا جس نے امام کو مجبور بہ قیام کیا۔

۲۔ امام نے رہتی دنیا تک انسانیت اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے ایک عظیم اور اہم پیام و اصول بیان فرمایا کہ مجھ جیسا باشرافت' غیر تمند' متدین مسلمان کبھی بھی یزید جیسے شرابی' فاسق 'نفس محترمہ کے قاتل اور ظالم کو اپنا قائد' امام و رہبر اور سربراہ مملکت کے بطور قبول نہیں کر سکتا۔

۳۔ امام نے اس مختصر سی گفتگو میں فقط مطالبہٴ بیعت کو مسترد نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ یزید کو خلافت و ولایت کے منصب کے لئے نااہل بھی ٹھرایا اور اس ولایت و منصب کے صحیح حقدار کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا۔

(ii) مروان بن حکم سے گفتگو :

ا۔ کسی بھی اسلامی مملکت اور امت مسلمہ پر اگر یزید جیسا شخص حاکم و پیشوا ہو تو اسلام اور امت مسلمہ کا فاتحہ پڑھنا چاہئے۔

۲۔ کسی بھی اسلامی مملکت اور امت مسلمہ کو سعادت و کامیابی اس وقت حاصل ہو گی جب حسین بن علیؑ جیسی شخصیت حاکم و رہبر ہو۔ نیز ایسی ہستی کے طفیل و عنایت و برکت سے اسلام کو عزت و عظمت حاصل ہو گی۔

۳۔ عوام الناس پر یزید جیسے فرد کے حاکم ورہبر ہونے سے بڑھ کر کوئی اور مصیبت وبلا نہیں ہو سکتی۔

(iii) محمد بن حنفیہ کے نام وصیت نامہ :

ا۔ امام کے اس وصیت نامہ سے کسی بھی اصلاح طلب، ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرنے والے اور معاشرہ سے بدبختی وظلمت کا خاتمہ چاہنے والے فرد یا قوم یا تنظیم کے لئے مندرجہ ذیل بنیادی و ضروری شرائط اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

الف : توحید : یعنی ایسی ذات وہستی پر پختہ ایمان جس کے علاوہ اس کا کوئی معبود و پروردگار نہ ہو جو تمام خوبیوں کا مالک اور تمام برائیوں سے پاک ہو۔

ب : نبوت : تمام انبیاء اور خاتم النبین کی نبوت و کتب اور احکام ووظائف پر کامل ایمان رکھتا ہو۔

ج : معاد : مرنے کے بعد زندہ ہونے، جھنم، بہشت اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھتا ہو۔

د : احیاء سیرت : حضرت محمدؐ اور خلفاء رسول اللہؐ کی سیرت وپیام کو زندہ ونافذ کرنے کا مستحکم عزم رکھتا ہو۔

ھ : خلوص نیت : خود خواہی سے عاری ہو، مال ودولت، مقام ومنصب اور حکومت وسلطنت کا حصول ھدف نہ ہو اور ملک ودنیا میں شر وفساد بپا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

و : امر بالمعروف و نہی از منکر کو اپنا بنیادی فریضہ اور ذمہ داری سمجھتا ہو اور عوام الناس کی خوشی واستقبال اور غضب ومخالفت پر خدا کی رضا وغضب کو اہمیت دیتا ہو۔

ز : صبر وشکیبائی کو جو تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی ماں ہے ہاتھ سے نہ جانے دے۔

۲۔ بیان شدہ اصول وضوابط حقیقت ودلیل پر مبنی ہیں اور جو بھی ان اصول وضوابط کا مالک ہوگا وہ مدد ونصرت کا مستحق ہوگا۔ اور حسین بن علیؑ اس زمانہ میں اور آئندہ آنے والے زمانہ میں انکے فرزند (مہدیؑ) انکی فکر وقیام وپیام ودلیل ومنطق میں ہر کس وناکس سے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ان اصول وضوابط کے مالک وپابند ہوں گے۔ لہٰذا وہ سب سے زیادہ نصرت ومدد کے مستحق ہیں۔

۳۔ حسین بن علیؑ جیسی شخصیت اور حسینی فکر وپیام کی نصرت ومدد کرنے والے اور نہ کرنے والے ہر فرد اور قوم سے خود ذات خدا حساب وکتاب مطالبہ فرمائے گا اور خود اجر وعقاب سے نوازے گا۔

(iv) عبداللہ بن عمر کو نصرت کی دعوت :

ا۔ دنیا کی پستی وذلت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سر مقدس یحییٰ بن زکریا کو تحفہ کے طور پر بنی اسرائیل کی ایک باغی عورت کو پیش کیا گیا۔ بنی اسرائیل نے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ۷۰ انبیاء کو قتل کیا اور پھر کاروبار میں یوں مصروف ہوگئے کہ گویا انہوں نے کوئی جرم ہی نہ کیا ہو۔

۲۔ کس قدر خدا صاحب رحمت ہے کہ بنی اسرائیل کی اس ذلیل وخوار حرکت کے باوجود خدا نے ان پر عذاب میں تعجیل نہ کی۔ مگر بعد میں ان سے سخت ودردناک انتقام لیا۔

۳۔ امام نے ہر اثر ورسوخ رکھنے والی شخصیت کو اس قیام میں اپنی مدد ونصرت کی دعوت دی۔

۴۔ کسی بھی قیام اور حرکت کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان افراد کو دعوت دی جائے جو عوام الناس میں اثر ورسوخ رکھتے ہوں۔

۵۔ تنہا امام کی حیات میں یا بعد از حیات امامؑ پر رونا اور ان کے اعضاء کا بوسہ لینا ذمہ داری سے بری ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی اور یہ عمل خدا اور سول اللہ کے سامنے حجت نہ ہو گا (یعنی عبداللہ بن عمر کی منطق اور نسبت پر عمل نہ کرنا چاہئے)۔

۶۔ خشک وخام معرفت، نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں سبب نجات وسعادت بن سکتی ہے۔

۷۔ امام معصومؑ اور حسین بن علیؑ جیسی ہستی بھی فرد مخالف ومقابل کی دلیل ومنطق اور نصیحت کو سننے کے لئے تیار رہتی ہے۔

۸۔ جناب عبداللہ ابن عمر کے یہ جملے کہ میں نے (خود رسول اللہؐ سے) سنا ہے کہ حسینؑ قتل کیا جائے گا اور جو اس کی مدد نہ کرے خدا اسے قیامت تک ذلیل وخوار رکھے گا اور یہ کہ ہرگز میں اس قیام کو خطا نہیں سمجھتا ہوں کیوں کہ خدا فرزند رسول اللہؐ کو خطا میں نہیں چھوڑ سکتا، اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر صاحب معرفت تھے لیکن ان کی معرفت ان کے کوئی کام نہ آئی۔

(v) دعوت نامہ امام اہل کوفہ کے لئے :

۱۔ اہل کوفہ کے تمام خطوط کا خلاصہ اور ان کی بدبختی وذلت کی اصل جڑ یہ تھی کہ ان کے لئے کوئی امام اور رہبر نہیں۔

۲۔ تمام بدبختیوں، مشکلات ومصائب اور ظلمتوں کا سبب اک صالح امام وقائد کا فقدان اور تمام سعادتوں اور خوشبختیوں کا سرچشمہ ایک صالح امام وقائد کی امامت وقیادت ہے۔

۳۔ مسلم بن عقیل امام معصوم کی نظر میں سب سے زیادہ معتبر ومعتمد اور اپنی ضرورت پر آپ کی ضرورت کو ترجیح دینے والے تھے۔

۴۔ ایک صالح امام وقائد کے نمائندہ کا سب سے زیادہ معتبر ومعتمد اور اپنی ضرورت پر لوگوں کی ضرورت کو ترجیح دینے والا ہونا چاہئے۔

۵۔ حسینؑ اس وقت تک کوفہ کی طرف روانہ نہ ہوئے جب تک انہیں کوفہ کے حالات کے سازگار ہونے کی خبر مسلم بن عقیل کی طرف سے نہ ملی۔

۶۔ حقیقی پیشوا امام کی نظر میں وہی ہے جو کتاب خدا پر عمل کرے، عدل وانصاف کو اپنا وتیرہ قرار دے، حق کی پیروی کرے اور اپنے وجود کو خدا کے فرمان پر فدا کرے۔

(vi) دعوت نامہ امام اہل بصرہ کے نام :

۱۔ مقام وعظمت خاتم النبینؐ : معبود نے محمدؐ کو اپنی مخلوق میں منتخب فرمایا اور نبوت ورسالت کا درجہ تفویض کیا اور جب وہ انسانوں کی ہدایت اور اپنے فریضۂ منصبی کو انجام دے چکے تو پھر انہیں اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔

۲۔ اپنا تعارف : ہم ان کے اہل بیتؑ، ولی، وصی اور وارث ہیں ہم پوری ملت میں قیادت ورہبری کے دوسروں سے زیادہ اہل ہیں۔

۳۔ اہل کے ہاتھوں میں آج حکومت وخلافت اس لئے نہیں کہ ایک گروہ نے ان کا حق غصب کیا اور ان پر سبقت لے گیا۔

۴۔ اہل بیتؑ نے اپنی عظمت و منزلت، علم و آگاہی کے باوجود خاموشی اس لئے اختیار کرلی کہ ملت اسلامیہ اختلاف وانتشار سے بچ سکے اور اسلام کا شیرازہ بکھرنے سے رہ جائے اور مسلمانوں کے آرام واطمینان کو اپنے حقوق پر مقدم رکھنا چاہا۔

۵۔ دعوت امام: میں تمھیں کتاب خدا و سنت رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ بتحقیق سنت مٹ چکی ہے اور بدعت زندہ ہو چکی ہے۔

۶۔ قبول دعوت کا ثمرہ: اگر تم میری بات کو قبول کرو گے اور میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں رشد و ہدایت کی طرف لے جاؤں گا۔

(vii) امام کا مکہ چھوڑنے سے قبل خطبہ :

ا۔ موت امام کی نظر میں: موت اولاد آدمؑ کے لئے اس طرح زینت ہے جس طرح کہ گلوبند ایک جوان لڑکی کے گلے کی زینت ہے۔ میں اپنے گزشتگان اور اسلاف طاہرہ سے ملنے کا اس طرح سے شوق رکھتا ہوں جس طرح یعقوبؑ، یوسفؑ سے شوق ملاقات رکھتے تھے۔

۲۔ امام کا مددگار و ناصر وہی ہو سکتا ہے جو خون کی قربانی دینے کیلئے آمادہ ہو اور لقاء اللہ پر یقین رکھتا ہو۔

۳۔ موت سے کوئی فرد فرار نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اہل بیتؑ رضائے الٰہی پر ہمیشہ راضی وخوش رہے اور اپنی رضا کو مقدم نہ رکھا۔

عبداللہ بن جعفر کے امان نامہ کے جواب میں :

ا۔ جو شخص لوگوں کو خدا اور رسول اللہؐ کی طرف دعوت دیتا ہے اور عمل صالح بجالاتا رہے اس نے خدا اور پیغمبر خدا کی مخالفت نہیں کی

۲۔ سب سے بہترین و معتبر ترین امان و پناہ خدا کی ذات ہے۔

۳۔ جس شخص کے دل میں دین کے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی امور کے بارے میں خوف و ترس خدا نہ ہو اس کے لئے آخرت میں خدا کی طرف سے کوئی پناہ نہیں۔

۴۔ خدا دل کی گہرائیوں سے باخبر ہے اور دل کی نیت و خیال کو صاحب دل سے بہتر جانتا ہے۔

(viii) اہل کوفہ کے نام امام حسینؑ کا دوسرا مکتوب :

ا۔ امام کو مسلم بن عقیل کی خبر اور خط سے پتہ چلا کہ اہل کوفہ ان کی نصرت اور حق کی حفاظت میں کوشاں اور تیار ہیں۔

۲۔ امامؑ نے خود کوفہ والوں کے خطوط پر اعتماد نہ کیا۔

۳۔ امام ۸/ ذی الحجہ بروز منگل مکہ سے نکل چکے تھے۔

(ix) لشکر حُر سے امامؑ کا پہلا خطاب

ا۔ امامؑ اپنی فکر و دلیل اور قیام کا سبب و علت، خدا اور لوگوں کے سامنے اپنی ذمہ داری اور فریضہ کو سمجھتے تھے۔

۲۔ امامؑ نے اس وقت تک کربلا کی طرف حرکت نہ کی جب تک کہ کوفے والوں نے امامت و قیادت کی ضرورت کو سب سے زیادہ محسوس نہ کیا اور امام کی امامت کو کامیابی و سعادت کے سرچشمہ کے طور پر قبول نہ کیا۔

۳۔ امام نے اس مقام پر واپس جانے کی خواہش کی کہ اگر تم اپنی دعوت پر باقی ہو تو میں اب یہاں تک آچکا ہوں، تمہارا فریضہ ہے کہ میرے لئے ایک ایسا ثبوت فراہم کرو

کہ جو مجھے تمہارے پچھلے عہد و پیمان کے سلسلے میں مطمئن کر سکے اور اگر تم ہماری آمد پر راضی نہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں گا۔

۴۔ کوئی بھی ہستی چاہے وہ امام معصومؑ ہی کیوں نہ ہو' اسے اصحاب و انصار اور طبیعی و فطرتی طریقے سے نصرت و قدرت و مددگار کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن کے ذریعہ وہ کسی قیام و تحریک کو اپنے ہدف و مقصد تک پہنچا سکے۔

(x) لشکر حُر سے دوسرا خطاب :

۱۔ خدا کی خوشنودی و رضا زیادہ اس میں ہے کہ بندہ کے دل میں خوف خدا ہو وہ اور اس بات کا معترف و کوشاں ہو کہ حق اہل حق کو مل جائے۔

۲۔ اہل بیت کا تعارف : اہل بیت محمدؐ اسلام کی قیادت و رہبری کے لئے ہر کسی سے زیادہ سزاوار ہیں۔

۳۔ دشمنان اہل بیت کا تعارف : وہ ہیں جنھوں نے ناحق اسلام کی قیادت و رہبری کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہے جو ہرگز ان کے لئے نہیں اور امت پر ظلم و جور کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔

۴۔ دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی : اگر تم نے ہمارے حق کو نہیں پہچانا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمھاری موجودہ روش تمھارے خطوط سے بالکل مختلف ہے' تو ایسی صورت میں میں اسی جگہ واپس چلا جاؤں گا۔

(xi) لشکر حُر سے امامؑ کا تیسرا خطاب :

۱۔ رسول اللہؐ نے فرمایا : جس نے ایسے حاکم کو دیکھا کہ جو ظالم ہو' حرام الٰہی کو حلال کر دے' اس کے عہد و پیمان کو توڑے 'سنت رسول اللہؐ کا مخالف ہو اور بندگان خدا کے درمیان گناہ و معصیت بجالاتا ہو لیکن اس کی تبدیلی کے لئے قول و فعل سے کوئی حرکت انجام نہ دے' تو خدا حق رکھتا ہے کہ اسے بھی ظالم کے ساتھ داخل جہنم کر دے۔

۲۔ امام نے اس حدیث کا صحیح مصداق یہ کہہ کر بیان فرمایا کہ یہ لوگ شیطان کی اطاعت پر تُل گئے ہیں' خدا کی اطاعت کو ترک کر چکے ہیں' فساد کی ترویج کے لئے کوشاں ہیں' حدود الٰہی کو معطل کر چکے ہیں۔ "مال فیٔ" کو (کہ جو عموم مسلمین سے متعلق ہے) اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے' حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیا ہے۔

۳۔ چنانچہ ان حالات میں امام نے اپنی ذات کو اور اہل بیتؑ کو سب سے زیادہ اس امر کا حقدار اور سزاوار جانا کہ قیام کریں اور قول و فعل سے ان کے خلاف جہاد کریں۔ علاوہ ازیں ایک اہم دلیل جو امام کے پاس ان کے خلاف قول و فعل سے قیام کرنے کی تھی' وہ اہل کوفہ کی تیاری و رضامندی تھی جو خود امام پر اتمام حجت تھا۔ بصورت دیگر قدرت و طاقت کے باوجود قیام نہ کرنے کے مترادف ہوتا۔

۴۔ کوفہ والے نمائندۂ حسین بن علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور انہیں دشمن کے حوالے نہ کرنے اور تنہا نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا۔

۵۔ انسان امام و امامت کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد اپنی بیعت اور عہد وفا پر قائم رہے تو یقیناً سعادت سے ہم کنار ہوگا۔

۶۔ اگر امام کے ہاتھ میں اسلام و مسلمین کی امامت و قیادت ہو

اور حکومت کو وہ اپنے نور سے منور کرے تو وہ عوام الناس کی جان کو اپنی جان اور ان کے افراد خاندان کو اپنے گھر والوں کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۷۔ امام حسین بن علیؑ کا قیام مقدس تمام انسانیت کے لئے بالخصوص مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ واسوہ ہے۔

۸۔ امام حسینؑ کے ساتھ کوفہ والوں کی بے وفائی وغداری کوئی نئی بات نہیں تھی۔انہوں نے یہی بے وفائی امام علیؑ، امام حسنؑ اور مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ کی تھی۔

۹۔ اسلام کی طرف سے کوفہ والوں کو ایک خوش نصیبی اور حصہ حاصل ہوتا اگر وہ امام کی مدد کرتے۔ لیکن انہوں نے اس نصیب وحصہ تک پہنچنے کیلئے غلط راہ اختیار کی اور اپنے حق کو اپنے ہاتھ سے گنوادیا۔

۱۰۔ امامؑ اور امامت کو تنہا چھوڑنے کا اور ان سے عہد شکنی کرنے کا نقصان خود امام کو نہیں بلکہ عوام الناس کو ہوگا۔

۱۱۔ امام کا مقصدِ قیام مصبِ ولایت کو غاصبین کے ہاتھوں سے نجات دلانا تھا۔ چونکہ اس مقصد کے حصول کے لئے اعوان وانصار کی ضرورت تھی اس لئے آپؑ افراد کو اپنی نصرت وحمایت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ مگر جب کسی بھی طرف سے کسی قسم کی حمایت ونصرت کی امید نہ رہی تو امامؑ نے واپس حجاز جانے پر اصرار فرمایا۔اگر امام کے پیش نظر کوئی اور ھدف ومقصد ہوتا تو کیا آپ واپس جانے کے لئے اصرار کرتے؟

(xii) عبید اللہ ابن حر جعفی سے امام کی ملاقات:

۱۔ امام نے پھر ایک بار ایک ایسے شخص سے نصرت ومدد طلب کی جس کا معاشرہ کے خواص (صاحب مقام ومنصب اور اثر ورسوخ والے افراد) میں شمار تھا اور جو بہت بہادر، شجاع اور شاعر سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ امام وامامت کے لئے اس قدر قدرت وطاقت کی ضرورت ہوتی ہے کہ امام بھی کسی بہانے کو باقی نہ رہنے دینے کے لئے اور اپنی حجت تمام کرنے کے لئے خود بہ نفس نفیس عبید اللہ ابن حر جعفی کے پاس پہنچے۔امامؑ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ امام بھی بغیر یاروانصار کے کچھ نہیں کر سکتے۔

۳۔ توبہ کی حقیقت امام حسین بن علیؑ کی نگاہ میں یہ ہے کہ گناہکار اپنے کل وجود کو امام وامامت کی حمایت ودفاع کے لئے وقف کرے۔

۴۔ عبید اللہ کی امام کے بارے میں یہ معرفت کہ جو آپؑ کا ساتھ دے گا اور آپ کی پیروی کرے گا وہ آخرت میں سعادت مند ہوگا، اس کے لئے باعث سعادت نہیں بلکہ باعث شقاوت بنی۔کیوں؟

۵۔ امام کو ایسے انصار ومددگاروں کی ضرورت ہے جو اپنی جان امام کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار اور آمادہ ہوں۔

۶۔ وہ لوگ جو حسینی اھداف اور صحیح عزاداری کو زندہ کرنے کے لئے صرف اور صرف مال ودولت خرچ اور فدا کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور اپنی جان وفکر کو وقف کرنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں، انہیں عبید اللہ بن حر جعفی سے درس عبرت لینا چاہئے اور وہ امام کے اس جملہ کو کہ "مجھے

تمھارے گھوڑے یا تمھاری کسی اور چیز کی ضرورت اور طمع نہیں، میں گمراہ لوگوں سے کسی مدد یا پشت پناہی کا خواہاں نہیں"۔ اپنے لئے نصیحت اور امتحان کا درس سمجھیں۔

امامؑ کا یہ جملہ قرآن کریم کی سورۂ کہف کی آیت ۵۱ کی طرف اشارہ ہے۔

"وماکنت متخذالمضلین عضدا۔"

"اور نہ ہم ظالمین کو اپنا قوت بازو اور مددگار بنا سکتے ہیں"

۷۔ کسی صالح قیادت کے تحت سعادت سے ہمکنار ہونے کے لئے دو عوامل کا موجود ہونا اور تیسرے عامل کا مفقود ہونا ضروری ہے۔ صالح قیادت کی موجودگی اور صالح رہبر کی شناخت کا ہونا ضروری ہے جبکہ اہل وعیال کی محبت، مال ودولت کی طمع اور حب جاہ و منصبوہ عوامل ہیں جو حصولِ مقصد میں رکاوٹ اور مانع بن جاتے ہیں۔

۸۔ جو کوئی بھی امام وقت وصالح قیادت، اسلام و قرآن کی مظلومیت وغربت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے یا اس مظلومیت وتنہائی کو درک ومحسوس کرے اور ان کی مدد ونصرت کے لئے کوشش اور جان فدا نہ کرے اور انہیں تنہا وبے یارومددگار چھوڑے، امام حسینؑ ایسے فرد کے انجام کے بارے میں بتاتے ہیں کہ خدا کی قسم! خدا اس کو منہ کے بل جہنم میں داخل کرے گا۔

(xiii) نماز، تلاوت قرآن اور کثرت دعا کی طرف دعوت :

۱۔ نماز، قرآن، دعا اور استغفار اس قدر عظمت اور قدرومنزلت رکھتی ہیں کہ جس کے لئے امامؑ ایک رات کی مہلت دشمن سے طلب کرتے ہیں۔

۲۔ امامؑ ابتدائے حیات سے شہادت تک نماز، قرآن اور دعا کی کثرت سے تلاوت فرماتے تھے تاکہ یہ بتائیں کہ ہماری جنگ اس نماز قرآن اور دعا کی خاطر ہے۔

شب عاشورا امام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی :

"ولا تحسبن الذین کفروا انما نملی لهم جبر لانفسهم انما نملی لهم لیزدادو اثما ولهم عذاب مهین "ما کان الله لیذرالمومنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب"۔

اور خبردار کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم جس قدر راحت وآرام دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں کوئی بھلائی ہے۔ ہم تو صرف اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ جتنا گناہ کر سکیں کرلیں ورنہ ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ خدا صاحبان ایمان کو انھیں حالات میں نہیں چھوڑ سکتا جب تک خبیث اور طیّب کو الگ الگ نہ کردے"۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۷۸، ۱۷۹)

(xiv) میدان کربلا میں اصحاب سے امامؑ کا خطاب :

۱۔ دیندار اور بے دین کے شناخت کی کسوٹی، امتحان اور مشکلات ومصائب کا وقت ہے، جس دن اکثر لوگ اپنی معاشی منفعتوں کی خاطر دین سے جدا اور رخصت ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اپنی دینداری وبے دینی کی شناخت کے لئے مصائب وامتحان کا روز سب سے بہتر ہو گا۔

۲۔ لوگوں نے امامؑ سے جو وعدے کئے تھے وہ ان کے دلوں سے نہ تھے بلکہ فقط زبانی حد تک محدود تھے۔

۳۔ اب تک امام حسینؑ نے لوگوں سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ ٹوٹ چکی ہیں۔

۴۔ حالات و حوادث روزگار کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں "ایسے حالات میں فقط شہادت کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں"۔

۵۔ امامؑ نے اپنے اس خطاب میں فرمایا کہ : "کیونکہ دنیا نے ہم سے رخ موڑ لیا اور ہماری طرف پشت پھیر لی چنانچہ اس لئے اب سوائے شہادت کے اور کوئی چارہ نہیں"۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیا ایسا نہ کرتی اور ایسے حالات نہ پیدا ہوتے تو امام کا رویہ وھدف کیا ہوتا؟ باالفاظ دیگر وہ کیا شے تھی جو امامؑ کی توقعات پوری ہونے پر امام کو مطلوب تھی؟۔

۶۔ جب حق پر عمل نہیں ہو رہا ہو اور لوگ باطل سے باز نہیں آتے ہوں' ایسے میں ہر مومن کو چاہئے کہ ایسی زندگی سے (لقاء اللہ) ملاقات خداوندی کو ترجیح دے۔

۷۔ امامؑ موت کو جزو سعادت اور ظالمین کے ساتھ زندگی کو فقط ذلت و نابودی کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے۔

(xv) کربلا میں اصحاب کو صبر و استقامت کی دعوت :

۱۔ خدا نے آج کے دن میرے اور تمھارے قتل کا اذن دیا ہے لہٰذا صبر و بردباری کو اپناؤ اور دشمن کے ساتھ جنگ کرو۔

۲۔ موت ایک پُل کی مانند ہے جو تم لوگوں کو سختیوں اور مشکلات سے نکال کر وسیع اور نعمتوں سے پر جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ موت ہمارے لئے قید خانہ سے آزاد ہو کر محل کی طرف جانے کی مانند ہے اور دشمنوں کے لئے محل سے قید خانہ میں قید ہونے کی مانند۔

(xvi) عمر بن سعد کو مدد و نصرت کی دعوت :

۱۔ دعوت امام : اے عمر بن سعد کیا تم میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کروگے اور اس قوم (بنی امیہ) کی نصرت سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے ہو' یہ کام خدا سے زیادہ قرب کا باعث اور زیادہ قابل خوشی ہوگا۔

۲۔ عمر بن سعد کے بہانے : اگر میں نے آپ کی مدد کی تو یہ لوگ کوفہ میں گھر کو ویران و خراب کریں گے' میرے باغات و نخلستانوں پر قبضہ کرلیں گے اور میرے اہل و عیال کوفہ میں مارے جاسکتے ہیں۔

۳۔ امام اور صالح قائد ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ مخالف کے بہانوں کو رد اور ناکام کریں لیکن جب ناامید اور مایوس ہوتے تو پھر اصرار نہیں کرتے کیونکہ امام کسی کو زبردستی اپنا معاون و مددگار اور ہمرکاب بنانا پسند نہیں کرتے بلکہ انہیں اپنی مرضی و خوشی سے سعادت و بدبختی میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا حق دیتے ہیں۔

(xvii) میدان کربلا میں لشکر بنی امیہ سے پہلا خطاب (دعوت) :

۱۔ امام حسینؑ افہام و تفہیم کے قائل تھے اور وعظ و نصیحت کرنے اور سننے کو پسند فرماتے تھے۔ امام اپنی فکر و پیام و اھداف کو بیان کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

۲۔ انسان کی سعادت اس میں ہے کہ اس نے جو بھی عہد و پیان اپنے زمانہ کے امامؑ کے ساتھ کیا ہے اس پر قائم و باقی رہے اور اس کی شقاوت و بدبختی اسی عہد و پیان کی زنجیر کو اتار

پھینکنے میں ہے۔امام کی منطق وفکر سن کر سمجھنے کے بعد قبول کرنے میں سعادت اور دلیل وفکر سے گریز اور سننے تک آمادہ نہ ہونے میں شقاوت ہے۔

۳۔ جس خدا نے قرآن کو نازل فرمایا' وہی ذات ہر زمانہ میں اور ہر دور میں صالحین کی یارومددگار رہے گی۔

۴۔ دنیا کسی بھی فرد کو اپنے دامن میں زندہ باقی نہیں رکھتی۔اگر ایسا ہوتا تو انبیاء واولیاء سب سے زیادہ سزاوار تھے کہ اس دنیا میں زندہ رہیں اور ان کا خوشی ورضا جلب کرنا سب سے افضل تھا۔

۵۔ خدا نے اس دنیا کو فناوزوال کے لئے خلق فرمایا ہے'اس کی تازہ اور نئی چیزیں پرانی اور اس کی نعمتیں زائل ہونگی اور اس کا سرور وخوشی'غم واندوہ میں تبدیل ہوگا۔

۶۔ آخرت کے سفر کے لئے بہترین توشہ اور زاد راہ تقویٰ اور خوف خدا ہے۔

۷۔ جو کوئی دنیا کا عاشق ہو وہ بدبخت وبے چارہ ہے۔وہ مغرور اور فریب خوردہ ہے جو دنیا کے بھکاوے میں آجائے۔

۸۔ امام اور نظام امامت کی مخالفت اور امام وصالح قائد کو یک وتنہا چھوڑنا یا ان سے دور رہنا باعث غضب خدا اور رسول ہے۔

۹۔ خدا اور رسول اللہ پر ایمان لے آنے کے باوجود اولاد رسول صکو قتل کرنے کے لئے جمع ہونا کس بات کی دلیل ہے؟ آخر ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟

۱۰۔ خدا اور رسول پر ایمان لے آنا آسان ہے لیکن اس ایمان وعہد وپیمان پر باقی رہنا آسان نہیں' انقلابی ہونا آسان ہے لیکن انقلابی باقی رہنا مشکل۔

۱۱۔ لشکر عمر سعد کے پاس "حسینؑ" کو قتل کرنے کا نہ کوئی شرعی جواز ہے اور نہ عقلی۔امام نے فرمایا: نہ میں نے شریعت میں کوئی تبدیلی اور تحریف کی ہے' نہ تمہارے کسی فرد کو میں نے قتل کیا ہے اور نہ ہی میں نے کسی کا حق چھینا ہے کہ تم مجھ سے اس کا انتقام لو۔

۱۲۔ حسینؑ نے نہ ذلت کا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دیا اور نہ ہی غلاموں کی طرح میدان جنگ اور دشمن کے مقابلہ سے فرار کیا۔

(xviii) میدان کربلا میں لشکر بنی امیہ سے دوسرا خطاب:

۱۔ امام سعادت اور رشد کی طرف دعوت دیتے ہیں "میں تمہیں سعادت اور رشد وتکامل کی طرف دعوت دیتا ہوں جس نے میری اطاعت کی وہ مرشدین وسعادتمندوں میں سے قرار پائے گا اور جس نے میری اطاعت نہ کی وہ ھلاک ہونے والوں میں شمار ہوگا"۔

۲۔ حرام تحفہ وتحائف: نامشروع کھانے کی وجہ سے خدا انسانوں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے جس کی بنا پر امام کا قول بھی دلوں میں نفوذ نہیں کرپاتا اور لوگ امامت سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

۳۔ ایک مرتبہ پھر دعوت دی گئی کہ وہ سوچیں اور غور وفکر کے بعد بھی وہ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ امام کو یہاں بلا کر ان سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا وہ امام کی آمد سے خوش نہیں اور ان کا ساتھ دینے سے معذور ہیں تو وہ حسینؑ کو یہاں سے واپس جانے

دیں۔

۴۔ کوفے والوں کی مخالفت اور عہد شکنی کی دلیل یہ نہ تھی کہ ان کو دشمنوں نے عدالت وانصاف کے ذریعہ کوئی فائدہ پہنچایا ہو اور نہ ہی ان سے کوئی خیر کی امید نظر آتی تھی بلکہ حب مال ودنیا' حب جاہ ومقام' غذائے حرام اور کچھ دن' کچھ لمحے یا کچھ دقیقے مزید ذلت وخواری کی خواہش وتمنا نے اس شرمناک گناہ کرنے پر انہیں مجبور کیا۔ اور اپنے امام کو تنہا چھوڑا۔

۵۔ کوفے والوں نے اپنی ذمہ داری اور الٰہی فریضہ سمجھ کر امام کو دعوت نہ دی بلکہ ان حالات میں جب تلواریں نیام میں تھیں' دل مطمئن وپرسکون تھے' جب آراء ونظریات تبدیل نہیں ہوئے تھے' بغیر سوچ سمجھے اور اپنے عقلی وشرعی فریضہ کو درک کئے بغیر صرف وصرف منافع و مادیات کی خاطر اور آرام وسکون کی زندگی گزارنے کی خاطر امام کے اطراف شہد کی مکھیوں کی مانند جمع اور حملہ آور ہوئے اور انہیں کوفہ کی طرف حرکت کرنے پر مجبور کیا۔

۶۔ کوئی اقدام کرنے سے پہلے اس کام کے بارے میں اللہ ورسول اللہ کی رضا وخوشنودی اور ان کی نظر کو پڑھنا اور تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ جو شخص کسی کام کو اپنا مذہبی' دینی' عقلی فریضہ سمجھ کر شروع کرتا ہے اسے اس کے نتیجہ کی زیادہ فکر نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی توجہ بالکل اس طرف نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ ہر مشکل وسختی کو خوشی ومسرت سے قبول اور برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

۷۔ اسلام وقرآن اور امام کو تنہا وبے یارومددگار اور غریب چھوڑنے والے' امامؑ کی نظر میں امت مسلمہ کے باغی احزاب کے باقی ماندہ ہیں جنھوں نے قرآن کو پیچھے چھوڑا۔ یہ شیطان کی ناک وسینہ سے گرا ہوا بلغم وخلط ہیں۔ یہ قرآن میں تحریف کرنے والے' سنتوں کو خاموش کرنے والے' پیغمبرؐ کے فرزند کو قتل اور اوصیاء کی نسل کو نیست ونابود کرنے والے' قرآن کو مسخرہ واستہزا کرنے والے لوگوں کے پشت پناہ ہیں۔

۸۔ کوفہ والے اور ان جیسی حرکت کرنے والے کسی بھی زمانہ میں ہوں' اسلام کو تنہا چھوڑنے والے چاہے کوئی بھی ہوں امام نے ان کو اس نامبارک بے وفا پھل جیسا قرار دیا جو اس مالی وباغبان کے لئے کہ جس نے ہزاروں زحمت ومشقت کے بعد اسے اس حالت سے خوبصورت اور مزیدار بنایا وہ اس (مالی) کے لئے باعث تلخی اور بدمزگی ہوتی ہیں اور اس کے گلے میں اٹک جاتا ہے اور غیروں کے لئے لذیذ' مزیدار اور خوشگوار ہوتا ہے۔

۹۔ حسینی فکر رکھنے والوں کو' حسینؑ کا نام مبارک لینے والوں کو اور ان کے اھداف مقدسہ کو زندہ کرنے والوں کو خدا و رسول' پاک دامن ماؤں' صاحبان کرامت وفضائل اور نیک سیرت ہستیوں کی طرف سے اجازت نہیں کہ نیک سیرت ہستیوں کی قتل گاہ پر ان پست ولئیم افراد کی اطاعت وغلامی کو قبول کریں۔

۱۰۔ اہل حق وحقیقت کے لئے شکست کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اگرچہ ظاہراً شکستہ نظر آئیں۔

۱۱۔ اہل حق کو شماتت کرنے والے جان لیں کہ ایک دن انہیں بھی ابدی شماتت کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ موت سے کوئی فرار نہیں کر سکتا۔

۱۲۔ امامؑ کی پیش بینی :ایسے افراد 'ایسی قوم کہ جو اپنے صالح امام کو یک و تنہا چھوڑے 'اسلام و قرآن کو غریب و بے یار چھوڑے تا کہ اپنے منافع و فائدے حاصل کر سکیں' چند روز مزید اس دنیا میں رہنے کی خواہش میں انہیں کبھی بھی سکون و آرام نہ ملے گا 'انہیں کبھی خوشی و مسرت نصیب نہ ہو گی۔

(xix) عمر ابن سعد کے لشکر کی طرف سے مجرمانہ جنگ کے آغاز کے بعد امام کا اپنے اصحاب سے خطاب :

۱۔ امامؑ نے فرمایا"قوموا ایھا الکرام "۔"اٹھو اے صاحبان کرامت و فضیلت"

امام کی یہ تعبیر اپنے اصحاب و انصار کے بارے میں سب سے خوبصورت اور جامع ترین تعبیر ہے اور اس سے بالاتر تصور نہیں کیا جاسکتا اور سب سے زیادہ اہمیت کی بات تو یہ ہے کہ حسین بن علیؑ یہ تعبیر فرماتے ہیں۔

۲۔ اٹھو کہ اب موت کے علاوہ کوئی راہ و چارہ نہیں ۔کیا امامؑ کربلا میں اس موت و شہادت کی تلاش میں آئے تھے ؟اگر یہ درست ہے تو امامؑ کیوں فرماتے ہیں کہ اب موت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ؟ وہ کونسا مقصد تھا جس کی خاطر امامؑ نے کوفہ کی طرف حرکت فرمائی ؟

۳۔ امامؑ اسلام اور قرآن کی مدد و نصرت کرنے والوں میں اور جنت میں 'صرف موت کے پُل کے برابر فاصلہ ہے۔

(xx) نماز ظہر کے بعد اصحاب سے خطاب :

۱۔ جنت کے دروازے آپکی طرف کھلے ہوئے ہیں 'اس کی نہریں جاری۔اور درخت سر سبز ہیں ۔رسول اللہ اور شھداء اللہ آپ کے قدوم مبارک کے منتظر ہیں اور آپ کی آمد پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔

۲۔ حسین بن علیؑ نے کربلا میں موجود انصار و اعوان سے اور آنے والی نسلوں کے لئے فرمایا کہ :جو بھی میرے ساتھ جنت فردوس میں محشور ہونا چاہتا ہے اور میرے باوفا اصحاب میں شامل ہونے کی خواہش رکھتا ہے اس کی واحد راہ دین خدا' رسولِؐ خدا اور اہل بیتِؑ رسول اللہ سے دفاع و حمایت کرنا ہے۔

(xxi) اہل بیتؑ اور اہل و عیال کو صبر و استقامت کی دعوت :

۱۔ وہ امام جو خلائق میں سب سے زیادہ اپنی اولاد و اہل بیت سے محبت رکھتا ہے' جب امتحان کا وقت آتا ہے اور جب اسلام و مکتب قرآن کو خطرے میں دیکھتا ہے تو اولاد و اہل بیت کی محبت کو خدا و اسلام کی محبت پر فدا کر تا ہے۔

۲۔ مرحوم عبد الرزاق مقرّم لکھتے ہیں کہ اس گفتگو اور روایت وداع میں کہ جسکے مخاطب اہل بیت اور امام کے اہل و عیال ہیں' دو موضوع کی طرف امامؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔(۱)اس طویل و خطرناک سفر میں وہ دشمن کے ہاتھوں شہید نہیں ہونگے۔"ان اللہ محامیکم"(۲)ان کے لباس وردا چھینے

نہیں جائیں گے "وحافظکم"۔

۲۔ امامؑ اپنے اہل وعیال کو ایسا لباس پہننے کا امر فرماتے ہیں کہ جو انہیں بازاروں اور نامحرموں کی محفل میں لوگوں کی نگاہ سے محفوظ و محجوب رکھ سکے۔

(xxii) حضرت سجادؑ کو دعوت صبر اور وصیت :

۱۔ امامؑ نے حضرت سجادؑ کو اور اپنے اہل بیتؑ کو ایسے مصائب و آلام سے پر حالات میں دو طریقے سے تسلی اور استقامت و شکیبائی کی طرف دعوت دی۔ انہیں مصائب و آلام سے مکمل جدا کر کے رب العالمین کی طرف متوجہ فرمایا اور اس خاکی دنیا سے بالکل منقطع کر کے انہیں خدا کے حضور میں شرف یاب فرمایا۔

۲۔ اہل کوفہ پر اور ظالموں پر جلد از جلد خدا کی طرف سے عذاب وبلا آنے کی خبر دی۔

۳۔ امامؑ نے اپنے آخری لحظات میں حضرت سجادؑ کو ایک مخصوص دعا کی تعلیم فرمائی اس دعا میں عام بشریت کو پھر ایک مرتبہ اس مقصد و ھدف کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے جس کے لئے تمام انبیاء و رسول مبعوث ہوئے اور آج حسین بن علیؑ کو بھی شھید کیا جارہا ہے۔ وہ ذات خدا کی وحدانیت و ملکوت ہے' وہ خدا جو تمام اسرار و رموز پر کاملاً محیط ہے' وہ جو رازق وار حم الرحمین ہے۔

۴۔ امامؑ کی آخری وصیت کہ اس انسان پر ظلم و ستم نہ کرنا جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار و ناصر نہ ہو۔

(xxii) قتل گاہ سے پوری انسانیت کے لئے پیغام :

"اگر کسی بھی دین پر عقیدہ نہیں رکھتے ہو' اگر تمھارا کوئی دین نہیں اور روز قیامت و حساب و کتاب سے نہیں ڈرتے ہو تو کم از کم اپنی دنیا میں (دنیوی امور میں) تو آزاد انسانوں کی طرح زندگی کرو۔"

(xxvi) رہتی انسانیت کو امامؑ کی دعوتِ نصرت :

"کیا کوئی ہے جو حرم رسول اللہ سے دفاع کرے؟ کیا کوئی موحد ہے جو ہمارے بارے میں خدا سے خوف رکھتا ہو؟ کیا کوئی فریاد رس ہے جو خدا پر امید و بھروسہ کر کے ہماری فریاد رسی کرے؟ کیا کوئی مددگار و ناصر ہے جو ہماری مدد کرے؟"

اعتقاد پر انتقاد

۱۔ اعتقاد شمارۂ اول کے اداریہ صفحہ ۱۳ پر انیسویں سطر میں شناخت کی دوسری قسم نزولی راہ کے سلسلہ میں استدلال کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے کہ "پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ، سلمانؓ ابوذرؓ اور عمار یاسرؓ کی شان میں بارہا فرمایا کہ :

"یہ وہ ذوات ہیں جو حق پر ہیں، حق ان کے ساتھ ہے اور یہ حق کے ساتھ" اس سلسلہ میں بعض معزز قارئین نے اپنے شبہات کا اظہار فرمایا ہے جسکے لئے ہم انکے شکر گزار ہیں۔ بادی النظر میں انکا اعتراض درست معلوم ہوتا ہے کہ سلمانؓ، ابوذرؓ، عمار یاسرؓ کتنے ہی بلند پایا بزرگان دین سہی مگر علیؑ اور ان بزرگوں کو ایک صف میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا جبکہ اس حدیث کے متن سے یہی تاثر قائم ہوتا ہے گویا کہ یہ حضرات بھی علیؑ کے ہم پلہ ہیں۔ اس ضمن میں ہم دو نکات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں :۔

(i) حضورؐ سے منسوب یہ الفاظ ایک حدیث کی شکل میں کسی ایک موقع پر وارد نہیں ہوئے ہیں بلکہ اس سلسلے میں متعدد مواقع پر جو کچھ آپؐ نے فرمایا تھا ہم نے انکو یکجا کر کے آپکی خدمت میں پیش کیا ہے۔

(ii) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غدیر خم میں حضورؐ نے علیؑ کو منصب خلافت کے لئے معین فرمایا۔ اس حقیقت کے بعد اس بات کا تعین کرنا کہ پیغمبرؐ کی شریعت و سنت پر کون گامزن ہے؟ یقیناً اسکی پہچان علیؑ ہیں، جہاں علیؑ ہیں وہی راہ پیغمبرؐ ہے۔ لیکن اگر خود علیؑ اور دوسروں کے درمیان مقابلہ ہو یعنی ایک طرف علیؑ کہیں کہ وہ حق پر ہیں اور دوسری طرف کوئی اور علیؑ کے مقابل کھڑا ہو کر دعویٰ حق کرے تو ایسے موقع پر ان اصحاب بر جستہ یعنی سلمانؓ، ابوذرؓ اور عمار یاسرؓ کا کسی کے ساتھ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فریق حق پر ہے۔ چنانچہ جنگ صفین میں علیؑ اور معاویہ کے مقابلہ میں لوگوں نے عمار یاسرؓ کو حق کی کسوٹی قرار دیا کہ جس طرف عمار ہونگے وہ حق پر ہے۔ چونکہ عمار یاسرؓ علیؑ کے ساتھ تھے اس لئے لوگوں نے سمجھ لیا کہ علیؑ حق پر ہیں۔

۲۔ شمارۂ دوم صفحہ ۵۰ نمبر ۱۲ میں، قرآن کا سننا واجب ہے اور اس کے ساتھ خاضع ہونا بھی ضروری ہے کے ذیل میں سہواً سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۴ نقل ہو گئی ہے جبکہ یہاں آیت نمبر ۲۰۴ ہونی چاہئے تھی یعنی :

واذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون

"جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنیں۔"

۳۔ شمارۂ دوم ہی کے صفحہ ۱۵۲ پر پہلے پیراگراف میں "عالم میثاق" کے بجائے "عام میثاق" چھپ گیا ہے اسی پیراگراف میں عالم ولایت کے ذیل میں آیت کریمہ "الست بربکم" کے بجائے "الست اولیٰ بکم" چھپا ہے۔

جیسا کہ آپ حضرات کو علم ہے آپکا یہ مجلّہ ابھی ابتدائی تجرباتی مراحل سے گزر رہا ہے اس لئے طباعت اور پروف ریڈنگ میں غلطیوں کے احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام مجلّے کی بہتری کے لئے اسی طرح اپنی توجہات و عنایات سے سرفراز فرماتے رہیں گے۔ شکریہ

مصادر و مآخذ مجلّہ اعتقاد (۳)

نام کتاب	نام مصف
۱۔ معجم الفاظ قرآن کریم۔	
۲۔ معجم الفاظ نہج البلاغہ۔	
۳۔ معجم الفاظ غرر الحکم۔	
۴۔ تاج العروس	الزبیدی
۵۔ لسان الرب۔	ابن منظور
۶۔ موسوعۃ العربیۃ المیسرۃ۔	محمد شفیق
۷۔ دائرۃ المعارف۔	فرید وجدی
۸۔ دائرۃ المعارف۔	پنجاب یونیورسٹی
۹۔ کشاف اصطلاحات۔	محمد علی بن علی تھانوی
۱۰۔ مجلّہ ثقافۃ الاسلامیۃ شمارہ (۷،اور ۱۹)	
۱۱۔ وقائع وحوادث۔	محمد باقر ملبوبی
۱۲۔ روض المناظر۔	شیخ محبّ الدین ابن الشحنۃ
۱۳۔ کتاب الازمنہ والامکنہ۔	ابی علی جرزوقی اصفہانی
۱۴۔ القرآن والعلم الحدیث۔	عبد الرزاق نوفل
۱۵۔ اللہ والعلم الحدیث۔	عبد الرزاق نوفل
۱۶۔ الھیئۃ والاسلام۔	آیت اللہ ھیبت الدین شہرستانی
۱۷۔ دراسات الاسلامیۃ۔	محمد عبد الرحمٰن الجدیلی
۱۸۔ من الذرۃ الی المجرۃ۔	عمادۃ احمد العاتدی
۱۹۔ الفقہ علی المذاہب الخمسہ	محمد جواد مغنیہ
۲۰۔ وسائل الشیعہ	حر آملی

نام کتاب	نام مصنف
۲۱۔ اذان، نغمہ آسمانی۔	آیت اللہ کریمی جھرمی
۲۲۔ رسالۃ حول مسئلہ رویئۃ الھلال۔	آیت اللہ السید محمد الحسین الحسینی طہرانی
۲۳۔ المرتضٰی۔	تالیف ابو الحسن علی حسن ندوی
۲۴۔ تفسیر فرقان۔	آیت اللہ محمد صادقی
۲۵۔ تفسیر المیزان۔	آیت اللہ طباطبائی
۲۶۔ تفسیر منیر۔	دکتور وھبہ الزحیلی
۲۷۔ امالی۔	سید مرتضٰی علم الھدیٰ
۲۸۔ معانی اخبار۔	شیخ صدوق علیہ الرحمۃ
۲۹۔ تفسیر نور الثقلین۔	شیخ عبد علی بن جمعہ عروسی الحویزی
۳۰۔ مصباح الکفعمی	الکفعمی
۳۱۔ علل الشرایع۔	الشیخ الصدوق
۳۲۔ دعائم الاسلام۔	ابی حنفیۃ النعمن التمیمی مغربی
۳۳۔ مفردات راغب اصفہانی۔	
۳۴۔ تاریخ طبری	طبری
۳۵۔ جولۃ التاریخ فی عصر الخلفاء راشدین۔	محمد السید الوکیل
۳۶۔ مفاتیح الجنان۔	شیخ عباس قمی
۳۷۔ تفسیر فخر رازی	فخر رازی
۳۸۔ ائمتنا	علی محمد دخیل

نام کتاب	نام مصنف
۳۹۔ مستدرک سفینۃ البحار	شیخ علی نمازی شاہرودی
۴۰۔ میزان الحکمۃ۔	محمد ری شہری
۴۱۔ تفسیر در منثور۔	جلال الدین سیوطی
۴۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔	فیروز سنز
۴۳۔ فرہنگ آصفیہ۔	مولوی سید احمد دہلوی
۴۴۔ نور اللغات۔	مولوی نور الحسن نیّر
۴۵۔ جامع الغات۔	خواجہ عبد المجید بی اے
۴۶۔ تحفۃ العوام۔	
۴۷۔ امیامیہ جنتری۔	وزارت ثقافۃ والتعلیم عراق
۴۸۔ مجلّہ العلم والحیاۃ۔	
۴۹۔ قاموس قرآن۔	
۵۰۔ معجم اصطلاحات فلسفی۔	
۵۱۔ مجلّہ توحید۔	سازمان تبلیغات اسلامی
۵۲۔ القرآن والانسان۔	
۵۳۔ بک آف نالج۔	
۵۴۔ ارشاد شیخ مفید۔	شیخ مفیدؒ
۵۵۔ الکون والارض والانسان فی القرآن العظیم۔	
۵۶۔ رجاء عبد المجید تحرانی۔	
۵۷۔ الانسان والحیاۃ۔	
۵۸۔ تاریخ مکہ ومدینہ۔	دکتور احمد ابراہیم شریف
۵۹۔ مقتل امام حسینؑ۔	عبد الرزاق مقرم
۶۰۔ حیاۃ امام حسینؑ۔	محمد باقر شریف قرشی
۶۱۔ گاہ شماری در ایران قدیم۔	حسن تقی زادہ

نام کتاب	نام مصنف
۶۲۔ تقویم و تاریخ در ایران۔	ذ۔ بھروز
۶۳۔ مصباح المنیر۔	علامہ فیومی مقری
۶۴۔ سفینۃ البحار۔	
۶۵۔ مستدرک وسائل شیعہ۔	
۶۶۔ دائرۃ المعارف شیعہ۔	سید حسن امینی
۶۷۔ مجازات۔ نبوی۔	سید شریف الرضی
۶۹۔ لاروس۔	
۷۰۔ المنجد۔	
۷۱۔ وسائل اخوان الصفاء۔	
۷۲۔ قاموس سیاسی۔	احمد عطیۃ اسد
۷۳۔ گیتاشناسی۔	
۷۴۔ المراقبات فی اعمال سنۃ۔	الحاج میرزا آغا جواد ملکی تبریزی
۷۵۔ گوہر وقت۔	سید حسن مطلبی
۷۶۔ عین الادب والسیاست۔	علی بن عبد الرحمٰن ھذیلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
انا اعطینک الکوثر
فصل لربک وانحر
اِنَّ شانئک ھو الابتر

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الحسن والحسین

سیدا شباب اہل الجنۃ

پیغمبرؐ گرامی قدر نے فرمایا: بے شک حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

بیشک ہماری احادیث دلوں کو زندہ کرتی ہیں۔

(میزان الحکمۃ ج دوم ص ۲۸۸)